

تجلیاتِ نور

جلد اول

تالیف

خواجہ اسلام، ریگنڈا لائٹس، جماعت

حضرت ملاقاتی محمد انور کاشمی

رکن شعبہ اہل سنت، دارالحدیث، جامعہ اسلامیہ، پاکستان

مکتبہ دارالحدیث

پتہ: جامعہ اسلامیہ، دارالحدیث، جامعہ اسلامیہ، پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تحلیلات انور

جلد اول

تالیف

مناظر اسلام، وکیل اہل سنت والجماعت
حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی دام ظلہ
رئیس شعبہ دعوت، ارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان

عنوانات و ترتیب و تصدیق

مولانا نعیم احمد
استاذ جامعہ خیر المدارس ملتان

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

فہرست ”تجلیات انور“

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۶	ابتدائیہ (از مصنف کتاب)
۱۹	حقیقت ختم نبوت اور مرزا کے چند جھوٹ
۲۸	اونی، نائیونی اور سوتی جرابوں پر سح کا حکم
۲۸	اہمیت نماز، اہمیت وضو
۲۹	فرائض وضو
۳۳	جرابوں پر سح غیر مقلد علماء کی نظر میں
۴۲	منام بصورت قیام رمضان
۴۲	حتمی تراویح اور سعی لغوی سے مناسبت
۴۳	تعداد اور رکعات تراویح
۴۵	دو ربودی <small>صلوات</small>
۴۷	تصنیف محمد شین
۴۹	حقیقت جرح
۵۱	نماز تراویح اور غیر مقلدین
۵۱	تعداد تراویح
۵۷	مسئلہ غیر مقلدین
۵۹	حرمین شریفین
۶۱	تکبیرات عیدین
۶۳	علی، مدنی یا دہلوی
۶۴	ہلماے حرمین اور انفرادی عید
۶۵	اہمیت حال

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

- نام کتاب : تجلیات انور (جلد اول)
- تالیف : مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب
- ترتیب و تصحیح : مولانا نعیم احمد صاحب مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان
- کمپوزر : حافظ محمد نعمان حامد (Mobile No. 0300-7334677)
- ناشر : مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
(Phone No. 061-4544965)



- مکتبہ خاندان رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
- دارالاشاعت، آروڈ بازار کراچی

ضروری اطلاع : اس کتاب کی تصحیح کی سعی و کوشش کی گئی ہے۔ اگر اس کے باوجود کبھی کبھی غلطیاں نظر آئیں تو
نشانہ ذرا نہیں لکھیں۔ ان کے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جائے۔ بجز انکم اللہ احسن الجزاء فی الدارين (ادارہ)

۶۵	دلائل احناف
۶۸	تابعین عظام
۷۲	مسئلہ تکبیرات کے متعلق جھوٹ
۷۴	احکام و تکبیرات عید
۷۵	کیا عید سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے؟
۷۷	علاقے کا عرف
۷۹	دلائل مسک معروف
۸۰	مخالف روایات کا جواب
۸۱	تحدید تکبیرات زوائد
۸۱	دلائل احناف
۸۲	صدقۃ الفطر
۸۳	مسائل قربانی اور تکبیرات عید
۸۳	قربانی کا فلسفہ
۸۳	حکم قربانی
۸۷	غیر مقلدین اور شوافع وغیرہ میں فرق
۸۹	قربانی کے جانور
۹۰	عیدین میں چھوڑا گیا تکبیریں ہیں
۹۵	اصحاب نکلوا ہر اور غیر مقلدین میں فرق
۹۹	ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری متوفی ۴۵۶ھ
۱۰۱	علمی قابلیت
۱۰۶	نتائج ظاہریت وغیر مقلدیت
۱۱۱	رسالہ "غیر مقلدین کی فقہ کے دو سو مسائل" کے بارہ میں ضروری وضاحت

۱۱۴	حقیقت واقعہ
۱۱۵	سرفروغ، موقوف، مقطوع
۱۲۱	ایک خط کا جواب..... کیا غیر مقلدین کی نماز صحابہؓ والی نماز ہے؟
۱۲۱	سوال نمبر ۱: دوام رفع یدین کی دلیل کا جواب
۱۲۱	سوال نمبر ۲: امام اعظم رحمہ اللہ کے دور کی نماز
۱۲۱	سوال نمبر ۳: غیر مقلدین کی تاریخ پیدائش
۱۲۶	تحقیق یا تشکیک
۱۲۸	تحقیق اور حق تحقیق..... اور ایک مکالمہ
۱۳۵	مستحبات میں
۱۳۷	فقہ حنفی کی معروف کتاب "در مختار پر اعتراضات" کا محققانہ جواب
۱۳۸	مسئلہ نمبر ۱۱: جانور سے بدھلی کرنے سے نہ غسل لازم ہوتا ہے اور نہ وضو ہوتا ہے جب تک انزال نہ ہو
۱۴۰	مسئلہ تقصیر وضو و غسل
۱۴۱	مسئلہ غیر مقلدین
۱۴۳	مسئلہ نمبر ۲: صاحب توبیر کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ ہاتھی اور کتے کی کھال پاک ہے
۱۴۵	مسئلہ نمبر ۳: امام کی ابتدائی شرائط میں اگر برائی ہو تو اس نام بنایا جائے جس کی بی بی خواہ صورت ہوا اور اگر اس میں کبھی سبب رہے تو چھوڑا جائے، بنایا جائے جس کا سر بڑا اور عضو چھوٹا ہو اور عضو کی وضاحت شریعت نے ذکر کی ہے۔
۱۴۷	مسئلہ نمبر ۴: اگر زنا کا اندیشہ ہو تو مشت زنی کرے تو کوئی وبال نہ ہوگا۔ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر زنا سے بچاؤ کا یقین ہو تو مشت زنی کرنا واجب ہے۔
۱۴۷	مسئلہ غیر مقلدین
۱۴۹	مسئلہ نمبر ۵: وزبے کی حالت میں شرم گاہ کے علاوہ جماعت کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا

۱۳۹	مسئلہ غیر مقلدین
۱۳۹	مسئلہ نمبر ۶: اگر کوئی شخص جانور (گائے، بھینس، بکری، وغیرہ) کے ساتھ برا کام کرے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر میت (مردے) کے ساتھ بد فعلی کرے تو روزہ نہیں بگڑتا۔
۱۵۰	مسئلہ نمبر ۷: چار مہینے سے پہلے حمل کو گرا دینا مباح ہے۔
۱۵۱	مسئلہ غیر مقلدین
۱۵۱	مسئلہ نمبر ۸: بیس صورتوں میں مرد کو بھی عورت کی طرح عدت گزارنی پڑے گی
۱۵۲	مسئلہ نمبر ۹: حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے بھی حد نہیں
۱۵۳	مسئلہ نمبر ۱۰: اگر نابالغ غیر مکلف مرد بالغ عورت سے زنا کرے تو دونوں پر حد نہیں
۱۵۵	کتاب ”خطبات صفدر“ پر اعتراضات کے جوابات
۱۵۵	سوال نمبر ۱: تواریخ تالیف تکفیر و تکفیر و کلمہ لہو فی اللہ... میں ”مہم حکیم“ سے حیات فی القبر مراد ہے۔
۱۵۵	سوال نمبر ۲: حیات اور سماج میں ابن الہمام (صاحب فتح القدر) صاحب عثمانیہ صاحب کفایہ کا موقف
۱۵۵	سوال نمبر ۳: ان دونوں مسئلوں (حیات و سماج) کے بارے میں کون کونسی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں؟
۱۶۲	”تحفظ سنت کا نفرنس“ کے موقع پر موصولہ سوالات کے جوابات
۱۶۲	سوال نمبر ۱: کیا امام اعظمؒ کی کوئی تصنیف ہے؟
۱۶۵	سوال نمبر ۲: جب ہم امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں تو پھر فقہ حنفی میں امام صاحبؒ کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتویٰ کیوں دیا جاتا ہے؟
۱۶۷	سوال نمبر ۳: جب چاروں امام برحق ہیں تو تقلید ایک کی کیوں؟
۱۶۸	سوال ۴: اصول الشاشی ص ۷۵ پر لکھا ہے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا، حالانکہ یہ دونوں حضرات کثیر الروایات ہیں
۱۷۰	خیانت
۱۷۱	حقیقت حال

۱۷۲	سوال ۵: امام صاحبؒ کی حضرت انسؓ سے ملاقات ثابت نہیں۔ اس لئے اکمال فی اسماہ الرجال، مشکوٰۃ ص ۶۳۳ میں ہے کہ امام صاحبؒ نے چار صحابہؓ کا زمانہ پایا اور ان میں سے کسی سے بھی ملاقات ثابت نہیں۔
۱۷۳	احادیث
۱۷۵	مطالبہ!
۱۷۷	کیا فقہی مسائل قرآن کے مخالف ہیں
۱۷۷	تشہید
۱۸۱	اعتراض نمبر ۱: الہدایہ کا لقرآن، ہدایہ قرآن کی طرح ہے؟
۱۸۳	خلاصہ
۱۸۳	اعتراض نمبر ۲: قدوری ص ۲۲ پر ہے کہ اگر تشہد کی مقدار کے اندر کوئی ایسا عمل کیا جو منافی نماز ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، مثلاً جان بوجھ کر سلام کرنا یا گوز لگا دینا۔
۱۸۳	تلمیض نمبر ۱، تلمیض نمبر ۲
۱۸۵	تلمیض نمبر ۳
۱۸۵	مخالف قرآن و حدیث
۱۸۸	مکرمی جناب تشبیہ الرحمن صاحب (رحیم یار خان) کے سوالات کے جوابات
۱۸۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امام ابوحنیفہؒ کی بشارت
۱۸۸	اس سوال کا قرآن و سنت سے تعلق
۱۸۹	غیر مقلدین کا طرز عمل
۱۸۹	حقیقت حال
۱۸۹	بشارات
۱۹۲	جواب سوال نمبر ۲
۱۹۵	جواب سوال نمبر ۳

۱۹۷	جواب سوال نمبر ۴
۱۹۷	وحا شقائے: موضوع، اتحاد و تحول، وحدۃ مکان، وحدۃ شرط، وحدت اشکات، وحدۃ جزو کل، اتحاد و تفویض، اتحاد زمان
۱۹۷	اتحاد تحول
۱۹۷	وحدة مکان
۱۹۷	وحدة شرط
۱۹۸	وحدة اضافت
۱۹۸	وحدة جزو کل
۱۹۸	اتحاد توفیق و فعل
۱۹۸	اتحاد زمان
۲۰۰	جواب سوال نمبر ۵
۲۰۰	جواب سوال نمبر ۶
۲۰۱	جماعت المسلمین کے وساوس اور ان کے جوابات
۲۰۵	قبر زینبی
۲۰۷	خدا کی قبر
۲۱۳	تعلیم القرآن والسنة پشاور کے شائع کردہ وساوس کے جوابات
۲۱۳	دوسرے نمبر: امام صاحب پیغمبر تھے یا عالم دین؟
۲۱۳	دوسرے نمبر: امام صاحب کا نام قرآن، حدیث، کلمہ، طیبہ یا ایمان، جمل و مفصل میں ہے؟
۲۱۵	دوسرے نمبر: آیا امام صاحب کی تقلید پر تمام امت شفق ہے؟
۲۱۶	دوسرے نمبر: آیا امام صاحب کے بارے میں قبر و حشر میں سوال ہوگا؟
۲۱۷	دوسرے نمبر: امام صاحب نے اپنی کس کتاب میں کہا ہے کہ اے لوگو! میری تقلید کرو اور میری بات مانو؟

۲۲۰	دوسرے نمبر: ۹: امام صاحب نے کون سی کتابیں لکھی ہیں؟ کوئی تفسیر یا شرح حدیث لکھی؟ وہ تو دکھاؤ؟
۲۲۲	دوسرے نمبر: ۱۰: صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، مقلد تھے یا غیر مقلد؟ اگر مقلد تھے تو امتداد اجد میں سے کس مذہب کے مقلد تھے؟
۲۲۳	دوسرے نمبر: ۱۱: چوتھی صدی تک پوری امت کا کونسا مذہب تھا؟ یا جیسے فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار کی شرح طحاوی جلد ۱، ص ۵۱ میں لکھا ہے کہ یہ سب علماء غیر مقلد تھے تو آیا یہ سب گمراہ تھے؟
۲۲۵	دوسرے نمبر: ۱۲: ایک شخص امام ابوحنیفہ، امام شافعی کے نام سے بالکل واقف نہیں اور نہ کبھی ان کا نام سنا اور وہ قرآن و حدیث پر عامل ہے تو یہ مانگی ہے یا گمراہ؟
۲۲۵	دوسرے نمبر: ۱۳: کیا ایک امام کی تقلید واجب ہے؟ اگر واجب ہے تو قرآن و حدیث سے دلیل دیں؟
۲۲۵	دوسرے نمبر: ۱۴-۱۵: قرآن و حدیث کے علاوہ کسی اور چیز سے (کسی شے کا) وجوب ثابت ہوتا ہے؟ اگر تقلید اتنی ہی ضروری ہے تو پھر قرآن و حدیث نے اس اہم امر کو بیان کیوں نہیں کیا؟
۲۲۶	دوسرے نمبر: ۱۶: کیا نبی کے وصال کے وقت دین کامل تھا یا ناقص؟ اگر کامل تھا تو تقلید کی کیا ضرورت؟ اور امام صاحب نے کس نقصان کو پورا کیا؟ اور اگر ناقص تھا تو آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم (الآیۃ) کا کیا مطلب ہے؟
۲۲۶	دوسرے نمبر: ۱۷: آیا قرآن و حدیث تمام عالم کے لئے بالعموم اور بالخصوص مسلمانان عالم کے حل کے لئے ناقص ہے؟
۲۲۷	دوسرے نمبر: ۱۸: آیا رسول اللہ نے ساری امت کو امام صاحب کے حوالہ کیا ہے اور کیا بعض مسائل کی تکمیل ان کے لئے چھوڑی ہے؟
۲۲۷	دوسرے نمبر: ۱۹: آیا نبی نے وقت وصال امام صاحب کی تقلید کا حکم کیا تھا یا قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی وصیت کی تھی؟
۲۲۸	دوسرے نمبر: ۲۰: قریب قیامت میں جب امام مہدی ظاہر ہوں گے اور عیسیٰ آسمانوں سے اتریں گے تو یہ دونوں کون سے مذہب کے مقلد ہوں گے؟

۲۲۸	دسوسہ نمبر ۲۱: امام صاحب کے دو شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد نے اپنے استاذ کے مذہب کے دو حصوں کی مخالفت کی ہے، تو آیا وہ ان کی مخالفت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے؟
۲۳۰	دسوسہ نمبر ۲۲
۲۳۱	چند شبہات کے جوابات
۲۳۲	مسئلہ نمبر ۱: عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہوتا ہے.....
۲۳۶	متدلات امام اعظم ابو حنیفہ
۲۳۹	اصل مسئلہ کلمات اقامت
۲۴۱	آکبری اقامت
۲۴۲	مسئلہ الجحدیث
۲۴۳	مطالبہ
۲۴۵	تیسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا مسئلہ: (ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، سینہ پر ہاتھ باندھنا،.....)
۲۴۶	اصل عبارات
۲۴۷	اعتراض و جواب
۲۴۹	دلائل احناف
۲۶۲	مسئلہ نمبر ۱۳: (دیکھ کر قرآن پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی.....)
۲۶۳	اصل مسئلہ
۲۶۷	مسئلہ نمبر ۱۴: (اکٹھاری کے لئے سر کھول کر نماز پڑھنا درست ہے)
۲۶۹	اصل مسئلہ
۲۷۳	وساوس

۲۷۷	ضرورت اتحاد
۲۷۷	صورت اتحاد
۲۷۸	محمود احمد عباسی..... رخص کی تائید یا تردید
۲۷۹	اسلاف پر سب و شتم
۲۷۹	کم فہمی یا کج فہمی
۲۸۰	مہروددی صاحب اور مسلک اکابر میں فرق
۲۸۱	وکالت یزید
۲۸۳	اسلاف سے بدگمانی
۲۸۶	ایک خط کا جواب..... مسئلہ فسق یزید
۲۹۰	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صفیٰ نعال
۲۹۳	حضرت شاہ صاحب مدظلہ العالی کی تقریر کا سابق
۲۹۵	اصحاب ثلاثہ اور حضرت علیؑ میں فرق مراتب اور بعض بزرگوں میں تقابل
۲۹۶	حامد رضا خان صاحب کی شاگردی
۲۹۶	غیر صحابی کا صحابی سے تقابل
۲۹۸	دفاع معاویہ
۲۹۸	دفاع معاویہ یا دفاع قاضی صاحب
۲۹۹	توضیح عبارات
۳۰۲	حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کو حضرت امیر معاویہؓ کی زیارت
۳۰۳	بیعت یزید

۳۴۲	جواب سوال نمبر ۲
۳۴۳	جواب سوال نمبر ۳
۳۴۸	اصل مسئلہ
۳۵۰	حکم روایت بالمعنی
۳۵۴	مولانا حبیب اللہ صاحب ڈیروی مدظلہ پر اعتراض
۳۵۹	حقیقت حال
۳۶۰	نگہ سر نماز کا مسئلہ
۳۶۳	تحدیث الحدیث
۳۶۶	اصل بات
۳۶۹	ہمارا سوال
۳۷۰	دوسری حدیث
۳۷۱	حضرت شیخ الہند پر وضع حدیث کا الزام
۳۷۲	حقیقت حال
۳۷۵	خدائی گرفت
۳۷۹	صاحب ہدایہ پر وضع حدیث کا اعتراض
۳۸۰	غیر مقلدین کی حالت
۳۸۳	نسخہ ابن ابی شیبہ
۳۸۵	تنبیہ
۳۸۵	پورچائے شور
۳۸۶	نقل وضع یدین میں غیر مقلدین کی بددیانتیاں اور خیانتیں اور جھوٹ

۳۰۹	عوامی انداز یا علمی
۳۱۰	حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک
۳۱۳	حضرت حسینؑ کی یزید کی بیعت پر آمادگی
۳۱۸	واضح حکم کو چھوڑ کر مبہم استدلال
۳۱۸	صاحب نبراس
۳۱۹	لفظ امیر المؤمنین
۳۲۰	امام زین العابدینؑ
۳۲۳	حضرت نعمان بن بشیرؓ... خلاصہ
۳۲۵	مسئلہ تکفیر و لعن یزید
۳۲۷	مومن کو کافر کہنا کفر ہے
۳۲۸	جو ابابعرض ہے!
۳۲۹	حافظ ابن تیمیہ اور یزید
۳۳۲	بارہ خلفاء
۳۳۳	مسئلہ لعنت... فاسق و فاجر بنانا یا بتانا
۳۳۴	حضرت حسینؑ کا سر
۳۳۷	چند سوالات کے جوابات
۳۳۷	"حضرت سید انور شاہ صاحب اور تحریف قرآن"
۳۳۸	حقیقت حال
۳۴۰	حضرت شاہ صاحب اور مسئلہ حفاظت قرآن

۳۹۳	غیر مقلدین کا عذر گناہ بدتر از گناہ
۳۹۷	فارسی میں قرآن کا مسئلہ
۴۱۵	امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت اور ان کے حیرت انگیز واقعات
۴۱۵	حکایت نمبر ۱، مسئلہ نمبر ۱
۴۱۶	مسئلہ نمبر ۲، مسئلہ نمبر ۳، مسئلہ نمبر ۴، مسئلہ نمبر ۵
۴۱۶	حکایت نمبر ۲
۴۱۷	حکایت نمبر ۳، حکایت نمبر ۴
۴۱۸	حکایت نمبر ۵
۴۱۹	حکایت نمبر ۶، حکایت نمبر ۷
۴۲۰	حکایت نمبر ۸
۴۲۱	
۴۲۲	ایک خط کا جواب
۴۲۳	سوال نمبر ۱: دعائے قنوت سے پہلے رقع یدین.....؟
۴۲۵	سوال نمبر ۲: مرد اور عورت کا ہاتھ باندھنے میں فرق؟
۴۲۶	سوال نمبر ۳، ۴: مسئلہ تلفظ نیت نماز و روزہ.....؟
۴۲۹	سوال نمبر ۵: بریلویوں، دیوبندیوں کا مذہب حنفی کس آیت یا حدیث میں ہے؟
۴۲۹	غیر مقلدین جواب دیں
۴۳۰	سورہ نمبر ۶: امامت ابوحنیفہؒ کے دوام کا ثبوت؟ باوجودیکہ داعی امامت رسول اللہ ﷺ کی ہے؟
۴۳۱	سورہ نمبر ۷: احناف کے متعدد فرقے مثلاً سنی، وہابی، دیوبندی، بریلوی الخ وغیرہ کیوں ہیں؟ باوجودیکہ سب کا امام ایک ہے، نیز ان میں سے حق پر کون ہے؟

۴۳۲	ی ۱۱ بابی
۴۳۳	بریلوی، دیوبندی، چشتی، قادری، نقشبندی
۴۳۵	سورہ نمبر ۸: رسول اللہ ﷺ سے بارہ گیسریں ثابت ہیں، چھ گیسریں کہاں سے ثابت ہیں؟
۴۳۶	سورہ نمبر ۹: تم حنفی کیوں کہلاتے ہو؟ نعمانی کیوں نہیں کہلاتے؟ باوجودیکہ امام صاحب کا نام نعمان ہے؟
۴۳۶	سورہ نمبر ۱۰: حضرت عیسیٰؑ جب آئیں گے تو مذاہب اربعہ میں سے کس کی پیروی کریں گے؟
۴۳۸	سورہ نمبر ۱۱: امام ابوحنیفہؒ کس کی فقہ پر عمل کرتے تھے؟
۴۳۸	سورہ نمبر ۱۲: جس آیت یا حدیث کی وجہ سے تم نے مذہب بنالے ہیں، ان پر عمل کر کے صحابہؓ نے صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی مذہب کیوں نہ بنائے؟ کیا صحابہؓ سے ان آیتوں یا حدیثوں پر عمل کرنا رہ گیا تھا؟
۴۳۹	سورہ نمبر ۱۳: اسلام کا انکار کفر ہے تو پھر تمہارے مذہب کا منکر کافر ہے یا نہیں؟ اگر کافر نہیں تو پھر مذہب حنفی اسلام کیسے ہوا؟
۴۴۰	سورہ نمبر ۱۴: مذہب حنفی اسلام ہے تو صحابہؓ نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟
۴۴۰	سورہ نمبر ۱۵: حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ۳ فرقوں میں سے ایک حق پر ہوگا، لیکن تم چار یا پانچ کو حق پر مانتے ہو، تو تم سچے ہو یا حضور ﷺ.....؟
۴۴۲	”الخیر الساری فی تشریحات البخاری“ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم صدر مدرس جامعہ خیر المدارس، ملتان کے درسی افادات کا مجموعہ

ابتدائی

از حضرت مولانا مفتی محمد انور اذکار ذوی دامت برکاتہم (مصنف کتاب)



حامداً ومصلياً ومصلياً. اما بعد: اللہ تعالیٰ نے حق و باطل، کفر و اسلام، توحید و شرک، بدعت و سنت کے اختلافات کو جوہود سے کر انسانوں کی قوت نظریہ کا امتحان لیا ہے کہ کون راہ ہدایت اختیار کرتا ہے اور کون ضلالت کے گڑھے میں گرتا ہے۔ اس دارالامتحان میں انسانوں کی راہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے مصحبین (انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین) کا انتخاب فرمایا کہ وہ وقتاً فوقتاً اولاد آدم کو شیطانی الجبن والانس کے انوائس سے بچاتے رہیں اور شیطانی وساوس کو تقریر، تحریر اور مناظرہ کے ذریعے دور کرتے رہیں۔ ہر زمانہ میں اہل حق نے یہ فرض سمجھا اور کیا۔ ماضی قریب میں اور بہت سے اس میدان کے مشوروں کے ساتھ ساتھ انتخاب الہی اور بعض بزرگوں کی دعاؤں نے ایک سکول ماسٹر کو اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے منتخب فرمایا۔ میری مراد مناظرہ اسلام، وکیل اہل سنت برادر محرم حضرت مولانا محمد امین صدور صاحب اذکار ذوی نور اللہ مرقدہ ہیں، جنہوں نے ساری زندگی جیسائیت، مرزائیت، اہل رفض، منکرین حدیث، منکرین حق، غرضیکہ ہر باطل فرقہ کے مناظرین کے فانت کھینے کر دیئے۔ تقریر و مناظرہ کے علاوہ ان کی بہت سی تحریرات بھی ان کی یادگار ہیں۔ ان کے جامعہ خیر المدارس کی تدیس کے دوران ماہنامہ ”الخیر“ میں ان کے لائق دست کی رو میں ماہانہ مضامین چھپتے رہے۔ ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اور کچھ مضامین جو انہوں نے اپنی زندگی میں لکھے، کتابی شکل میں شائع ہوئے اور وہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ بخیر و خوبی مولانا نعیم احمد صاحب، مالک مکتبہ اذکار ذوی نور اللہ مرقدہ کو یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

برادر محرم نور اللہ مرقدہ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت مولانا محمد طیف صاحب حفظہ اللہ، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان کے حکم اور بعض اکابر کے مشورہ سے بندہ خیر المدارس آ گیا اور ماہانہ مضامین کا سلسلہ اور الدعوة والاشرار کے شعبہ کے ساتھ بندہ منسلک ہو گیا۔ ان مضامین کی برادر محرم نور اللہ مرقدہ کے مضامین کے ساتھ نسبت سورج کے مقابلہ میں چاند کی نسبت سے بھی کم ہوئی۔ مگر مولانا نعیم احمد صاحب مدظلہ کے اصرار پر، بلکہ ان کی محنت سے وہ

انسان میں جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے ہی۔ ”برعکس نام نہند زندگی را کافور“ کے محاورہ کے مطابق اس کا نام ”تجلیات انور“ تجویز کیا ہے۔ ان کے حسن ظن کے مطابق اگر مالک کائنات میری اہلی کی سیدگی فرمادے تو بیدل اللہ سینا لہم حسنت کا مظاہرہ ہوگا اور مشنوی شریف کے مصرع ”فان بناف ناد شکے سے کئی“ کا مصداق بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ خیر کو قارئین کے لئے ہر اہمیت کا ذریعہ اور بندہ اور ناشرین کے لئے ذخیرہ آخرت بنا لیں اور اس کے شر سے عوام کی حفاظت اور بندہ ناچیز کی پروردہ پوشی فرمائیں۔ اہل علم حضرات علمی کوتاہی پر متنبہ فرمائیں تو بندہ کے اس مشکور ہوں گے۔ اگر قارئین کو کوئی بات پسند آئے تو اس میں والدین کی دعاؤں اور برادر محرم حضرت اذکار ذوی نور اللہ مرقدہ کی محنت اور اساتذہ کرام کی شفقت اور ”آمان کہ خاک را بنظر کسیما لکنہ“ کے مصداق حضرت اقدس منبع رحمت و شفقت آیت من آیات اللہ مولانا و بالفضل اولنا شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہ و برادر اللہ مطہر، پبک نمبر ۱۱/۱ والوں اور حضرت اقدس عزت اولیاء مولانا مومن صحابہ اہل بیت، پاسدار مسلک اہل سنت علمائے دیوبند سید نفیس شاہ صاحب حفظہ اللہ ہلال حیات کی توجہات کا دخل ہوگا۔ اس لئے ان حضرات کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے۔ نیز برادر محرم پروفیسر مولانا محمد افضل صاحب اہل اللہ ہتھارے کی خاص توفیق بھی اس میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو شفا سے کاملہ عاجز و مسترہ عطا فرمائے اور ان کی خدمت کی توفیق عنایت فرمائیں۔

مولانا نعیم احمد صاحب مدظلہ نے کچھ حالات لکھنے کا کہا ہے۔ خانہ دینی حالات تو ”الخیر“ اذکار ذوی نمبر اور ”تجلیات انور“ کے شروع میں آگئے ہیں۔ بندہ کی پیدائش پبک نمبر ۱۱/۲ 55/2 اذکار ذوی کی ہے۔ برادر محرم حضرت مولانا محمد امین صاحب اذکار ذوی سے سترہ یا اٹھارہ سال چھوٹا ہوں۔ سات بھائیوں میں وہ سب سے بڑے اور میں سب سے چھوٹا ہوں۔ ابتدائی دو کلا میں پبک نمبر ۵۵ یعنی پیدائشی گاؤں میں پاس کیں۔ باقی تین کلا میں عید گاہ اذکار ذوی میں پڑھ کر پرائمری کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ اس کے بعد جامعہ عثمانیہ گول چوک اذکار ذوی میں حضرت قاری خدابخش صاحب مدظلہ سے حفظ کیا۔ اس کے بعد جامعہ رشیدیہ ماہیوال میں فارسی سے لے کر پڑھایا۔ پڑھنا۔ پانچ سال درمیان میں چند مہینے جامعہ انور ذوی اذکار ذوی میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے لکھنؤ اور شرح جامی کی تکمیل اور شرح ابن عقیل پڑھیں۔ پھر تحریک ختم نبوت ۱۹۷۳ء میں گرفتار ہو کر ساہیوال جیل میں جانا ہوا۔ اس کے بعد حضرت مولانا مختار احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے مشورہ سے جامعہ دارالعلوم کبیر والا میں چار سال گزار کر کئی دورہ حدیث پاک سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد چند ماہ جامعہ مجاہدین ساہیوال میں پھر محمد پور سنسکراں جامعہ قادریہ میں وہیں کے

بعد جامعہ عربیہ اسلامیہ بورے والا، پھر جامعہ رشیدیہ ساہیوال، اس کے بعد دوبارہ جامعہ عربیہ اسلامیہ بورے والا میں، پھر ایک سال دارالعلوم کبیر والا اور اس کے بعد تاحال جامعہ خیر المدارس ملتان میں شعبہ التخصص فی الدعوة والارشاد کی تدریس کی ذمہ داری نبھار رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس ذمہ داری کا صحیح حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

زمانہ طالب علمی میں اساتذہ کرام کی شفقتیں استحقاق سے زائد رہیں۔ ایک واقعہ طلباء کرام کی عبرت کے لئے لکھ کر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ جامعہ رشیدیہ میں شب جمعہ کو کسی استاد صاحب کی نگرانی میں طلبہ کی بزم منعقد ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ استاذ فی المکرم حضرت مولانا حافظ محمد صدیق صاحب مدظلہ العالی کی سرپرستی میں بزم کا آغاز ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد حضرت حافظہ جی صاحب مدظلہ نے فرمایا کوئی طالب علم نظم پڑھے۔ میری کلاس کے طلباء نے میرا نام لیا۔ حضرت تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا کہ کوئی اور پڑھے۔ دوبارہ پھر بعض طلباء نے میرا نام لیا۔ حضرت نے کچھ سکوت کے بعد فرمایا عبید اللہ عارفی نظم پڑھے۔ انہوں نے نظم پڑھی۔ پروگرام کے بعد حضرت نے مجھے اپنے گھر بلوایا اور پوچھا کہ کیا تو لکھتے پڑھتا ہے؟ میں نے کہا حضرت اپنے کمرہ میں بیٹھ کر کچھ اشعار وغیرہ پڑھ لیتا ہوں۔ مجمع میں پڑھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا فرمایا کہ میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں۔ شعر و شاعری بلکہ تقریروں کا شوق بھی دل سے نکال دے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تو دل اگا کرتا نہیں پڑھے اور پھر مدرس بن۔ اگر ان کاموں میں تو پڑھ گیا تو پڑھ نہیں سکتے گا۔ پھر وقت کے ایک مشہور خطیب (جو اس وقت اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں) کا نام لے کر فرمایا کہ میرا دل بھی چاہتا ہوگا کہ فلاں خطیب بنوں، مگر وہ ہمارا شاگرد ہے، اس کے پاس صرف الفاہی ہے، علم نہیں۔ پھر فرمایا کہ مقرر بننے کے لئے دو چیزوں میں سے ایک چیز ضروری ہے۔ یا تو انتہائی علم ہو اور اپنے علم کے زور پر تقریر کرے، یا انتہائی بے حیا ہو جو منہ میں آئے بکھارتے، وہ بھی ایک دن اعلیٰ مقرر بن جائے گا۔ پھر پوچھا کہ بتانا وہ مقرر دوں میں سے بہتر مقرر کون سا ہے؟ میں نے کہا کہ جو علم کی بنا پر تقریر کرے۔ فرمایا کہ پھر میری خواہش یہاں ہے کہ تو علم میں پیشگی پیدا کر، فی الحال تقریر کا شوق چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ تجھے یہ نعمت بھی عطا فرمائیں گے۔ حضرت کی اس نصیحت نے بندہ کو طالب علمی کے زمانہ میں بہت فائدہ دیا کہ سوائے اسباق کے اور تمام اطراف سے توجہ ہٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت حافظہ جی صاحب کو دونوں جہانوں میں اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں، آمین۔

کتبہ محمد انور اوکاڑوی

مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان (۸/ اگست ۲۰۰۵ء)

حقیقت ختم نبوت

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رحمتہ للعالمین پر درود و سلام کے بعد قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم فرمایا۔ اگرچہ یہودی آخری نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی قرار دیتے ہیں مگر یہ مدعی ست اور گواہ چست والا معاملہ ہے کیونکہ نہ ہی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے آخری نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام نے آخری نبی ہونے کا دعویٰ کیا بلکہ قرآن کہتا ہے

﴿يُجَادِلُونَهُمْ لِيُبْدِلُوا آلَاءِ الْآلِهَةِ﴾

کہ آنحضرت ﷺ کو وہ لوگ توراہ و انجیل میں مذکور پاتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ ابْرَاهِيمَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنْ بَعْدِ اسْمٰحِ اَحْمَدَ (القصص)

یعنی عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسے رسول کی بشارت دیتے کہ جو میرے بعد آئے گا اس کا نام ابراہیم بن مریم ہے اور وہ توراہ و انجیل کے محرف ہونے کے باوجود بھی آج ان میں حضور اقدس ﷺ کے بارہ میں پیشگوئیاں موجود ہیں، ان آیات کے نازل ہونے کے وقت اگر توراہ و انجیل میں آپ کی پیش گوئیاں تھیں تو کفار کو آپ کے خلاف شور کرنے کا ایک بڑا موقع میسر آتا۔ اگر ان کا خاموش رہنا قرآن پاک کی مذکورہ آیات کے سچا ہونے کی اظہار من الشمس دلیل ہے۔ سب سے پہلی دلیل انبیاء میں نقل کیا ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا نبی

اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ اتفاق بیمار ہو گیا تو آپ اس کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اس کا باپ اس کے سر ہانے کھڑا ہوا تو رات پڑھ رہا ہے آنحضرت ﷺ نے اس سے کہا کہ اے یہودی میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تو رات نازل فرمائی ہے کہ کیا تو رات میں میرے حالات اور صفات اور میرے ظہور کا بیان پاتا ہے؟ اس نے انکار کیا تو مینا بولا یا رسول اللہ ﷺ یہ غلط کہتا ہے تو رات میں ہم آپ کا ذکر اور آپ کی صفات پاتے ہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اب یہ مسلمان ہے انتقال کے بعد انکی جمعیہ و عقین مسلمان کریں پاپ کے حوالہ نہ کریں۔ (معارف قرآن ۸۰) تو رات میں ہے یعقوب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو یہ کہہ کر بلوایا کہ تم سب جمع ہو جاؤ تاکہ میں تم کو بتاؤں کہ آخری دنوں میں تم پر کیا کیا گزرے گا۔ اے یعقوب کے بیٹے جمع ہو کر سنو اور اپنے باپ اسرائیل کی طرف کان لگاؤ اور پھر فرمایا یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جب تک شیوہ نہ آئے اور تو میں اس کی مطیع ہوں گی۔ (پیدائش ۳۹-۲۰۱-۱۰) شیوہ وہی ہوگا جس نے فتح خیبر کے وقت یہودیوں کی حکومت ختم کی اور تمام دنیا کی قومیں اس کی مطیع ہیں، یعقوب بن سفیان باسناد حسن حضرت عائشہ سے راوی ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں بغرض تجارت رہتا تھا جس شب میں آپ پیدا ہوئے تو مجلس میں قریش سے یہ دریافت کیا گیا کہ اس شب میں تم میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے، قریش نے کہا ہم کو معلوم نہیں۔ یہودی نے کہا اچھا ذرا تحقیق تو کر کے آؤ آج کی شب میں اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے دونوں شانوں میں ایک علامت ہے (یعنی مہر نبوت) وہ دو رات تک دودھ نہ پئے گا ایک جننی نے اس کے منہ پر انگلی رکھ دی ہے لوگ فوراً اس مجلس سے اٹھے اور اس کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عبد المطلب کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یہودی نے کہا مجھ کو بھی چل

اور صاویہ یہودی نے جب دونوں شانوں کے درمیان علامت (مہر نبوت) دیکھی تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو کہا کہ نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی۔ اسے قریش والیہ مولود تم پر ایسا حملہ کرنے کا کہ جس کی خبر مشرق سے لیکر مغرب تک پھیل جائے گی (فتح الباری بحوالہ سیرت مصطفیٰ ۳۳) اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ شیوہ یہی ہے جس نے نبوت اور حکومت بنی اسرائیل کی ختم کرنی ہے آخری دنوں کے لفظ سے معلوم ہوا کہ وہ نبی آخری ہوگا اس کے بعد نبوت ختم ہو جائے گی تو رات کی مذکورہ پیشین گوئی کے مصداق موسیٰ علیہ السلام بھی نہیں کیونکہ انہوں نے یہوداہ کی سلطنت ختم نہیں کی بلکہ باقی رکھی اور ان کی نبوت تمام قوموں کے لئے بھی نہیں تھی۔ تو رات میں جا بجا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں۔ کاتھولک اصل میں تو رات کا تعارف ہی یہ ہے کہ جس پر عمل کرنے سے اسرائیل قوم خدا کی مہربانیوں کےائق بن جاتی ہے۔ (اسفار مشرق ص ۱) بلکہ موسیٰ علیہ السلام تو اپنے بعد بھی کسی کی انتظار میں قوم کو چھوڑ کر جاتے ہیں۔ چنانچہ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا (اشعیا: ۱۸: ۱۸) معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پر نبوت کو ختم سمجھنا تو رات کے خلاف ہے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی آخری نبی نہیں کیونکہ وہ بھی اپنے بعد ایک آنے والے رسول کی بشارت سے کر گئے۔ واضح ہو کہ انجیل ایک یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہی خوشخبری کے ہیں اور جسی علیہ السلام بھی اپنے بعد آنے والے رسول کی خوشخبری دے کر گئے ہیں اس لئے ان کا نام ہی آخری نبی ہونے کا نہیں چنانچہ انجیل میں ہے کہ اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ (متی: ۵: ۱۷) جسی علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں کو بھی یہ حکم دیا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا اسرائیل کے گھرانے کی کھوٹی ہوئی بھینروں کے پاس

جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی یا شاہت قریب آچکی ہے۔ (متی ۱۰: ۸ تا ۸) اور فرمایا کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہوگا کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا ۱۶: ۷ تا ۸) معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کسی آنے والے کی خوشخبری دیکر اس کی انتظار میں چھوڑ کر گئے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے آخری نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ دعویٰ ہماری کتاب قرآن پاک میں ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پہلے نبیوں کی مثال موسیٰ پھول کی سی ہے کہ وہ اپنے موسم میں بہار دکھاتا ہے مگر موسم ختم ہوتے ہی وہ بھی ختم ہو جاتا ہے گرمی کا پھول گرمی میں سردی کا سردی میں خوشبو دے گا۔ رات کی رانی رات کو مہکتی ہے اور دن کو اس کی مہک ختم ہو جاتی ہے دن کے رجب کی بہار دن کو ہوگی رات کو ختم ہو جائے گی۔ مگر ایک پھول سدا بہار ہوتا ہے کہ موسم بدلتے رہیں لیکن اسکی آب و تاب میں فرق نہیں آئے گا۔ ہمارے نبی سدا بہار پھول ہیں اور انکی خوشبو تمام عالم کیلئے ہے۔

﴿وما ارسلناک الا رحمة للعالمین﴾ (انبیاء: ۱۰۷) یعنی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمہ بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿وما ارسلناک الا کافۃ لئلا یسیر او ینیرا﴾ (سبا: ۲۸) ”ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لَیْکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ (الفرقان: ۱) ”بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ پر نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کیلئے ڈرانے والا ہو جائے۔“

پہلی آسمانی کتابوں میں بعد میں آنے والے کی پیشگوئیاں تھیں مگر اس کتاب میں

﴿یومنون بما نزل الیک وما نزل من قبلک﴾ تو وہ انزل من بعدک نہیں۔ معلوم ہو جس ذات والا صفات کے سب منتظر تھے وہ تشریف لایچکی اب ان کے بعد نازل وحی کا دروازہ بند ہو گیا اور قیامت تک بند رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی خاتم النبیین کا تاج پہنا دیا۔ (احزاب: ۴۰)

اور خود بھی فرمایا: انا خاتم النبیین (بخاری ۵۰۱)

کہ میں آخری نبی ہوں۔ نیز فرمایا:

لیس نبی بعدی، اور ایک نسخے میں لا نبی بعدی ہے۔

(بخاری ص ۶۳۳ ج ۲)

یعنی میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ سرقدہ نے ختم نبوت پر دلالت کرنے والی ایک سو آیات اور دو سو سے زائد احادیث جمع کی ہیں اس وجہ سے تمام امت کا فیصلہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے خواہ وہ سیلہ کذاب ہو یا سیلہ پنجاب۔ اس مسئلہ کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ نبی اقدس ﷺ کے ساتھ مختلف لڑائیوں میں شہید ہونے والے صحابہ کرام ﷺ کی تعداد ۲۵۰ ہے جبکہ ختم نبوت کے دفاع کیلئے یمامہ کی لڑائی میں مسلمہ کذاب کے لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے صحابہ و تابعین کی تعداد (۱۲) سو ہے جن میں سات موقاری تھے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ حضرت حبیب بن زید انصاری ﷺ کو آنحضرت ﷺ نے مسلمہ کذاب کے پاس کہا اس نے حضرت حبیب سے کہا کہ تم محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتے ہو آپ نے کہا ہاں، مسلمہ نے کہا کہ تم میرے رسول ہونے کی گواہی دیتے ہو آپ نے فرمایا ہاں۔ میں تیری بات نہیں سنتا مسلمہ بار بار یہ سوال کرتا رہا اور وہ یہی جواب دیتے رہے اور مسلمہ نے آپ کا ایک ایک عضو کاٹ کر آپ کو شہید کر دیا۔ بہر حال جہاں حضور ﷺ نے

اپنے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمایا وہاں بہت سے جھوٹے مدعیانِ نبوت کی پیشین گوئی فرمائی جو بعد ازاں الٰہی ہونے کی وجہ سے پوری ہوئی۔ بہت سے لوگوں نے مختلف اعتراض کی بنیاد پر دعویٰ نبوت کیا۔ متحدہ ہندوستان میں انگریزی کے منہوس قدم آنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں میں لڑاؤ اور حکومت کر کے پالیسی کو اپنایا اور مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔ مذہبی آزادی کا مطلب یہ تھا کہ ہر شخص آزاد ہے۔ دعویٰ اسلام کے ساتھ خدا کا انکار بھی کرے تو اس کو حق حاصل ہے، انبیاءِ مطہرین اسلام کو گالیاں دے ضروریات دین کا انکار کرے، اسلام کے اولین گواہ صحابہ کرام کو معاذ اللہ کافر کہے آئمہ مجتہدین کو شیطان اور ان کی اتباع کو شرک قرار دے، اس کو رکھے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ وہ مذہباً آزاد ہے۔ اس کام کیلئے اس نے بہت سے جعلی پیر جعلی اہلحدیث اور جعلی نبی، اصلی پیروں، اصلی محدثین اور اصلی نبی کے مقابلہ میں کھڑے کر دیئے۔ ان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے اوٹ پناہگ دعویوں کے ساتھ اپنے غلطی نبی ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا اور اس غلطیت کو کبھی سیرت صدیقی کی کھڑکی سے تعبیر کیا کبھی فنا فی الرسول کا عنوان دیا اور ۱۹۰۱ء میں "ایک غلطی کا ازالہ" کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا۔ اور اس میں لکھا کہ حق یہ ہے، کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ نہ ایک دفعہ بلکہ صد بار دفعہ۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳)

نیز لکھتا ہے کہ وہ کلمات الہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں انہیں سے ایک یہ وحی اللہ ہے:

هو الٰہی اوصل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳۳)

پھر کہتا ہے اسی کتاب میں، اس مکالمے کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار، رحماء بینہم

اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی (ایک غلطی کا ازالہ ص ۴)

مولوی فخر علی خان نے کہا تھا:

مسئلہ کے چاشمیں گرہ کنوں سے کم نہیں

کتر کے جیب لے گئے پیغمبری کے نام سے

مگر مرزا صاحب کی کتب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف جیب کتر نہیں

تھا۔ وحی چور بھی تھا۔ کہ حضور اقدس ﷺ کی وحی چوری کر کے اپنی طرف منسوب کر لیتا تھا۔

بہر حال مرزا صاحب کا فتافی الرسول ہونے کا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کہ "نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فتافی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وحی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے (ایک غلطی کا ازالہ ص ۵)

اور اس کی مزید یہ وضاحت کرنا کہ اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں ایسا تم ہو کہ

بیماعت نہایت اتحاد اور نئی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا

ان میں انعکاس ہو گیا ہو تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا کیونکہ وہ محمد ہے۔ جو ظلی طور پر۔

(ایک غلطی ص ۶)

اس فتافی الرسول کا نتیجہ یہی نکلا کہ حضور ﷺ کا عکس نقوذ یا اللہ مرزا کی زندگی میں

آ گیا۔ اب مرزا نے جو بد کرداریاں کی ہیں وہ نقوذ یا اللہ حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوں گی،

اس لئے ماننا پڑے گا کہ فنایت والا جو مفہوم مرزا نے ذکر کیا ہے وہ بھی مرزا نہیں پایا جاتا۔

کیونکہ مرزا صاحب نے ساری زندگی جھوٹ بولے ہیں اور ہمارے پیغمبر ﷺ کا لقب ہی

الصادق تھا۔ جھوٹ ان کے قریب بھی نہیں آیا۔

مرزا کے چند جھوٹ:

(۱) ضرورتاً قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھائے گا وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کیلئے فتوے دیئے جائیں گے اور اس کی سخت توبین کی جائیگی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔ (اربعین نمبر ۳)

یہ افتراء علی اللہ اور افتراء علی الرسول ہے نہ قرآن میں یہ بات مذکور ہے نہ کسی حدیث میں۔

(۲) یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں بلکہ تورات کے بعض صحیفوں میں یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت ظالموں پر سے گی بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انجیل میں یہ خبر دی ہے اور ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیش گوئیاں ٹل جائیں۔ (کشتی نوح ص ۹)

(۳) وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی کہ ہذا خلیفۃ اللہ المعہدی اب سوچو کہ یہ حدیث کس مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے (شہادت القرآن ص ۴۱)

صحیح بخاری یہ وہ کتاب ہے جس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے۔ (کشتی نوح)

مترجم حضرات اور اس جیسے ہزاروں جھوٹ ہیں جو مرزا نے بولے تو کیا مرزا میں محمدی چہرہ نمودار باللہ منعکس ہوا ہے۔ اس فتاویٰ الرسول کے لفظ سے نفوذ باللہ حضور اقدس ﷺ کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ اور کافروں بلکہ مسلمانوں کے سامنے یہ اپنا عکس محمدی دکھا کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کو متفرق کرنا چاہتا ہے۔ اور سیرت صدیقی کہہ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کو بھی وانہار کرنا چاہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ سیرت محمدیہ علی صاحبہا

الصلوة والسلام اور سیرت صدیقی اور مرزا کی زندگی میں رات اور دن اندھیرے اور اجالے سیاہ اور سفیدی طرح تضاد ہے۔ حضور ﷺ کا عمل یا عکس مرزا میں آجائے یہ تو محال ہے البتہ عمل کا معنی سایہ اور تاریکی بھی آتا ہے تو ظلی نبوت کا معنی تاریکی اور اندھیرے میں رکھنے والی نبوت کیا جائے تو درست ہے کیونکہ مرزا اور تمام مرزائی نور ایمان سے کٹ کر کفر کی تاریکی میں گر چکے ہیں۔

ہاں البتہ ظل بمعنی عکس پر لطیفہ یاد آیا کہ مشہور ہے کہ ایک کتے کے منہ روٹی کا ٹکڑا تھا پانی میں اس نے اپنا عکس دیکھا اور سمجھا کہ یہ کوئی اور کتا ہے اس لالچ میں کہ اس کے منہ کا ٹکڑا اس سے چھین لوں پانی چھلانگ لگا دی نتیجہ یہ نکلا کہ جو ٹکڑا پہلے منہ میں تھا وہ بھی گر گیا اسی طرح مرزا نے عکس رسالت کے پیچھے چھلانگ لگا کر اپنا پہلا ایمان بھی گتوایا۔

اللہ تعالیٰ تمام امت محمدیہ کو ایسے گمراہ کن دجال اور کذاب لوگوں سے بچنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ (آمین یا ارحم الراحمین)



بظکر یہ ماہنامہ "معلیہ" فیصل آباد

اُونی، نائیلونی اور سوتی جرابوں پر مسح کا حکم

اہمیت نماز: برادران اسلام! جن چیزوں پر اسلام کی بنیاد ہے ان میں کلمہ کے بعد اہم چیز نماز ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ (تکویت: ۳۵) حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح کو چوری کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو جس نماز کا ذکر کرتا ہے وہ عقرب اس کو (چوری سے) روک دے گی۔ (ابن کثیر فی التفسیر، صفحہ ۳۲۷، جلد ۵) نیز حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں۔ (کنز العمال، صفحہ ۱۱۵، جلد ۷) حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اور کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔ (کنز العمال، صفحہ ۱۳۳، جلد ۷) یعنی نماز کا ترک بالآخر انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے نماز کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں اور بے وضو کی نماز نہیں ہے۔ (مسند بزار، بحوالہ کنز العمال، صفحہ ۱۳۳، جلد ۷) مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ نماز دین کا ایک اہم رکن ہے، اس کا تارک ہر قسم کے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے حتیٰ کہ کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور نماز کی پابندی تمام گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اہمیت وضو: نماز کے لئے طہارۃ شرط ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً

منقول ہے کہ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں ہوتی جبکہ بے وضو ہو جائے یہاں تک کہ وضو کرے۔ (مسلم، بحوالہ کنز العمال، صفحہ ۱۲۵، جلد ۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کی جاتی۔ اس روایت کو ابو عوانہ نے حضرت ابو بکرؓ سے، بطبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ سے، مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے والد ابو لیث سے، مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت عمرؓ اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ (کنز العمال) ان روایات سے معلوم ہوا کہ اگر وضو درست نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔

فرائض وضو: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے وضو میں پاؤں کے دھونے کا حکم دیا ہے اور اہل سنت کا اسی پر اجماع ہے۔ احادیث میں بھی پاؤں کے دھونے پر سختی کی گئی۔ پندرہ روایات نقل کی جاتی ہیں۔

- (۱) حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی وضو کرے آیا، اس کے پاؤں کی پشت پر انگوٹھے کے ناخن کی مثل ایسی جگہ تھی جس کو پانی نہیں پہنچا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ واپس جا کر اپنا وضو کامل کر تو اس نے وضو کامل کیا۔ (کنز العمال، صفحہ ۱۸۵، جلد ۹)
- (۲) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے نماز کے لئے وضو کیا اور اپنے پاؤں کی پشت پر ایک ناخن کی جگہ چھوڑ دی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واپس جا کر اچھی طرح وضو کر، وہ لوٹ گیا، پھر وضو کر کے اس نے نماز پڑھی۔ (کنز العمال، صفحہ ۱۸۵، جلد ۹)
- (۳) ابو قلظہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک آدمی کو اس حالت میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کے پاؤں سے ناخن کی مقدار جگہ (وضو میں) چھوٹی ہوئی تھی، تو حضرت عمرؓ نے اس کو وضو اور نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ (مسند عبدالرزاق)

(۴) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔ (مسند احمد و ترمذی)

وضو کو کامل کرنے، اعضاء وضو تک مبالغہ کے ساتھ پانی پہنچانے اور غفلت کی وجہ سے اعضاء وضو میں سے کسی جگہ کے خشک رہ جانے پر عذاب کا ہونا منہدجہ بالا روایات کے علاوہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے۔

لقیط بن صبرہ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۱، جلد ۱)، ابن مسعود (صفحہ ۱۲، جلد ۱)، حسن بصری (صفحہ ۱۲)، ابو بکر الصدیق (صفحہ ۱۲)، ابوسلمہ (صفحہ ۲۶)، حضرت جابر (صفحہ ۲۶)، عبد اللہ بن عمر، ابو ہریرہ، عبد الرحمن بن ثابت (صفحہ ۲۶)، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، ابو الحکم (صفحہ ۱۹) عکرمہ، عمرو، ربیع (صفحہ ۲۰)

ان اور ان جیسی بہت سی روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل پاؤں میں دھونا ہے، البتہ موزوں پر مسح متواتر روایات سے ثابت ہے اس لئے موزوں والی حالت اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ ابن منذر عبد اللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مسح علی انگلیوں کے بارہ میں صحابہ سے کوئی اختلاف منقول نہیں کیوں جس کسی صحابی سے مسح کا انکار منقول ہے اس سے اس کا اثبات بھی روایت کیا گیا ہے۔ (فتح الباری، صفحہ ۴۰۴، جلد ۱)

نیز ابن حجرؒ نقل فرماتے ہیں کہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ موزوں پر مسح متواتر ہے اور بعض حفاظ حدیث نے موزوں پر مسح کے راویوں کو جمع کیا تو ان کی تعداد اسی سے تجاوز کر گئی جن میں عشرہ مبشرہ، صحابہ کرامؓ بھی ہیں اور ابن ابی شیبہ وغیرہ کتب میں حضرت حسن بصریؒ کا یہ فرمان منقول ہے کہ مجھ سے ستر صحابہ کرامؓ نے موزوں پر مسح کی روایت بیان کی ہیں۔ (فتح الباری، صفحہ ۴۰۴، جلد ۱) درمختار میں تحفۃ الفقہاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ موزوں پر مسح کا ثبوت اجماع بلکہ تواتر کے ساتھ ہے، اس کے راوی آبی (۸۰) سے زائد ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ (الدر المختار مع الشامیہ، صفحہ ۱۲۶۵، جلد ۲۶۶) ابو

عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن الشافعی فرماتے ہیں کہ سفر میں موزوں پر مسح اجماع مسلمین سے جائز ہے اور اس کے جواز کے منکر خوارج ہیں۔ (رحمۃ الامم، صفحہ ۲۱) ابن رشد ماکی متوفی ۵۹۵ھ فرماتے ہیں کہ موزوں پر مطلقاً مسح کا جائز ہونا قول مشہور ہے اور جمہور فقہاء امصار کا یہی قول ہے۔ (بدایۃ المجتہد، صفحہ ۱۳، جلد ۱) مثلاً علی قاری فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح ایسی سنت سے ثابت ہے جو قریب ہے کہ متواتر ہو۔ (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۹۰) علامہ کریمی فرماتے تھے کہ موزوں پر مسح کے منکر پر مجھے کفر کا خوف ہے کیونکہ اس کے بارہ میں آثار چیز تواتر میں ہیں۔ (علی کبیر، صفحہ ۱۰۴) بہر حال موزوں کے بغیر پاؤں کے دھونے کا حکم ہے، البتہ جو موزے کے حکم میں جرابیں ہیں یعنی پورا چھڑا چھڑا ہوا یا عربی جوتے کے برابر چھڑا اسلا ہوا ہو تو وہ موزوں کے حکم میں ہیں۔ بعض حضرات نے ایسی جرابیں جو اپنے موٹاپے کی وجہ سے پنڈلی پر ٹھہری ہوں اور ان میں فوراً پانی نہ داخل ہو اور تین میل بغیر جوتا کے چلنے سے نہ پھینیں ان تین شرطوں کی وجہ سے اس کو حکماً موزہ ہی قرار دے کر ان پر مسح کو جائز قرار دیا ہے۔ زمانہ حال کی عام ساقی، ادنی، ناٹیلون کی جرابوں پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ اگر جرابیں ایسی پتلی ہوں کہ ان میں پانی فوراً نفوذ کر جاتا ہے تو ان پر بالاجماع مسح جائز نہیں۔ (بدایۃ النصاب، صفحہ ۱۰، جلد ۱) ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن دمشقی شافعی فرماتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں مگر یہ کہ مجلد ہوں۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جب اتنی موٹی ہوں کہ پاؤں پر پانی فوراً نہ جائے تو مسح جائز ہے۔ (رحمۃ الامم، صفحہ ۲۲) شیخ حامد مرزا فقہ علی المذہب الاربعہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جراب پر مسح کے جواز کی شرائط المذہب الاربعہ کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ ایسی موٹی ہو کہ بغیر کسی روکنے والی چیز کے خود پنڈلی پر ٹھہری ہوں۔ وہ باریک جراب جو خود پنڈلی پر نہ ٹھہرے اس پر مسح جائز نہیں ہے۔ (المسائل التبع شائع کردہ مکتبۃ الایمان مدینہ منورہ، صفحہ ۲۱)

یہ رسالہ ۱۴۰۵ھ میں مدینہ منورہ سے شائع ہوا ہے جس میں جرابوں

کے مسیح کے علاوہ رفع یدین، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا جمعہ کے قبل سنتوں، ادا ان وغیرہ عبادات پر اجرت مضمون کو سیدھا کرنا، تسبیح ہاتھ میں رکھنا وغیرہ نو مسائل پر فقہ حنفی کے مطابق سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بہر حال دو برحاضر کی سوتی، اونی، نائیلون کی جرابوں پر بالاتفاق مسیح جائز نہیں، ان پر مسیح کرنے والے کا وضو نہیں ہوگا اور ایسے امام کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوگی۔ ایسی تمام نمازیں جو ان جرابوں پر مسیح کر کے پڑھی گئی ہیں یا ایسے امام کے پیچھے پڑھی گئی ہو جس نے جرابوں پر مسیح کر کے نماز پڑھائی، وہ ان کا لوہا نا ضروری ہے۔

ہمارے برصغیر میں لاندہیت کی تحریک کے بعد بھی غرض دراز تک یہ مسئلہ اتفاق رہا کہ ان جرابوں پر مسیح جائز نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی سے قبل تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان جرابوں پر مسیح کے مسئلہ پر عمل ہوتا، کیونکہ یہاں ہمیشہ فقہ حنفی کے مفتی بہ قول پر عمل ہوتا رہا ہے۔ اس حقیقت کو علامہ احسان الہی صاحب ظہیر نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے۔ (فتاویٰ علماء حدیث، صفحہ ۸، جلد ۱)

حضرت شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ کے بعد بھی لاندہیت کی تحریک نے اس مسئلہ کو نہیں چھیڑا، کیونکہ اس تحریک لاندہیت کا سب سے پہلا فتویٰ فتاویٰ نذیریہ اور آخری فتاویٰ ثنائیہ تھا، جیسا کہ علامہ احسان الہی صاحب بھی اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کرتے ہیں: "اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاویٰ نذیریہ تھا جو شیخ انکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے فتاویٰ یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا اور آخری مجموعہ فتاویٰ ثنائیہ تھا جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کے فتاویٰ اور مولانا شرف الدین کی تعلیقات پر مشتمل ہے۔"

(فتاویٰ علماء حدیث، صفحہ ۸، جلد ۱)
اس مسئلہ کا وجود پہلے فتاویٰ میں نہیں بلکہ پہلے تمام اکابرین غیر مقلد جمہور ائمہ کی

ان جرابوں پر مسیح کی تردید کرتے تھے، البتہ آخری مجموعہ فتاویٰ میں مولوی ثناء اللہ صاحب متوفی ۱۹۳۸ء نے ۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو ان جرابوں پر مسیح کے جواز کا فتاویٰ دیا جس کی تردید صاحبیہ پر مولوی شرف الدین غیر مقلد نے کر دی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جرابوں پر مسیح کرنے کا مسئلہ معرکۃ الآراء ہے۔ مولانا (ثناء اللہ) نے جو لکھا ہے یہ بعض ائمہ امام شوافع وغیرہ کا مسلک ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بھی یہی مسلک ہے، مگر یہ مسلک صحیح نہیں، اس لئے کہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ استدلال حدیث جامع ترمذی سے کیا جاتا ہے جو یہ ہے:

عن المعیرة بن شعبه قال تروضا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الجوربین والنعلین قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن صحیح النہی والخرجه ایضاً ابو داؤد و ابن ماجہ و احمد وغیرہ وان حسن وصححه المرمدی لکنہ ضعفه المحدث الکبیر عبدالرحمن بن مہدی و ابو داؤد و مسیح البخاری علی بن المدینی وغیرہم وقالو الروایة عن المعیرة المسح علی الخفین لا الجوربین و فی الباب عن ابی موسیٰ وغیرہ ولا ینتہی شیء علیہا کما فی المطولات اور نیز یہ کہ حدیث مذکورہ ہلفظ مسح علی الجوربین و النعلین ہے اور لاندہیت مسیح ہے۔ یعنی جوربین کے ساتھ نعلین پر دوہوں پر مسیح کیا نہ کہ صرف جوربین پر، لہذا صرف جوربین پر مسیح کا استدلال اس حدیث سے ثابت نہ ہو اور نہ صرف نعلین پر بھی مسیح کرنا لازم ہوگا۔ واللزام باطل فالملزوم مثله نیز نیل الاوطار میں بحوالہ قاموس وغیرہ صاحب کا معنی خف کبیر لکھا ہے اور خف چرمی ہوتا ہے اور اگر جورب سوتی، اونی بھی تسلیم کیا جائے کہ ہوتی تھی یا ہوتی ہے تو پھر اس چیز کا ثبوت ہونا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جورب پر مسیح کیا تھا وہ کس قسم کی تھی؟ ولہم ینتہ عنہ و اذا جاء الاحتمال باطل الاستدلال ہاں چند صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مسح علی الجوربین ثابت ہے تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ ایسا نہیں کہ اس میں اجتہاد کو دخل نہ ہوتا حکماً حدیث مرفوعہ ثابت ہو۔ اس

میں اجتہاد کو بھی دخل ہے اور علت مخصوصہ نہیں جس سے استدلال صحیح ثابت ہو، پھر صحابہ سے علت بھی منقول نہیں کہ کیا ہے.....؟ نہ ہی روایت صاحب وحی سے۔ نیز پھر یہ بھی ثابت نہیں کہ صحابہ نے صرف جو زمین پر مسح کیا یا مع الصلین پر بلکہ بعض صحابہ سے جو زمین کے ساتھ ہی صلین پر ثابت ہے، جیسے حضرت علیؓ اور براء ابن عازبؓ اور ابو مسعود انصاری کے جو رب کی تعیین بھی ثابت نہیں کہ کس قسم کی تھیں، چرمی یا غیر چرمی پھر یہ مسئلہ نہ قرآن سے ثابت ہو ان حدیث مرفوع صحیح سے نہ اجماع نہ قیاس صحیح سے نہ چند صحابہ کے فعل اور اس کے دلائل سے اور غسل رجبین نس قرآنی سے ثابت ہے، لہذا خف جرمی (جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے) کے سوا جو رب پر مسح ثابت نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۳۳۱، ۳۳۲، جلد ۱)

جرابوں پر مسح غیر مقلد علماء کی نظر میں:

فتاویٰ نذیریہ میں عبدالرحمن مبارک پوری کا ثنوی مصدقہ میاں نذیر حسین صاحب یہ ہے کہ تذکرہ (آؤئی، سوئی) جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ، بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۹۲، جلد ۱) مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی فرماتے ہیں جرابوں پر مسح کرنا حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۹۹، جلد ۱) مولوی علی محمد سعیدی مرتب فتاویٰ علمائے حدیث لکھتے ہیں، صحیح مسلک یہ ہے کہ رقیق جراب پر مسح کرنے سے احتیاط کرنی چاہئے جیسا کہ مولانا عبید اللہ مبارک پوری نے مرعاۃ شرح مشکوٰۃ میں طول طویل بحث کے بعد فیصلہ احتیاط پر کیا ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۱۰۰، جلد ۱) شیخ حسین بن محسن انصاری فرماتے ہیں، حاصل یہ کہ ثقتہ حفاظ اثبات کی متواتر صحیح احادیث ایسے حفاظ جن پر نقد رجال میں اہتمام کیا جاتا ہے ان کی صحیح احادیث میں جرابوں اور جوتیوں پر مسح کا ذکر نہیں، ان میں صرف موزوں پر مسح کا ذکر ہے تو جرابوں اور جوتیوں پر مسح کی روایت شاذ ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۱۱۶، جلد ۱) مولوی عبدالستار و حلوی اور مولوی محمد گوئلوی کے شاگرد اور علامہ احسان الہی ظہیر کے استاد مولوی ابوالبرکات

غیر مقلد فرماتے ہیں، کہ جرابوں پر مسح کرنے کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ علماء نے جرابوں پر مسح کرنے کو موزوں پر مسح کے ساتھ قیاس کیا ہے۔ (فتاویٰ برکاتیہ، صفحہ ۱۸) نیز فرماتے ہیں:۔۔۔ "احتیاطاً علماء نے جرابیں موٹی ہونے کی شرط لگائی ہے، یعنی صاحب عون العبود اور تحفۃ الاحوذی وغیرہ کے معضنین نے نیز امام احمد سے بھی جرابیں موٹی ہونے کی شرط مروی ہے، امام ابوحنیفہ جرابوں پر مسح کے قائل نہیں ہیں لیکن ان کے شاگرد رشید امام محمد نے جرابوں پر مسح کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس وقت جبکہ وہ موٹی ہوں۔"

(فتاویٰ برکاتیہ، صفحہ ۱۸)

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:۔۔۔ "اقرب الی الصواب یہی ہے کہ موٹی جرابوں پر مسح کیا جائے۔" (فتاویٰ برکاتیہ، صفحہ ۱۸) مولانا نے مسح والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس وقت قیاس کو صحیح قرار دیا ہے اور حدیث کو اس کا موید قرار دیا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ:۔۔۔ "امام ابن تیمیہ جرابوں کے موٹا ہونے کو اہمیت نہیں دیتے اور نہ شرط ہی لگاتے ہیں۔" (فتاویٰ برکاتیہ، صفحہ ۱۸) مولوی عبید اللہ مبارک پوری غیر مقلد فرماتے ہیں کہ:۔۔۔ "میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ جرابیں جب ایسی موٹی ہوں کہ بغیر (ربڑ یا دھاگے وغیرہ سے ناقل) ہاتھ سے پھینکیں تو ان میں (مسلسل) چلنا ممکن ہو تو ان پر مسح جائز ہے کیونکہ وہ موزوں کے حکم میں ہیں اور اگر ایسے نہ ہوں تو ان پر میرے نزدیک مسح کے جائز ہونے میں تاثر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کہ شک والی چیز کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کر جس میں شک نہ ہو۔" (مرعاۃ المفاتیح، صفحہ ۵۸۲، جلد ۱) غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین صاحب اس سوال کے جواب میں کہ مرہجہ آؤئی اور سوئی جرابیں جو موٹی نہ ہوں اور منعل بھی نہ ہوں ان پر مسح جائز ہے یا نہیں، جبکہ اس کی حدیث ضعیف ہے اور ائمہ کرام نے ترمذی کی تصحیح کو قبول نہیں کیا، آیا ان جرابوں کو موزوں پر صرف پاؤں کے ساتھ اور دفع حرج کی علت کی بنا پر قیاس کرنا درست ہے یا مومن نے ہونے اور

عدم نفوذ ماہ کی قید بھی بڑھانا ضروری ہے جیسا کہ ائمہ نے یہ قید لگائی ہے۔ مفصل فتویٰ صادر فرماتے ہیں جس کے چند اہم مقامات کا ترجمہ ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مذکورہ جرائدوں پر مسیح جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے جواز پر کوئی صحیح دلیل قائم نہیں ہے اور وہ تمام مستدلات جن سے قائلین جواز استدلال کرتے ہیں ان میں ظاہری خدشات ہیں اور ان کے مستدلات تین ہیں۔ (۱) حدیث مرفوعہ (۲) افعال صحابہ (۳) قیاس۔ حدیث مرفوعہ تو وہی ہے جس کو ترمذی وغیرہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے استدلال میں یہ خدشہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے استدلال جائز نہیں ہے۔ امام ابو داؤد نے اس کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ عبدالرحمن بن مہدی اس حدیث کو اس لئے بیان نہیں کرتے تھے کہ مغیرہ بن شعبہ کی معروف روایت موزوں پر مسیح کی ہے اور یہ جرائدوں پر مسیح حضرت ابوموسیٰ اشعری سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جرائدوں پر مسیح کیا اور یہ روایت متصل ہے نہ قوی (انتہی)۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں فرمایا کہ ابو محمد یحییٰ بن منصور نے فرمایا کہ: "میں نے مسلم بن حجاج کو دیکھا کہ وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے اور فرمایا کہ (اس روایت کے راوی ناقل) ابو قیس اودی ہذیل بن شریبیل اس جراب کے لفظ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے، خصوصاً ان کے ان جلیل القدر محدثین کی مخالفت کے ساتھ جنہوں نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ سے موزوں پر مسیح کا لفظ نقل کیا ہے اور فرمایا کہ ظاہر قرآنی کو ابو قیس اور ہذیل جیسے لوگوں کی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا۔" یحییٰ بن منصور فرماتے ہیں کہ: "میں نے امام مسلم کی اس حکایت کو ابو العباس محمد بن عبدالرحمن الدنولوی سے بیان کیا تو میں نے ان کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے علی بن عمر بن شیبان سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو قتادہ سرحسی کو سنا وہ فرماتے تھے کہ عبدالرحمن بن مہدی نے کہا کہ میں نے سفیان ثوری سے کہا کہ اگر تو مجھ سے ابو قیس کی حدیث ہذیل سے بیان کرے تو میں اس کو تجھ سے قبول نہیں کروں گا تو سفیان نے

ایسا یہ حدیث ضعیف ہے، پھر امام بیہقی نے امام احمد بن حنبل سے اپنی سند سے یہ بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صرف ابو قیس اودی سے نقل کی جاتی ہے اور عبدالرحمن بن مہدی اس حدیث کی روایت کرنے پر انکار کرتے تھے اور انہوں نے اس کو منکر قرار دیا اور بیہقی نے علی بن المدینی سے سند کے ساتھ ذکر کیا کہ مسیح کے بارہ میں مغیرہ بن شعبہ کی روایت کو حضرت مغیرہ سے اہل مدینہ اور اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے روایت کیا ہے اور ہذیل بن شریبیل نے حضرت مغیرہ سے اس روایت کو نقل کیا مگر اس نے جرائدوں پر مسیح کا ذکر کیا۔ پس اس نے تمام لوگوں کی مخالفت کی اور بیہقی نے یحییٰ بن معین سے بھی سند سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ سب لوگ اس روایت کو موزوں کے لفظ سے ذکر کرتے ہیں، سوائے ابو قیس کے اور بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں فرمایا کہ جو رجین اور نعلین پر مسیح کو ابو القیس اودی نے ہذیل بن شریبیل سے، انہوں نے حضرت مغیرہ سے نقل کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جو رجین اور نعلین پر مسیح کیا اور یہ حدیث منکر ہے، اس کو سفیان ثوری، عبدالرحمن بن مہدی، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور مسلم بن حجاج نے ضعیف قرار دیا ہے اور حضرت مغیرہ سے معروف موزوں پر مسیح کی روایت ہے۔ (فتاویٰ ندویہ، صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴، جلد ۱)

اس کے بعد میاں صاحب ابن دقیق العید کے قول کہ: "ابو قیس کی روایت دوسری روایات کے معارض نہیں بلکہ اس نے ایک امر زائد کا ذکر کیا ہے جو دوسرے راویوں نے نہیں کیا۔" کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ما قبل سے تیرے لئے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ مسیح کے بارہ میں مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کو نقل کرنے والے تمام اہل مدینہ و اہل کوفہ اور اہل بصرہ ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں موزوں پر مسیح کیا سوائے ہذیل بن شریبیل کے کہ جس نے جو رجین اور نعلین کے الفاظ ذکر کئے ہیں تو اس نے تمام راویوں کی مخالفت کی ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کی یہ روایت باقی راویوں کی روایت کے معارض اور منافی ہے کیونکہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زمین اور اعلیٰ پر مسیح کیا نہ (کہ) موزوں پر اور باقی راویوں کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسیح کیا نہ جو زمین اور اعلیٰ پر تو ابن وقیف العید کا یہ قول کیسے درست ہوگا کہ اس کی روایت جمہور کی روایت سے معارض و مخالف نہیں اور ابن وقیف العید کا یہ قول کہ یہ جمہور کی روایت کے معارض نہیں بلکہ یہ ان کی روایت پر زیادتی ہے تو یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ جمہور کی روایت میں موزوں پر مسیح کا ذکر اور ہذیل نے اس لفظ (مسح علی العین) پر لفظ جو زمین و اعلیٰ زائد نہیں کیا اس کو اچھی طرح سمجھ۔ علاوہ اس بات کے کہ ہذیل بن شریب کی روایت کو ضعیف قرار دینے پر سفیان ثوری، عبد الرحمن بن مہدی، ابن معین، احمد بن حنبل، ابن مدینی، مسلم، ابو داؤد، اور نسائی جیسے لوگ متفق ہیں تو ان جلیل القدر محدثین کے اتفاق کے بعد ابن وقیف العید کا قول کچھ قطع مستحسن ہے۔ بہر حال ترمذی کا اس حدیث کو حسن صحیح کہنا تو وہی نے بقول صاحب فتح القدر فرمایا کہ ان جلیل القدر محدثین میں سے ہر ایک اگر اکیلا ہوتا تو امام ترمذی پر مقدم تھا (چہ جائیکہ یہ سب اس کی تضعیف پر متفق ہیں) ہاں وہ اس بات کے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ صفحہ ۱۹۴، جلد ۱) اس کے بعد میاں صاحب یہ احتمال نقل کر کے کہ جو رب کا معنی موزہ بھی ہے جیسا کہ شوکانی، امیر بھائی اور طیبی کے اقوال سے ثابت ہے، فرماتے ہیں کہ ہمارا مقصود بھی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں پر مسیح نہیں کیا، پھر فرماتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ جہاں پر مسیح کے بار میں حدیث مرفوع صحیح نہیں ہے تو جہاں پر مسیح جائز قرار دینے والوں کا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ (مجلس فتاویٰ نذیریہ صفحہ ۱۹۵، جلد ۱) پھر میاں صاحب نے علامہ طیبی اور خطابی کی یہ توجیہ نقل فرمائی ہے کہ یہ مسح معطل جہاں پر تھا کیونکہ اگر صرف جہاں پر علیحدہ علیحدہ مسح ثابت ہوتا تو لازم آتا کہ صرف پہلوں پر بھی مسح جائز ہوتا حالانکہ صرف چہلی پر مسح کے یہ لوگ بھی قائل نہیں جو صرف جہاں پر مسح کے جواز کے قائل ہیں۔

اس کے بعد میاں صاحب نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قسم کی جراب پر مسح فرمایا اور کسی خاص قسم کی تعیین کی، اس لئے ضرورت ہے کہ یہ حدیث فعلی ہے اور اس میں عموم نہیں کہ ہر قسم اس میں داخل ہو، اگر یہ حدیث قوی ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں پر مسح کا حکم دیا ہوتا تو عموم مراد ہو سکتا تھا تو اس صورت میں جلد جراب مراد ہوگی جو موزہ کے حکم میں ہے اور اس پر یقیناً مسح جائز ہے کیونکہ جو موزے کے حکم میں نہیں اس پر مسح پر دل مطمئن نہیں اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: "شک والی بات کو چھوڑ کر یقینی بات کو اختیار کرو۔"

اس کے بعد آثار صحابہ کرام کا جواب دیتے ہوئے میاں صاحب فرماتے ہیں کہ ان افعال صحابہ میں اجتہاد کی گنجائش ہے (تو یہ حکم مرفوع نہیں ہوں گے) لہذا قاطب مستدل نہیں ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ صحابہ کرام نے کس قسم کی جرابوں پر مسح کیا تھا، کیونکہ راویوں نے یہ تو بیان کیا ہے کہ (بعض) صحابہ کرام نے جہاں پر مسح کیا ہے اور اکثر روایتوں میں یہ وضاحت نہیں کہ وہ جہاں پر کسی شخص اور یہ اصول معلوم ہے کہ فعل مثبت میں عموم نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ صحابہ کرام ہر قسم کی جرابوں پر مسح کے قائل تھے یا بعض قسموں پر قائل تھے اور بعض پر قائل نہیں تھے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ مسح جو زمین مع اعلیٰ پر تھا یا صرف جو زمین پر۔ حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت علی اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو زمین مع اعلیٰ پر مسح تھا۔ (تو یہ مسح محل نزاع سے خارج ہے) اور اس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ جہاں کو موزوں پر قیاس کرتے ہیں تو یہ بھی خندوش ہے کیونکہ قیاس کی علت یہاں منصوص نہیں تو موزوں پر مسح کی علت یقیناً معلوم نہیں ہوگی کہ کیا ہے اور قیاس علت غیر منصوص سے محض ظنی ہوگا تو اس جیسے قیاس سے قرآن اور حدیث متواتر سے ثابت ہونے والا پاؤں کو دھونے والا حکم کیسے چھوڑا جائے گا۔ پھر فرماتے ہیں، حاصل یہ کہ سوال میں ذکر کی گئی مروجہ جہاں پر مسح کے جواز کی دلیل نہ کتاب

اللہ سے نہ شکت رسول اللہ سے اور نہ اجماع سے اور نہ ہی قیاس صحیح سے ثابت ہے، جیسا کہ تجھے معلوم ہو چکا اور کتاب اللہ سے پاؤں کا دھونا ثابت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کی رخصت دی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جرائدوں پر مسح کی رخصت ثابت نہیں تو ان جرائدوں پر مسح کیسے جائز ہوگا۔ (مخلص فتاویٰ تذریہ، صفحہ ۱۹۵ تا ۱۹۷)

نوٹ: یہ فتویٰ عبدالرحمن مبارکپوری کا تحریر کردہ اور میاں تذیر حسین صاحب کا مصدق ہے۔ ان اکابرین غیر مقلدین کے فتاویٰ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آج کل کے غیر مقلدین مروجہ جرائدوں پر مسح کر کے صرف قرآن و سنت کے منکر نہیں بلکہ اپنے اکابر کے مسلک سے بھی تدارکی کر رہے ہیں اور ان کے پاس دلیل صرف قیاس غیر صحیح ہے۔ اب افسوس یہ ہے کہ جو لوگ دن رات قیاس کی تردید کرتے ہیں اور عوام کو یہ ذہن دے رہے ہیں کہ مقلدین امر کے قیاس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ہم صرف قرآن و سنت کو مانتے ہیں تو یہ بات واضح ہوگئی کہ زبان پر ہی قرآن و حدیث کے الفاظ ہیں اور وہ بھی صرف عوام کو دھوکا دینے کے لئے ورنہ یہ بات مسلم ہے کہ اگر دعویٰ خاص ہو تو دلیل بھی خاص ہونی چاہئے۔ جب اختلاف باریک جرائدوں میں ہے تو باریک کا لفظ کسی روایت میں نہ ملے تو دعویٰ ثابت نہیں ہوتا اور یہ بات بہت سے مقامات پر یہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً ذوالجدا لہنا زہ کے قائلین ذکا کے بارہ میں جتنی عموماً آیات و احادیث ہیں ان سے اپنے مدعا پر استدلال کرتے ہیں مگر غیر مقلدین بھی اس کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ دعویٰ خاص کے لئے دلیل خاص ہونی چاہئے۔ دلیل عام اس جگہ کام نہیں دے گی، اسی طرح اذان سے قبل درود کے اثبات میں اہل بدعت تمام درود پاک کے متعلق آیات و احادیث دلائل میں تحریر کر دیتے ہیں جن میں اذان کا کہیں نام و نشان نہیں ہوتا مگر تمام غیر مقلدین اس عام استدلال کو جائز قرار نہیں دیتے۔

اسی طرح قبر پر اذان کا جواز دعویٰ خاص ہے جب تک دلیل خاص نہیں ہوگی اس وقت تک عمومی فضائل اذان کی روایات غیر مقلدین زمانہ کے نزدیک بھی قابل استدلال

سبب ہوں گی، اگر کوئی نماز جنازہ اور عیدین کی نماز سے قبل عمومی فضائل اذان کی روایت پیش کر کے ان مقامات میں اذان کے جواز کا دعویٰ کر دے تو بالاتفاق یہ استدلال مردود ہوگا، بالکل اسی طرح مطلق جو رب کے لفظ سے دور حاضر کی باریک جرائدوں پر استدلال قطعاً درست نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ: دور حاضر کی رفیق جرائدوں کو مطلق جو ربین کے مفہوم میں نہ اللہ تعالیٰ نے داخل کیا، نہ اللہ کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے، نہ ان کے شاگرد ہندیل بن سرحیل نے، نہ ان کے شاگرد ابوقیس نے، نہ ان کے شاگرد سفیان نے، نہ ان کے شاگرد کعب نے، نہ ان کے شاگرد محمود بن غیلان اور قتادہ نے، نہ ان کے شاگرد ورشید امام ترمذی نے، بلکہ امام ترمذی نے ترمذی شریف میں لخصین (موتی) کی قید ذکر کر کے باریک جرائدوں کی تردید فرمادی۔ چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری، ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اہل حق اس حدیث کے موافق فرماتے ہیں کہ جرائد جب موتی ہوں تو ان پر مسح کیا جائے گا اگر چہ وہ جلد یا سطل نہ ہوں تو موتی کی قید سے انہوں نے بھی موجودہ جرائدوں کو اس حکم سے نکال دیا۔

اسی طرح جتنے صحابہ کرام کے نام اس سلسلہ میں ذکر کئے جاتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی رفیق جرائدوں کو ان میں داخل نہیں کیا۔ چودہ سو سال کے عرصہ میں آٹھویں صدی ہجری کے ابن تیمیہ کے علاوہ کسی اور شخص کا نام نہیں ملتا، ان کے مسلک کو قرآن و سنت کے نام سے پھیلا کر موجودہ جرائدوں پر مسح کروایا جاتا ہے اور عوام کی نمازوں کو ضائع کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ: ان جرائدوں پر مسح کرنے سے نہ دھوکا، نہ نماز ہوگی، اگر ان جرائدوں پر مسح کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ بھی نہیں ہوگی۔ زندگی میں ایسی پڑھی ہوتی نمازوں کو لوٹانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم اسلاف کے مطابق قرآن و سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سفہاء سے عقائد و اعمال کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قلبت منام بصورت قیام رمضان

برادران اسلام پر یہ بات واضح ہے کہ رمضان المبارک گناہوں کو جلا کر ختم کر دینے والا مہینہ ہے، کیونکہ اصلاح نفس کے تمام مجاہدات (قلبت طعام، قلبت منام، قلبت کلام، قلب اختلاط مع الانام یعنی تھوڑا کھانا، تھوڑا سونا، تھوڑا بولنا، لوگوں سے میل جول کم رکھنا) کی اس مبارک مہینہ میں مشق کرائی جاتی ہے۔ کم سونے سے نفس کی اصلاح مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض غیر مسلم اس مجاہدہ کے لئے نمک کی سلائیاں آنکھ میں لگاتے ہیں تاکہ نیند ختم ہو جائے۔ بعض ہندو اپنی چوٹی کو رسی کے ساتھ باندھ کر رسی کو چھت سے باندھ لیتے ہیں تاکہ نیند کا جھٹکا لگتے ہی آنکھ کھل جائے، لیکن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام مشقتوں سے بچا کر تھوڑا سا مجاہدہ کرایا کہ عشاء کے بعد اپنی عبادت یعنی تراویح میں لگا دیا اور سحری کے وقت کھانا کھانے کے لئے رات کے آخر سے بھی کچھ نیند کی کمی کر دی۔ یہ مجاہدہ اگرچہ معمولی ہے لیکن شدت نبویہ ﷺ کے عین مطابق ہے، اس لئے مسلمان کو اس میں وہ آجرتا ہے جو غیر مسلم کو کثیر مشقت پر بھی نہیں ملتا۔

معنی تراویح: تراویح "ترویج" کی جمع ہے جس کا معنی آرام پہنچانا ہے اور شرعی اصطلاح میں رمضان کی اس خاص شدت موکدہ نماز کو تراویح کہا جاتا ہے جو عشاء کے بعد سے فجر تک پڑھی جاسکتی ہے۔ عام معمول عشاء کے متصل بعد پڑھنے کا ہے۔

معنی لغوی سے مناسبت: اس نماز کو تراویح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نماز کی ہر چار رکعت پر نفس کو راحت پہنچانا مستحب ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت

ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کو چار رکعت پڑھتے، پھر کچھ دیر آرام کرتے تو بہت جلد اسے نماز پڑھتے یہاں تک کہ مجھے ان پر رحم آتا تو میں عرض کرتی کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی کچھلی تمام لغزشیں معاف فرمادی ہیں (تو اتنی مشقت کیوں؟) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ (نبیاتی صفحہ ۳۹، جلد ۲) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں لغو و فح کے الفاظ امام کے راحت اور آرام پر دلالت کرتے ہیں جو (چار رکعت کے بعد) تراویح میں راحت آرام کی اصل ہے۔ (حوالہ بالا) امام بیہقی نے اس روایت کے راوی ابو یوسف بن زیاد پر یہاں قوی نہ ہوئے کا اور باب حل اللحم میں صاحب مناکیر کا حکم لگایا ہے مگر علامہ مارونی متوفی ۴۵۷ھ نے ناقدانہ انداز میں فرمایا کہ ابن حبان اور ان کے علاوہ ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے جس کو بیہقی نے ذکر نہیں فرمایا۔ (الجوہر النبی مع بیہقی، صفحہ ۳۹، جلد ۲) مقصد یہ ہے کہ یہ حسن درجہ سے کم درجہ کا راوی نہیں ہے بلکہ تالیقی ہے اس کی وجہ سے یہ روایت درجہ سحت کو پہنچ جاتی ہے۔

مفاد: امام بیہقی نے اس روایت سے قبل زید بن وہب کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ: کان عمرو بن الخطاب یروى حنافية رمضان یعنی بین الترویجین لیسوا ما یذهب الرجل من المسجد الی سلع یعنی حضرت عمر بن الخطاب رمضان میں آئیں دو ترویجوں کے درمیان اتنی دیر راحت کا موقع دیتے تھے کہ بھٹی دیر میں آدمی مسجد نبوی سے سلع نامی پہاڑی تک جاسکے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۳۹، جلد ۲) اسی طرح ابو الحسناء کی روایت میں پانچ ترویجوں کا ذکر حضرت عائشہ سے ملتا ہے۔ (نبیاتی صفحہ ۳۹، جلد ۲) نیز خلف ربیع سے نقل کرتے ہیں کہ ابو البختری پانچ ترویج پڑھتے پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳، جلد ۲) اور سعید بن جبیر کی روایت میں (فرض سمیت) چھ ترویجوں کا ذکر ہے۔

(ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳، جلد ۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کے ہم معنی اور ہم مادہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین عقلمندانہ کے زمانے میں بھی استعمال ہوتے رہے ہیں۔

تعداد رکعات تراویح:..... آج کل یہ مسئلہ نااہلوں کے ہاتھ آنے کی وجہ سے محل نزاع بنا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے چند تمہیدی باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

۱..... دنیا میں شاذ اور متروک اقوال ملتے ہیں مگر تمام اہل فن معروف اور غیر متروک اقوال کو لیتے اور اس کے مد مقابل کو ترک کر دیتے ہیں۔ مثلاً متواتر آیات کے مقابلہ میں شاذ قراءتوں کو نہ قبول کیا جاتا ہے نہ ان کو نماز میں پڑھنا درست ہے۔ اگر کوئی سند صحیح سے بھی شاذ قراءت کو بیان کرے تو وہ قابل قبول نہ ہوگی، اسی طرح خبر متواتر یا مشہور یا خبر واحد صحیح کے مقابلہ میں شاذ روایات بالافتقار متروک ہوتی ہیں شاذ روایات کو متواتر روایات کے مقابلہ میں عوام میں پھیلا نا خدمت دین نہیں بلکہ دین کی تباہی کی ایک صورت ہے۔ اسی طرح فقہ کے مفتی بہ اقوال کے مقابلہ میں غیر مفتی بہ اقوال کو عوام میں پھیلا نا فقہ کی خدمت نہیں بلکہ اس فن کی تباہی ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس علم صرف، علم نحو، علم طب، علم اصول حدیث، علم اصول تفسیر وغیرہ سب علوم میں معروف مسائل کے مقابلہ میں غیر معروف مسائل کو عوام میں پھیلا نا ان علوم کی خدمت نہیں بلکہ ان کی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔

۲..... اسی طرح ہمیشہ محکم کو مؤول پر ترجیح ہوتی ہے مؤول کو محکم کے مقابلہ میں ذکر کرنا عقل اور نقل کے خلاف ہے۔

۳..... جب تک دلائل میں تطبیق ممکن ہو تو ان میں تعارض والا معنی پیدا کرنا درست نہیں مگر آج کل ہر باطل فرقہ ان اصولوں کو نظر انداز کر کے عوام کو گمراہ کرتا ہے۔ تعداد رکعات تراویح میں بھی آج کل شہرت یافتہ روایات کو چھوڑ کر غیر شہرت یافتہ اور محکم کے مقابلہ میں غیر محکم روایات کو پیش کیا جاتا ہے اور مختلف روایات میں تطبیق کی بجائے تعارض پیدا کرنے کی کوشش

کی جاتی ہے۔

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:..... حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:..... ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشورین رکعة والوتر یعنی یہ یعنی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳، جلد ۲) اس حدیث پر صحابہ کرام کے زمانے میں اجماع ہو گیا ہے اس لئے تلقی امت بالقبول کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف نہیں بلکہ صحت کے درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ قاضی ابویوسف نے امام ابوحنیفہ سے تراویح کے بارہ میں اور حضرت عمر کے عمل کے بارہ میں پوچھا تو امام صاحب نے فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ حضرت عمر نے اس کو اپنی طرف سے نہیں گھڑایا اور وہ اس میں بدعت سید کے مرتکب نہیں اور اس نے اس کا حکم کسی ایسی دلیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی وجہ سے دیا ہوگا جو ان کے پاس تھا۔ (رد المحتار صفحہ ۴۳، جلد ۲)۔ فتاویٰ تاجرانہ میں ہے کہ قاضی ابویوسف نے بیس رکعت کے بارہ میں سوال کیا تھا تو امام صاحب نے فرمایا کہ عمر بدعتی نہیں تھے۔ (فیض ہاری، صفحہ ۴۲۰، جلد ۲)۔ علامہ ابو جلدی متوفی ۵۹۴ھ فرماتے ہیں کہ ہماری (بیس رکعت کی) دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس سے نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور اس کے بعد تین وتر پڑھتے تھے۔ (قاضی خان، صفحہ ۳۳۳، جلد ۱، بر حاشیہ عالمگیری)۔ معلوم ہوا کہ چھٹی صدی کے اخیر تک اس روایت سے استدلال کیا جاتا تھا اور فقہ کا کسی حدیث سے استدلال اس حدیث کی تصحیح ثبوت کی جاتی ہے۔ علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں کہ جب مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اس حدیث کی تصحیح ہوتی ہے جیسا کہ ابن ہمام کی التخریر وغیرہ میں ہے۔ (شامی، صفحہ ۵، جلد ۲) اور تدریب الراوی میں ہے کہ ابوالحسن ابن انصار نے تقریب الممدارک

علی مؤطا مالک میں فرمایا ہے کہ فقیر کبھی حدیث کی صحت ایسے معلوم کرتا ہے کہ اس کی سند میں کوئی کذب نہ ہو اور وہ کتاب اللہ کی آیت یا بعض اصول شرعیہ کے موافق ہو تو یہ بات اس کو اس حدیث کے قبول اور اس پر عمل کرنے پر برا بیخیز کرتی ہے۔ (مقدمہ اعلاء السنن، صفحہ ۱۵) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ آیت اختلاف میں بھی یہی فرماتے ہیں کہ:—
 ولیمکن لہم دینہم اللہی ارتضیٰ لہم یعنی جمادے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے۔ (سورہ نور: ۵۳) صلاح الدین یوسف بھی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور عہد خیر القرون میں اس وعدہ الہی کا ظہور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دین کا ناپ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین اسلام کو مروج دیا۔ (توضیح الہیان، شائع کردہ شاہ فہد، صفحہ ۹۸۷)۔ حضرت نانو تو توئی فرماتے ہیں یہ بھی اہل فہم و انصاف پر روشن ہو گیا کہ ان (خلفاء راشدین) کے زمانے میں ان کے ہاتھوں سے جو کچھ دین کے مقدمہ میں ظہور میں آیا اس نے رواج پایا جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا حضرت فاطمہ الزہراءؓ کو نذک کا نہ دینا اور حضرت عمرؓ کا متعہ سے منع کرنا اور تراویح کی تاکید اور حضرت عثمانؓ کا جمعہ میں ایک اذان کا بڑھا دینا وہ سب مجملہ دین پسندیدہ اور مصداق مضمون "ارتضیٰ لہم" ہے۔ علی ہذا القیاس اس زمانہ میں جس مسئلہ پر ان کی وجہ سے اجماع اور اتفاق ہو گیا وہ ارایت حق و صواب ہے۔ (بدیۃ الشیخ، صفحہ ۶۹)

معلوم ہوا کہ وعدہ قرآن بھی اس روایت کے مطابق پورا ہوا کہ خلافت راشدہ کے دور میں بیس رکعت کو تکمیل اور استقرار نصیب ہوا۔ لہذا اس قرآنی پیشین گوئی سے اس روایت کا صحیح ہونا نصف النہار کے سورج کی طرح آشکار ہو گیا اور معلوم ہوا کہ رضائے خداوندی کا عمل یہی نہیں والی روایت ہے اور "رضائے خدا" ہی "رضائے مصطفیٰ" ہے۔ اب اس کے خلاف ہزار روایات بھی اگر کوئی پیش کرے جن کو تکمیل نصیب نہیں ہوئی تو ان کا پیش کرنا

سوال ہے۔ ہمارا فریق مخالف سے مطالبہ ہے کہ کوئی ایسی ایک روایت پیش کریں جو اس کے خلاف ہو اور خلافت راشدہ میں اس پر استقرار ہو؟

ضعیف محدثین:..... آج کل محدثین اور بعض علماء کی فہرست تیار کر کے

اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ **سوال یہ ہے** کہ جب ان محدثین نے ضعیف کہنے کے باوجود عمل اسی حدیث پر کیا ہے اور ساری زندگی بیس رکعات پڑھی ہیں تو اسے ضعیف کہنے کا کیا فائدہ؟

جواب:..... ترمذی شریف کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ امام ترمذیؒ اپنی ہی احادیث پر ضعف کا حکم لگا کر فرماتے ہیں کہ عمل اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر ہے اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ بسا اوقات ایک روایت کا ضعف تاریخی قرآن کی وجہ سے دور جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کی موافقت اور عمل تو اتنا جس کو تلتلی باقیہ کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں:— بحکم للحدیث بالصحة اذا لقاہ الناس بالقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح (تدریب الراوی، صفحہ ۲۹) یعنی جب کسی حدیث کو لوگ قبول کر لیں تو اس کی صحت کا حکم لگا دیا جاتا ہے اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔ "مولانا ظفر احمد عثمانی" اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:— والقبول تارة یكون بالقول وتارة بالعمل علیہ ولذا قال المحقق فی الفتح وقول الترمذی العمل علیہ عند اهل العلم یعنی قوۃ اصلہ وان ضعف خصوص هذا الطريق (جلد ۱، صفحہ ۱۸۸) یعنی حدیث کا قبول کرنا کبھی قولاً ہوتا ہے کبھی عملاً اس طرح کہ اس پر امت کا عمل شروع ہو جائے۔ اس وجہ سے محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ترمذی کا یہ کہنا کہ اہل علم کے نزدیک عمل اس حدیث پر ہے یہ اصل حدیث کی قوت کا تقاضا کرتا ہے اگرچہ یہ خاص سند ضعیف ہو۔ (مقدمہ اعلاء السنن، صفحہ ۱۵)۔ نیز مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطی نے

تعلیقات میں ایک حدیث کے بارہ میں فرمایا کہ ترمذی نے اس کو ذکر کیا ہے اور حسین نے کہا کہ امام احمد وغیرہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے اور عمل اہل علم کے نزدیک اس حدیث پر ہے تو امام ترمذی نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ حدیث اہل علم کے قول کی وجہ سے قوی ہوگئی ہے اور بہت سے لوگوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اہل علم کا اس حدیث کے مضمون کا قائل ہونا بھی ہے، اگرچہ اس کی سند جیسی سند پر اکتفا نہ کیا جاتا ہو۔ (صفحہ ۱۲) اور اسی (تعلیقات) میں ہے کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مبارک وغیرہ کی رائے صلوة التیسرے کی ہے، انہوں نے اس کی فضیلت بیان کی ہے اور علامہ بیہقی نے فرمایا کہ عبداللہ بن مبارک صلوة التیسرے پر تھے اور اس کو بعض صلحاء نے بعض صلحاء سے لیا ہے اور اس میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے۔ (صفحہ ۱۳) بلکہ حدیث کو جب امت قبول کر لے تو وہ ہمارے نزدیک متواتر کے ہم معنی ہو جاتی ہے۔ علامہ جسام نے ادکام القرآن (صفحہ ۲۸۶، جلد ۱) میں فرمایا ہے: ... وقد استعملت الامة هذين الحديثين وان كان وروده من طريق الامام فصار في حيز المتواتر لان ما نقلوا الناس بالقبول من اخبار الاحاد فهو عندنا في معنى المتواتر یعنی امت نے ان دونوں حدیثوں پر (نقصان عدت میں) عمل کیا ہے اگرچہ ان کا ورود خبر واحد کے طریقہ پر ہے لیکن یہ متواتر کی جگہ ہیں کیونکہ جس خبر واحد کو امت قبول کر لے وہ ہمارے نزدیک متواتر کے معنی میں ہو جاتی ہے۔

(مقدمہ اعلیٰ اسٹن، صفحہ ۱۵، جلد ۱۶)

فائدہ:.....

حدیث کی تصحیح و تضعیف کے تفصیلی اصول نہ قرآن پاک میں ہیں نہ حدیث پاک میں بلکہ مجتہدین کے اجتہاد پر مبنی ہیں، اگر کسی حدیث پر تمام امت کے فقہاء عمل شروع کر دیں تو وہ اجماع والی دلیل سے صحیح ہوگی اور اگر تمام فقہاء اس کو ترک کر دیں تو وہ بالاجماع ضعیف ہوگی اور اگر بعض عمل کریں اور بعض ترک کریں تو اس کی تصحیح و تضعیف

اجتہاد ہی ہوگی۔ ہر مقلد اپنے امام کے قول کا مکلف ہوگا، دوسرے امام کا قول اس کے لئے امت نہیں ہوگا چہ جائیکہ کسی مقلد کا شاہد قول اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

حقیقت جرح:.....

اس روایت پر جرح ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ واسطی کی وجہ سے کی جاتی ہے اور جرح اصولاً یا تو حافظہ پر ہوتی ہے یا عدالت پر۔ اس کے حافظہ کے بارہ میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:..... ابراہیم بن عثمان العسی بالمؤحدۃ الحافظ (فتح الباری، صفحہ ۹۶، جلد ۸) اور اس کی عدالت کے بارہ میں شعبہ متوفی ۱۶۰ھ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولا کرتا تھا لیکن علامہ ذہبی نے مفسر جرح ذکر کر کے اس کو رد کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شعبہ نے اس کی اس لئے تکذیب کی ہے کہ اس نے حکم سے اور انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے نقل کیا کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک ہوئے تھے تو شعبہ نے کہا اللہ کی قسم! اس نے جھوٹ بولا ہے۔ واللہ! میں نے حکم سے مذاکرہ کیا تو ہم نے صفین میں سوائے حضرت خزیمہ کے کسی بدری کو نہیں پایا۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ! شعبہ نے عجیب بات کہی ہے۔ کیا صفین میں حضرت علیؑ تھے، کیا حضرت عمارؓ صفین میں تھے؟ (میزان الاعتدال، صفحہ ۳۷، جلد ۱) نیز حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ شعبہ یا وجود ابراہیم سے بڑا ہونے کے ابراہیم سے روایت لیتے تھے۔ (تہذیب التہذیب، صفحہ ۱۳۳، جلد ۱) جب خود ان سے روایت لیتے ہیں تو معلوم ہوا کہ انہوں نے جرح سے رجوع کر لیا تھا۔ ویسے مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی نے پہلے طبقہ کے تشددین میں شعبہ کو شمار کیا ہے۔ (دیکھئے الرفع السلسل، صفحہ ۳۰۶) تو جب شعبہ تشدد ہیں تو ان کی جرح اصول کے مطابق معتبر ہی نہیں۔ پھر ذہبی کے ذکر کردہ الفاظ میں غور کیا جائے تو ابراہیم بن عثمان حکم کے واسطے سے ابن ابی لیلیٰ کا قول ستر بدریوں کے صفین میں شریک ہونے کا نقل کرتا ہے اور شعبہ حکم سے اپنے مذاکرہ کا ذکر کرتا ہے تو اس میں ابراہیم بن عثمان کی تکذیب کا کوئی پہلو نہیں کیونکہ حکم نے ابراہیم سے ابن ابی لیلیٰ کا قول ذکر کیا اور شعبہ کے سامنے اپنی رائے کا نظارہ کر دیا۔ اس میں کوئی تضاد نہیں

نماز تراویح اور غیر مقلدین

برادران اسلام! اللہ رب العزت نے جس طرح جسمانی اور مادی چیزوں کے موسم رکھے ہیں، موسم میں ہر ایک چیز سستی اور آسانی سے مل جاتی ہے اسی طرح روحانی موسم بھی رکھے ہیں جن میں روحانی اور ایمانی جلاء سستی اور آسانی سے مل جاتی ہے۔ انہی روحانی موسموں میں ایک موسم رمضان المبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر دیتے ہیں۔ (کنز العمال، صفحہ ۲۳، جلد ۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں یہ نسبت غیر رمضان کے بڑھ جاتی تھی۔ (بیہقی) نیز فرماتی ہیں کہ رمضان المبارک میں آپ ﷺ خود کمربست ہو جاتے، جب تک رمضان گزر نہ جاتا آپ بستر پر نہ آتے۔ (شعب الایمان بیہقی) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان کی نماز غیر رمضان سے بڑھ جاتی تھی۔

تعداد تراویح

۱۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رات اور وتر پڑھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۴، جلد ۲) یہ حدیث تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح ہے۔

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات رمضان میں نفل پھر لوگوں کو چوبیس رکعت (مع ۳ فرض) پڑھائیں اور تین وتر پڑھے۔ (تاریخ

کہ ابراہیم کی تکذیب کی جائے۔ ہاں اگر حکم یہ کہتے کہ میں نے ابراہیم سے ستر بدریوں کی شرکت والا قول ذکر نہیں کیا تو بات قابل غور تھی مگر اس صورت میں بھی احتمال رہتا ہے کہ بعض اوقات استاذ شاگرد سے ایک بات بیان کر کے اس کو بھول جاتا ہے اور شاگرد کو وہ بات یاد رہتی ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:..... ان نسیان الراوی للحدیث الذی رواہ لا یقدح فی صحته عند جماہیر العلماء بل یجب العمل بہ یعنی راوی کا ایک روایت کو نفل کر کے بھول جانا اس روایت کی صحت میں عند الجہو رقادح نہیں بلکہ اس پر عمل واجب ہے۔

(نووی بر مسلم، صفحہ ۲۳، جلد ۲)

حاصل یہ کہ:..... ابراہیم پر صرف شعبہ کی جرح مفسر تھی تمام جارحین شعبہ کے تابع ہیں اور وہ جرح شتم ہو گئی۔ تو معلوم ہوا کہ میں رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم نصیب فرما کر "سنت" پر تاحیات عمل کرنے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین!

رکعت پڑھتے پایا ہے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۳ جلد ۲)

۱۹۔ حضرت ابراہیم خنی متوفی ۹۶ھ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام لوگوں (صحابہ و

تابعین) کو رمضان میں بیس تراویح پڑھتے پایا ہے۔ (کتاب الاثار لابن یوسف، صفحہ ۴۱)

۲۰۔ شہیر بن مشکل جو حضرت علیؑ کے شاگرد تھے، لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت اور

تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ اس سند میں عظیم قوت ہے۔ (بیہقی سنن کبریٰ، صفحہ ۴۹۶)

۲۱۔ حضرت ابوالخیر (متوفی ۸۳ھ) بھی حضرت علیؑ کے شاگرد ہیں (پانچ ترویحے

۲۰ رکعت) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۳ جلد ۲)

۲۲۔ ابوالنضیب فرماتے ہیں کہ سید بن غفلہ (متوفی ۸۰ھ) بیس رمضان میں پانچ

ترویحے یعنی بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے۔ (بخاری، صفحہ ۳۹۶ جلد ۲)

۲۳۔ نافع بن عمر فرماتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ (متوفی ۱۱۷ھ) بیس رمضان میں بیس

رکعت پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۳ جلد ۲)

۲۴۔ سعید بن سعید فرماتے ہیں کہ علی بن ربیعہ لوگوں کو رمضان میں پانچ ترویحے اور تین

وتر پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۳ جلد ۲)

۲۵، ۲۶، ۲۷۔ عبد الرحمن بن ابی بکر اور سعید بن ابی الحسن اور عمران العبیدی (یہ تینوں

حضرت علیؑ کے شاگرد ہیں) جامع مسجد (بصرہ) میں پانچ ترویحے پڑھاتے تھے۔

(قیام اللیل مروزی، صفحہ ۱۵۸)

۲۸۔ محدث ابوالخلیق فرماتے ہیں کہ حضرت حارثہ رمضان میں رات کے وقت لوگوں کو

بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۳ جلد ۲)

۲۹، ۳۰۔ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے تمام مستون میں بیس رکعت تراویح کو سنت

کہا گیا ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ کے ہاں بیس تراویح ۱۶ نفل کل ۳۶ رکعات ہیں۔

خلاصہ کلام!

یہ ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں کوئی شخص بیس رکعت سے کم کا

نفل نہیں تھا۔ امام مالکؒ سے ۳۶، ۳۷ یا ۳۸ لیس کی روایات منقول ہیں، مگر ان میں بھی

۱۶ نفل تراویح نہیں ہی رہی ہے کیونکہ اہل مکہ ہر چار رکعت پر ایک طواف کر لیتے تھے۔ اہل مدینہ

اس مناسبت سے محروم تھے تو انہوں نے ہر چار رکعت کے بعد چار نفل شروع کر دینے تو (۲۰ +

۱۶ = ۳۶) رکعت ہوئیں اور بعض نے تین وٹروں کو ملا کر ۳۹ رکعت کا ذکر کر دیا اور بعض نے

۴۰ کے بعد کے دو نفل ملا کر ۴۱ رکعت کا ذکر کر دیا۔ اسی کی طرف بداية المصنہدین میں

ابن رشد مالکی نے اشارہ کیا ہے۔ امام شافعی بھی فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے ہوش

سنبھالا ہے مکہ میں بیس تراویح کی جماعت دیکھتا ہوں اور یہی مجھے محبوب تر ہیں۔ (قیام

اللیل، صفحہ ۱۵۹) اور امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی اٹھنی میں بیس تراویح کا نفل کیا ہے۔

(ص ۸۰۳ جلد ۱)۔ اس کے بعد ائمہ اربعہ کا مسلک پورے عالم میں پھیل گیا اور مشرق و

مغرب میں بیس رکعت پڑھی پڑھائی جاتی رہی۔ ان کو کسی نے بدعت نہیں کہا یہاں تک کہ

۱۲۹۰ء میں ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی حرمت کا رسالہ الاقتصاد لکھ کر انعام

نہی جاگیر اور اپنی جماعت کے لئے "اہل حدیث" کا نام الاٹ کرانے والے محمد حسین شاہوی

نے یہ فتویٰ دیا کہ بیس رکعت تراویح کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں اور حضرت عمرؓ کا اور دیگر

صحابہ کا میں کا نفل بھی ضعیف حدیثوں پر مبنی ہے۔ جس نے بیس رکعت پڑھی اس کی گیارہ

رکعت مستنون اسی طرح نہیں ہوئیں جیسے مغرب چار رکعت پڑھنے والے کی تین رکعت اور

بیس ہوتیں، کیونکہ نماز میں خاص بیت اور صورت کو دخل ہے۔ (مجلس فتاویٰ مولوی محمد حسین

مندرہ رسالہ تراویح، صفحہ ۲۱) اس کی تردید میں میاں نذیر حسین کے شاگرد مولوی غلام رسول

کامہ میرٹھکے والے غیر مقلد نے "بیان صحیح" نامی رسالہ تحریر کیا اور لکھا کہ محمد حسین نے ابن ابی شیبہ

کی حدیث کو ضعیف مانا ہے اور موضوع نہیں کہا اور حدیث ضعیف پر فضائل میں عمل کا جائز ہونا ائمہ اسلام کا اتفاقی مسئلہ ہے بلکہ حدیث ضعیف "تعد و طروق" سے درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

"لمعات" میں ہے کہ جب حدیث ضعیف تعد و طروق کی وجہ سے "حسن" کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے وہ بھی قابل استدلال ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے، نہ اس کے علاوہ اس سے مراد مفرد حدیث ضعیف ہے نہ طروق متحدہ کے مجموعہ والی کیونکہ وہ تعد و طروق کی وجہ سے حسن ہے نہ ضعیف، اس بات کی ائمہ نے تصریح کی ہے۔ (بیان صحیح مترجم، صفحہ ۲۲، ۲۳ اور آگے فرماتے ہیں کہ ان احادیث کی حالت یہ ہے کہ صحابہ کرام کی دوسری فعلی احادیث صحیحہ سے انہوں نے قوت حاصل کر لی ہے۔) (ایضاً)

محمد حسین بن مالوی نے کہا تھا کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و قول کی محبت ہوگی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر چلے گا اور جس کو اپنے بزرگوں اور مشائخوں کی زیادہ محبت ہوگی وہ اپنے بزرگوں کے قول و فعل پر چلے گا۔ (بیان صحیح، صفحہ ۲۶، ۲۷)

جواب میں مولوی غلام رسول لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ: "تم میں سے ہرگز کوئی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اس کو اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں" کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ محبت کی علامت یہی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلفائے راشدین کی بھی اتباع کریں اور سید خلفاء کو مشیوٹی سے اور ازموں سے پکڑنے والی حدیث نبوی کو ہم اپنا نصب العین بنائیں۔ (بیان صحیح، صفحہ ۲۷)

اور پھر فرماتے ہیں کہ ہمارا استدلال اس بارہ میں اولاً احادیث نبویہ اور ثانیاً صحابہ تابعین اور ائمہ اربعہ کا فضل ہے اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مسلمانوں کے سوا اعلیٰ عظم کا مشرق و مغرب میں عمل یہی ہے کہ وہ ۲۳ رکعت پڑھتے ہیں بخلاف

اس عالمی ملتگی کے جو اس کو بدعت اور خلاف سنت کہتا ہے اور شرقی حد سے تجاوز والا راستہ اختیار کرتا ہے۔ (بیان صحیح، صفحہ ۲۸)

مسئلہ غیر مقلدین:

عام آدمی اس بارہ میں یہ سمجھتے ہیں کہ غیر مقلدین نفس تراویح کے قائل ہیں، مجھ کو صرف آٹھ یا تین رکعت کا ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ غیر مقلدین زمانہ حال تراویح کے مستقل نماز ماننے کے قائل نہیں۔ چنانچہ صادق سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں: نماز تراویح اور تہجد (رات کی نماز) دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور رات کی نماز غیر رمضان میں جب سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے تو تہجد کہلاتی اور اگر رمضان میں سونے سے قبل عشاء کے ساتھ پڑھ لی جائے تو اس کو تراویح کہتے ہیں۔ رمضان شریف میں روزہ کے سبب چنانچہ طہارح ضعیف اور مستعمل ہی ہو جاتی ہیں اور اظہاری اور سیری کے بعد سونے اور پھر آدمی رات گئے بیدار ہو کر تہجد کے لئے طویل قیام کرنا بہت مشکل ہے اس لئے نبی رحمت ﷺ نے رات کی نماز (تہجد) کو رمضان شریف میں عشاء کے ساتھ ہی پڑھ کر لوگوں کے لئے سہولت اور آسانی پیدا کی تاکہ وہ تراویح کے بعد پوری طرح آرام کی نیند سوسیں اور پھر صبح صادق سے کچھ پہلے اٹھ کر سحری کھا کر روزہ کے لئے تازہ دم ہو جائیں۔ (مسائل الرسول، صفحہ ۳۷)

یہی وجہ ہے کہ مسئلہ تراویح پر یہ لوگ حضرت عائشہؓ کی تہجد والی حدیث جو پورے سال کی نماز تہجد سے متعلق ہے استدلال میں پیش کرتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں تہجد کے بعد تراویح پڑھنا درست نہیں حالانکہ تہجد اور تراویح میں کئی طرح سے فرق ہے:

- ۱۔ تہجد کا ذکر قرآن میں ہے، تراویح کا صرف حدیث پاک میں ہے۔
- ۲۔ تہجد سارے سال کی نماز ہے، تراویح رمضان کے ساتھ خاص ہے۔
- ۳۔ تہجد کا اصل وقت آخر رات ہے، تراویح کا اصل وقت عشاء کے متصل ہے۔

۴۔ تراویح میں جماعت بالاتفاق مسنون ہے، تہجد میں جماعت نہیں۔

۵۔ تراویح میں ختم قرآن سنت ہے نہ تہجد میں۔

۶۔ تراویح کی تین رات جماعت کرانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا مجھے خطرہ ہے کہ یہ نماز فرض نہ ہو جائے حالانکہ تہجد فرض رہنے کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی۔ اس کے فرض ہونے کا احتمال نہیں تھا۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں حضرت انسؓ کو غیرہ کو نماز پڑھانے کے بعد بقول حضرت انسؓ فصلی صلوة لا یصلیہا عندنا کہ آپ ﷺ نے وہ نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ نہیں پڑھی تھی۔ (مسلم، صفحہ ۵۳۲) اسی طرح قیس بن طلق فرماتے ہیں کہ حضرت طلق بن علیؓ رمضان میں ایک دن ۱۴ رات سے پاس تشریف لائے، شام ہمارے پاس ہو گئی اور انہوں نے افطاری کی، پھر اس رات انہوں نے ہمیں تراویح اور وتر پڑھانے، پھر اپنی مسجد میں جا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ (ابوداؤد، صفحہ ۲۰۳ جلد ۱) اسی طرح امام مالکؓ مسجد میں لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھتے، وتر گھر میں نکلنے کے بعد پڑھتے۔ ابومحمد اور ابو الحسن زیات، وتر تراویح کے بعد پڑھ لیتے پھر تہجد کے ساتھ دوبارہ وتر پڑھتے۔

(المدخل لابن الحاج، صفحہ ۲۹۹ جلد ۲)

۸۔ تمام محدثین نے تہجد کے ابواب علیحدہ اور تراویح کے علیحدہ باندھے ہیں، اسی طرح فقہاء نے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

۹۔ بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ساری رات جاگتے اور گھروالیوں کو بھی جاگاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین راتوں میں جماعت کرائی۔ پہلی رات تہائی رات اور دوسری رات نصف رات تک نماز پڑھائی اور باقی رات بیداری کی صورت بھی نماز ہے۔ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک

۱۰۔ تراویح سے بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ثابت ہوا۔ (بخاری، صفحہ ۳ جلد ۱)

۱۱۔ محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل صفحہ ۷۷ پر "باب التعقیب" میں تعقیب کا خوب سے معنی بیان کیا ہے کہ لوگوں کا مسجد سے جانے کے بعد دوبارہ مسجد میں آنا، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین میں تراویح کے بعد مسجد میں آ کر تہجد میں اختلاف تھا کہ تہجد مسجد میں پڑھے یا نہیں، نفس تہجد میں اختلاف نہیں تھا۔

۱۲۔ امام ابو حنیفہؒ خیرات الحسان، امام شافعیؒ طبقات شافعیہ وغیرہ، میاں نذیر حسین امیاء بعد المسات صفحہ ۱۳۸ بھی رمضان میں تہجد پڑھا کرتے تھے۔

(امام بخاری ہدی الساری، صفحہ ۲۵۳ جلد ۱)

ضررین شریفین:

غیر مقلدین اکثر حرمین شریفین کا نام لیا کرتے ہیں تو یاد رکھیں کہ مسجد حرام میں حضرت عمرؓ کے دور سے آج تک تیس رکعت کی جماعت ہو رہی ہے اور مسجد نبویؐ علی صاحبہا السلوٰۃ والسلام میں سوائے امام مالکؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کے ہمیشہ تین رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ صرف ان ایام میں ۳۶ کی جماعت ہوتی تھی جن میں تراویح تیس ہی ہوتی تھیں یہاں کہ پہلے گزرا آٹھ رکعت تراویح سے حرمین شریفین نا آشنا ہیں۔

فائدہ:

مدینہ سے شیخ عیوب محمد سالم نے التروایح اکثر من الف عام فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم شائع کی ہے جس میں ہر صدی کا عمل ذکر کیا ہے اور آٹھ کا ذکر تک نہیں۔ اسی طرح جامعہ ام القویٰ مکہ کے استاذ شیخ محمد علی صابونی نے الہدی النبوی الصحیح فی صلوة التروایح ۱۴۰۳ھ میں لکھی، جس میں لکھا ہے کہ آٹھ کا شور مہانے والے امت میں تفریق پیدا کر رہے ہیں۔ (صفحہ ۳۳) اور تیس رکعت کو مشرق و مغرب

میں پھیلنے والا عمل قرار دیا اور فرمایا کہ یہی وہ مسلک حق ہے جس پر نصوص کریمہ دلالت کر رہی ہیں۔ یہی اسلاف کا عمل ہے اور ائمہ کا اس پر اجماع ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور سے آج تک اُمت اس پر متفق رہی ہے اور ہمیں رکعت سنت کے خلاف نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم علیکم بسنی و سنت الخلفاء الراشدين کی اتباع ہے بلکہ اس میں اتحاد بین المسلمین کی دعوت ہے۔ (صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴)

اس کے مقدمہ میں عبداللہ بن ابراہیم انصاری نے "منکرین ہیں" کے قول کو قول یاطل اور اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور کرنے والا اور ایت اللہیٰ ینہی عبداً ادا صلی کا مصداق قرار دیا ہے۔ (صفحہ ۱۱)

تو فکر کرنی چاہئے کہ حرم شریف والے تو اس آیت کے مصداق البوجہل وغیرہ کے ساتھ ان کی نسبت بتاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم حرم والے ہیں۔

وکل یدعی حياً للیلی و لیلی لا تفر لہم ہذاک

یہ رسالہ ۱۴۰۳ھ میں شائع ہوا۔ آج تک کسی غیر مقلد نے اس کی تردید میں کچھ نہیں لکھا۔ اللہ تعالیٰ اُمت کے انتشار کو دور کر کے سلف صالحین کے مسلک پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

تذکرات عمیدین

برادران اسلام اہل سنت و الجماعت اللہ تعالیٰ نے عید کے دن کو خوشی کا دن بنا دیا ہے۔ اس کو عید کہا ہی اس لئے جاتا ہے کہ یہ دن زندگی میں بار بار آئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یوم الفطر یوم الجوانز۔ یعنی عید الفطر کا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات ملنے کا دن ہے۔ مگر لاندہب فرقہ جس طرح وضو، نماز، رمضان میں تراویح، نماز ہفت روزہ پر اُمت میں اختلاف ڈالتا ہے۔ اسی طرح اس خوشی کے دن میں بھی مسلمانوں کا اتفاق و اتحاد اس فرقہ کو ایک سیکٹہ کے لئے بھی پسند نہیں۔ حضور ﷺ نے اس دن اجتماعیت کو پسند فرمایا۔ ہمیشہ آپ ﷺ نے عید جماعت کے ساتھ پڑھائی۔ جماعت المؤمنین میں شامل ہونے کا حکم دیا مگر انہوں نے اس اجتماعیت کو ختم کرنے کے لئے فتویٰ جاری کر دیا کہ اکیلا آدمی بھی عید پڑھ سکتا ہے۔ (الروضۃ الندیہ صفحہ ۱۴۲ عرف الجادی صفحہ ۲۴۲) حالانکہ اکیلا عید کی نماز حضور ﷺ سے قوالا ثابت ہے۔ نفعاً نہ تقریراً۔

تذکرات عمیدین:

اسی طرح اس علاقے میں جب سے اسلام آیا اس وقت سے متواتر عیدیں چھ روزانہ تکبیروں سے پڑھی جاتی تھیں مگر ان لوگوں نے اس کو بھی محل نزاع بنا لیا اور فتویٰ دیا کہ عیدین کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھنی سنت ہے۔ (فتاویٰ مولوی محمد یونس دہلوی، بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث صفحہ ۱۸۸، جلد ۳) نیز انہی مولوی صاحب نے لکھا کہ "چھ تکبیروں والی روایت سنداً سخت ضعیف ہے اور مدعی پر غیر وال ہے اس لئے قابل عمل نہیں ہے۔ تکبیر تحریرہ کے علاوہ بارہ تکبیریں ہونی چاہئیں (فتاویٰ علمائے حدیث صفحہ ۱۸۸، جلد ۳) مولوی عبدالجبار کھنڈیلوی

نے "الاعتصام" میں لکھا کہ عیدین کی نماز بارہ تکبیرات کے ساتھ مسنون ہے اور چھ تکبیرات کا صحیح ثبوت نہیں، اس لئے الحمد للہ کے لئے عیدین میں احتاف کی اقتداء درست نہیں۔ (بحوالہ فتاویٰ سلفیہ، صفحہ ۷۳) جماعت غرباء الحمد للہ (جس کی بنیاد سنہ ۱۳۱۳ھ میں رکھی گئی، خطبہ امارت، صفحہ ۲۶) نے فتویٰ دیا کہ "عیدین کی تکبیریں شریعت محمدیہ میں بارہ ہیں اور نو بھی، بعض صحابہ سے ثابت ہیں۔ جیسا کہ جامع ترمذی سے ظاہر ہوتا ہے اور تیرہ بھی بعض وقت کئی ثابت ہیں، جیسا کہ مجمع الزوائد میں موجود ہے اور جو ماسوا ان کے ہیں وہ سب بدعت ہیں، کیونکہ بدعت اسی چیز کو کہتے ہیں کہ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں ثابت نہ ہو اور لوگ اس کو اپنی طرف سے شرعی حکم سمجھ کر عوام الناس میں مروج کریں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ جو آج کل لوگوں میں صلوات عیدین کی تکبیریں چھ مروج ہیں یہ بالکل بدعت اور سب گمراہی ہیں کیونکہ ان کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ، صفحہ ۱۳، جلد ۱) نیز لکھا کہ جو یہ چھ تکبیریں ہیں۔ یہ مذہبی تکبیر گھڑی گھڑائی ہے۔ خدا اور رسول کی طرف سے یہ حکم قطعی نہیں اور جو کوئی کہے کہ یہ حکم خدا اور رسول کا ہے تو وہ شخص بڑا کاذب بلکہ کذاب ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ، صفحہ ۱۳۸، جلد ۱)

بہر حال اس علاقے کے متواتر عمل کو انہوں نے بدعت اور گمراہی کہا اور تکبیروں میں اعلان ہونے شروع ہونے کہ جس نے سنت کے مطابق عید کی نماز پڑھتی ہے وہ ادھر آ جائیں، اسی طرح خوشی کا عید والا دن بھی لڑائی میں تبدیل ہو گیا اور انگریزوں کا اصول کہ لڑاؤ اور حکومت کرو کا میاب ہو گیا۔

نوٹ: فتاویٰ ستاریہ میں جو بعض صحابہ کے حوالے سے نو تکبیرات کا مسلک لکھا ہے یہ مسلک ہی ہمارا ہے کیونکہ اس میں چھ زائد تکبیریں ہیں اور ایک تکبیر تحریر اور دونوں رکوع کی دو تکبیریں ملا کر کل نو بنتی ہیں۔ مفتی صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ جن چیز کی تردید کر رہے ہیں اور ان کو بدعت اور گمراہی کہہ رہے ہیں وہی ان صحابہ کرام کا مسلک ہے۔ یہ تشریح آگے

روایات میں آجائے گی۔

بعض روایات میں چار چار کا ذکر ہے۔ وہاں بھی پہلی رکعت میں تکبیر تیرہ سمیت اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع سمیت چار چار مراد ہیں اور بعض میں ان کے نو نو آٹھ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

فتی، مدنی یا دہلوی:

آج کل یہ لوگ عوام کو گھبا کرتے ہیں کہ ہمارا دین مکہ مدینہ والا ہے اور خنیوں کے ہاں کو فہ والادین ہے۔ آپ نے اوپر محمد یونس دہلوی کا فتویٰ پڑھ لیا ہے کہ تکبیر تحریر کے علاوہ بارہ تکبیریں ہونی چاہئیں۔ مکہ اور مدینہ میں آج کل حنبلیوں کی حکومت ہے جو تکبیر تحریر سمیت بارہ تکبیروں کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک پہلی رکعت چھ زائد تکبیریں قال مالک و احمد ست فی الاولی و خمس فی الثانیہ (رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ ۶۲) یعنی امام مالک اور امام احمد پہلی رکعت میں چھ اور دوسری میں پانچ تکبیرات زائد کے قائل ہیں۔ پھر چھ مستحب تکبیریں کہے۔ (کتاب الفقہ ترجمہ الفقہ علی المذہب الاربعہ، ص ۵۵۲، صفحہ ۵۵۲، جلد ۱) اسی طرح ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں تحریر سمیت کہے۔ (المغنی، صفحہ ۲۳۸، جلد ۲) اسی طرح ابو الفرج حنبلی فرماتے ہیں پہلی رکعت میں چھ تکبیریں تحریر کے بغیر کہے۔ (الشرح الکبیر مع المغنی، صفحہ ۲۳۸، جلد ۲)

نوٹ: بعض غیر مقلدین نے آج کل یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہم تکبیر تحریر سمیت سات تکبیروں کے قائل ہیں۔ لہذا ہمارا مسلک مکہ مدینہ والوں کا ہے۔ جو با عرض ہے کہ عوام کو یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کی بات نہیں مانتے اس لئے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ زائد چھ تکبیریں تکبیر تحریر کے علاوہ ہیں اور ایسا یہ ہرگز نہیں کر سکتے، تو معلوم ہوا کہ یہ فقہاء کے اجتہادی مسائل چوری کر کے سنت نبویہ کا لیل لگاتے ہیں۔ بہر حال مکہ مدینہ والے جو چھ زائد تکبیریں تکبیر تحریر کے علاوہ کہتے

ہیں وہ امام احمد بن حنبل کے اجتہاد کی وجہ سے کہتے ہیں اور اس مسئلہ بوقتہ منہلی کا مسئلہ کہتے ہیں۔
کہ فقہ حنفی کا اور یہ غیر مقلد اس کو فقہ محمدیہ کا مسئلہ بنا کر عوام میں پھیلاتے ہیں تو ان کی تکبیروں
اور اہل حرمین کی تکبیروں میں سچ اور جھوٹ کا فرق ہو گیا، اور اگر یہ امام احمد یا امام مالک کے
مقلد ہو جائیں جو ان کے ہاں شرک ہے تو بھی شرک کا ارتکاب کرنے کے باوجود ان کی
تکبیرات تقلیدی ہوں گی نہ کہ تحقیقی اور اگر یہ تقلید گوارا نہیں کرتے اور پھر کہتے ہیں کہ ہماری
تکبیرات مکہ مدینہ والی ہیں تو بھی یہ چور ثابت ہوں گے کہ فقہ حنفی کا ایک مسئلہ چوری کر کے
یہاں لے آئے اور چور کے بارہ میں قطعاً یہ حکم قرآنی ہے اور چوری کبیرہ گناہ ہے۔

علمائے حرمین اور انفرادی عید:

علمائے حرمین جو حنفی ہیں وہ انفرادی عید کو جائز نہیں سمجھتے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل
فرماتے ہیں کہ نماز عید کی شرائط میں سے وطن، تعداد اور اجازت امام ہے۔ (رحمۃ الامام
صفحہ ۶۲) تعداد سے مراد وہ تعداد ہے جو جمعہ کے لئے شرط ہے اور وہ چالیس آدمیوں کی تعداد
ہے۔ (رحمۃ الامام صفحہ ۵۸) اسی طرح ابن قدامہ حنفی لکھتے ہیں: وکذا لک العدد
المشترط للجمعة لانها صلاة عيد فان شئت الجمعة (المختصر، صفحہ ۲۵۳، جلد ۲) یعنی
اسی طرح عید کے لئے وہ تعداد شرط ہے جو جمعہ کے لئے شرط ہے کیونکہ جمعہ کو بھی عید کہا گیا ہے،
اسی لئے عید جمعہ کے مشابہ ہو گئی۔

لطیفہ: بندہ اوکا تو والا بنگلہ چنچہ وطنی کے علاقے میں جمعہ وعید پڑھاتا ہے۔
ایک دفعہ عید کے دن غیر مقلدین کی مسجد میں اعلان ہو رہا تھا کہ عید کی نماز ساڑھے آٹھ بجے
پڑھائی جائے گی۔ ایک عابی صاحب جو وہاں رہ کر آئے تھے مجھے کہنے لگے یہ جھوٹ پواتے
ہیں کہ ہم مکہ مدینہ والوں کے ساتھ ہیں کیونکہ وہاں سورج نکلنے کے بعد کوئی ہوٹل میں چائے
پینے چلا جائے تو اس کی عید کی نماز رہ جاتی ہے۔ یعنی وہ سورج کے تھوڑا سا بلند ہونے کے بعد
اشراق کا وقت ہوتے ہی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر یہ واقعی مکہ مدینہ والے ہیں تو

ان کو دم سے ایک دن پہلے روزہ رکھنا اور ایک دن پہلے عید کرنی چاہئے کیونکہ وہاں روزہ بھی
اس سے ایک دن پہلے ہوتا ہے اور عید بھی ایک دن پہلے ہوتی ہے، مگر یہ پوری عید وہاں سے
نکل لاتے یعنی ایسا نہیں کرتے کہ یہاں تیسواں روزہ ہو اور یہ لڑیں کہ سعودیہ میں عید ہو گئی
ہے، روزہ توڑ دو۔ عید کے دن شیطان کا روزہ ہوتا ہے۔ تم سب مکہ مدینہ کے منکر ہو وغیرہ۔
بلکہ خود بھی اس دن یہاں روزہ رکھتے ہیں اگر یہ ایسا کریں کہ اس دن روزہ رکھیں تو سب کے
ایک خادم حرمین نہیں بلکہ قہقہہ باز سمجھے جائیں گے۔ صرف یہاں کے لوگ ناراض نہیں ہوں
کہ بلکہ اہل حرمین بھی ناراض ہوں گے، تو جب "کھل" عید لانے والے خادم حرمین نہیں تو
ان کا جزو (تکبیرات) لانے والے کیسے مکہ مدینہ والے ہو سکتے ہیں۔؟

حقیقت حال: یہ ہے کہ جب یہ فقہ ہندوستان میں پیدا ہوا اس وقت عرب
میں نظیوں کی حکومت تھی اور یہاں انگریز کی اور مذہب حنفی کے مطابق چھوڑا تکبیروں کے
ساتھ بالاتفاق نماز عید پڑھی جاتی تھی لیکن انگریز کو یہ اتفاق زہر قاتل معلوم ہوتا تھا اس لئے
اس نے اس علاقے کے متواتر مسائل کے خلاف شاہ اقبال کو راج کر کے مسلمانوں کو لڑایا،
ان میں یہ تکبیرات عیدین والا مسئلہ بھی ہے اس لئے اگر یوں کہا جائے کہ بارہ تکبیرات محمدی
کس (کیونکہ ان روایات کی ترجیح کا فیصلہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں) نہ
اجتہادی ہیں (کیونکہ یہاں کے لاندہب کسی بہتہ کے قائل نہیں) بلکہ انگریزی ہیں تو حق بکن
اور سید کا صحیح مصداق ہوگا۔

اولیٰ احتیاف:

حضرت ابو ہریرہ کے ساتھی ابو عاصم فرماتے ہیں کہ سعید بن العاص نے ابو موسیٰ
حنفی اور حذیفہ بن یمان سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں
تکبیریں کیسے کہتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا جتنا زور پر تکبیروں کی طرح چار
تکبیریں (ہر رکعت میں) کہتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا ابو موسیٰ نے سچ کہا تو حضرت

ابو موسیٰ الاشعری نے فرمایا کہ میں بصرہ میں جب اہل بصرہ کا امیر تھا اسی طرح تکبیریں کہا کرتا تھا۔ ابو عانثہ فرماتے ہیں کہ میں سعید بن عاص کے پاس خود حاضر تھا۔ (ابوداؤد، صفحہ ۱۶۳) اس کی سند حسن ہے (آثار السنن، صفحہ ۳۱۴)

فائدہ:..... پہلی رکعت میں تکبیر تحریرہ سمیت اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع سمیت چار تکبیریں بنتی ہیں۔

۲..... ابو عبد الرحمن قاسم فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عید کے دن نماز پڑھائی تو چار چار تکبیریں کہیں پھر نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، بھول نہ جانا جنازے کی تکبیروں کی طرح ہیں اور اپنا انگوٹھا بند کر کے چار انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ (طحاوی، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲) یہ حدیث حسن الاسناد ہے۔ (طحاوی، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲)

۳..... حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ دور فاروقی میں جنازے کی تکبیروں میں اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم اصحاب رسول کا گروہ لوگوں پر اختلاف کرے گا تو تمہارے بعد لوگ بھی اختلاف کریں گے اور جب تم لوگ کسی چیز پر اتفاق کرو گے تو لوگ بھی اس پر متفق رہیں گے تو کوئی ایسی شئی دیکھو جس پر تمہارا اتفاق ہو جائے۔ گویا حضرت عمرؓ نے ان کو بیدار کر دیا تو صحابہ کرام نے کہا اے امیر المؤمنین! بہت اچھا جو آپ کی رائے ہو، آپ ہمیں اشارہ کر دیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا بلکہ تم مجھے مشورہ دو میں تمہارے جیسا انسان ہوں تو انہوں نے آپس میں جاؤ خیال کیا تو ان کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ جنازے کی تکبیریں عید الاضحیٰ اور عید النضر کی تکبیروں کی طرح چار ہوں تو اس پر ان کا اتفاق ہو گیا۔

(طحاوی، صفحہ ۳۱۹، جلد ۱) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں جنازہ کی تکبیروں سے پہلے عیدین کی تکبیروں کے چار ہونے میں اتفاق ہو چکا تھا۔ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ یہ ابراہیم نخعی کی مرسل ہے اور مرسل ابراہیم حجت ہیں۔ (اعلام السنن، صفحہ ۲۱۸، جلد ۸)

حضرت عامر شعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی رائے میں تکبیروں کے بارہ میں نو تکبیروں پر متفق ہو گئی تھی۔ پہلی رکعت میں پانچ (تکبیر تحریرہ) اور دوسری رکعت میں چار (تکبیر رکوع سمیت)۔

(طحاوی، صفحہ ۳۷۲، جلد ۲) حضرت محمول فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص (ابو عانثہ) نے خبر دی جو سعید بن

عاص کے پاس حاضر تھا کہ سعید بن العاص نے بیعت رضوان میں شریک ہونے والے چار صحابہ کرام کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے عید کی تکبیروں کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا آٹھ تکبیریں ہیں۔ محمول کہتے ہیں میں نے اس کا تذکرہ ابن سیرین سے کیا تو انہوں نے کہا کہ سچ کہا، مگر تکبیر تحریرہ سے غافل ہو گیا۔ یعنی تکبیر تحریرہ سمیت نو بنتی تھیں۔

(ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲) حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہم کو عیدین میں نو تکبیروں کی تعلیم دیتے تھے۔ پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری میں چار۔

(ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲) حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ کوفہ کے ایک امیر سعید بن عاص یا ولید بن عقبہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمان اور عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہم کی طرف پیغام بھیج کر کہا کہ یہ عید آگئی ہے تو تمہاری کیا رائے ہے.....؟ تو سب نے اپنا معاملہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے سپرد کیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا نو تکبیریں کہے، ایک تکبیر کے ساتھ نماز شروع کرے پھر تم تکبیریں کہے، پھر سورت پڑھے پھر اللہ اکبر کہے پھر رکوع کہے پھر کھڑا ہو کر سورت پڑھے پھر چار تکبیریں کہے۔ ان میں سے ایک کے ساتھ رکوع کہے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲) اس روایت میں نو کی تشریح ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا نو رکعت ہیں۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲)

- ۹..... عبداللہ بن الحارث فرماتے ہیں کہ ہمیں ابن عباس نے عید کے دن نماز پڑھائی تو نو تکبیریں کہیں۔ پانچ پہلی رکعت میں، چار دوسری رکعت میں۔ (ابن ابی شیبہ)
- ۱۰..... محمد بن سیرین حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ عیدین میں نو تکبیریں کہتے تھے، پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی مثل روایت نقل کی (ابن ابی شیبہ)
- ۱۱..... یوسف بن ماہک فرماتے تھے کہ ابن الزبیرؓ ہر رکعت میں برابر چار چار تکبیریں کہتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق، صفحہ ۲۹۱، جلد ۳) پہلی میں تحریر اور دوسری میں رکوع والی تکبیر سمیت۔
- ۱۲..... عبداللہ بن الحارث فرماتے ہیں کہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے بھی ابن عباسؓ کی طرح کیا۔ یعنی نو تکبیریں کہیں۔ (عبدالرزاق، صفحہ ۲۹۵، جلد ۳) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ کے مسلک کی مثل بہت سے صحابہؓ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ اہل کوفہ کا قول ہے اور اسی کے قائل سفیان ثوریؒ ہیں۔ (ترمذی، صفحہ ۱۲۰، جلد ۱)
- تا بعین عظام:
- ۱..... حضرت مسروقؒ اور حضرت اسودہؓ ان عیدوں میں نو تکبیریں کہا کرتے تھے۔ (طحاوی، صفحہ ۳۷۳، جلد ۲)
- ۲..... حضرت حسن البصریؒ نو تکبیریں کہتے تھے۔ پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں نماز والی تکبیروں کے ساتھ۔ (طحاوی، صفحہ ۳۷۳، جلد ۲)
- ۳..... حضرت ابراہیم نخعیؒ نو تکبیروں کے قائل تھے۔ (طحاوی)
- ۴..... امام شعبیؒ فرماتے تھے، تین تین تکبیریں ہیں سوائے نماز کی تکبیروں کے۔ (ایضاً، طحاوی)
- ۵..... محمد بن سیرینؒ کا قول عیدین کی تکبیروں کے بارہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کی مثل تھا۔ (ایضاً)
- ۶..... حضرت سعید بن المسیبؒ نو تکبیروں کے قائل تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، صفحہ ۲۷۷، جلد ۲)
- ۷..... ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد عید میں نو تکبیریں

کہتے تھے۔

۸..... امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ (طحاوی، صفحہ ۳۷۳، جلد ۲)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ بقیہ تمام نمازیں ان تکبیرات سے خالی ہیں اور عیدین کی تکبیروں میں اختلاف ہے تو نظر و فکر کا تقاضا یہ ہے کہ عیدین میں صرف اتنی تکبیروں کی زیادتی کی جائے جو اتفاقاً ہے اور وہ یہی تین زائد تکبیروں کی زیادتی ہے۔ لہذا اس مسلک کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

فائدہ:..... آج کل ان کی ایک نئی جماعت "تحریک محمدی" نے جنم لیا ہے۔ انہوں

نے بالکل زائد تکبیروں کا انکار کر دیا ہے کہ صرف دو رکعتیں بغیر زائد تکبیروں کے پڑھے۔ انہوں نے ایک دو ورق سوال جواب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ تکبیرات والا حصہ ملاحظہ فرمائیں:..... سائل: السلام علیکم! عبداللہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کہنے کیا حال ہیں آپ کے؟ سائل: الحمد للہ سب خیر و عافیت ہے۔ عبداللہ، سنائیں کیسے آ رہا ہے آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ سائل: میں نہیں کراچی سے آیا ہوں۔ مجھے پتہ چلا کہ آپ کے ہاں عید کی نماز بغیر زائد ۱۲ یا ۶ تکبیرات کے پڑھی جاتی ہے۔ کیا ۱۲ یا ۶ تکبیرات عیدین کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں؟ عبداللہ، تکبیرات عیدین کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، پھر ابو داؤد کی عمرو بن شعیب کی بارہ تکبیرات والی روایت کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے راوی عمرو بن شعیب کو مندرجہ ذیل اسماں رجال کے ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔

۱..... وقال الأجرى قلت لابی داؤد و عمرو بن شعیب عندک حجة

قال لا ولا نصف حجة (تہذیب الحدیث، صفحہ ۴۳، جلد ۸، میزان الاحوال، صفحہ ۴۶۳، جلد ۳)

۲..... وقال علی بن المدینی عن یحییٰ بن سعید حدیثہ عندنا و ۵۱.

(تہذیب الحدیث، صفحہ ۴۳، جلد ۸، میزان الاحوال، صفحہ ۲۶۵، جلد ۳)

۳..... وقال ابن ابی خیشمۃ عن ابن عمیر لیس بذاک

(تہذیب الحدیث، صفحہ ۴۳، جلد ۸)

۴: وقال ابن حبان ذكره في الضعفاء (ميزان الاعتدال، صفحہ ۲۶، جلد ۲)
 ۵: امام بخاری نے خود عمر و ابن شعیب کو ضعیف میں ذکر کیا ہے۔ (الدرع السیر، صفحہ ۲۷)
 ۶: وقال ابو زرہ: وانما انكروا رواية عن ابيه عن جده (تہذیب
 التہذیب، صفحہ ۲۲) اس کے علاوہ آپ نے امام ترمذی کی کثیر بن عبد اللہ والی روایت کو اس
 باب میں سب سے اچھی کہا ہے تو اس میں کثیر بن عبد اللہ ضعیف ہے۔ قال ابن معین لیس
 بشی وقال الشافعی و ابو داؤد رکن من ارکان الکذب وقال الدار قطنی
 وغیرہ متروک وقال ابو حاتم لیس بالمعین وقال النسائی لیس بثقة.

(ميزان الاعتدال، صفحہ ۳۰، جلد ۳)

سائل، اگر مذکورہ بالا احادیث ضعیف ہیں تو اس حدیث مبارکہ کو علماء کرام صحیح کہتے
 ہیں۔ جو یہ ہے کہ ابن سرح ابن وہب، ابن لہیعہ، خالد، ابن شہاب، عمرو، عاتشہ کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہتے تھے اور دوسری
 رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے۔ (ابوداؤد، صفحہ ۳۳، جلد ۱) عبد اللہ اس حدیث میں عبد اللہ بن
 لہیعہ راوی ضعیف ہے۔ اس کے بارے میں قال ابن معین ضعیف لایحتاج بہ ہے۔
 (ميزان الاعتدال، صفحہ ۲۷، جلد ۲) اس کے علاوہ اس حدیث کے نیچے "ف" علامہ وحید
 الزمان نے بھی اس کو ضعیف بسبب ابن لہیعہ لکھا ہے۔ سائل، اگر کوئی حدیث صحیح تکبیرات
 عیدین یعنی ۱۲ یا ۶ کی نہیں ملتی تو پھر سب علماء کیوں اس عمل کو کرتے ہیں اور عوام بھی کرتے
 ہیں؟ عبد اللہ، علماء چونکہ شروع سے کرتے آ رہے ہیں اگر اب اس عمل کو ترک کرتے ہیں تو
 ان کی توہین ہے کہ لوگ کہیں گے کہ مولوی صاحب! اتنی عمر آپ بے علم تھے کہ یہ غیر ثابت
 شدہ کام کرتے رہے۔ رہا معاملہ عوام کا تو وہ علم ہو جانے کے باوجود یہود و نصاریٰ کے طریقہ
 پر چل پڑے کہ اللہ فرماتا ہے: اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ
 (التوبہ) انہوں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا

ہے۔ گویا جو مولوی و رویش حلال کہتے ہیں وہ با دلیل اسے حلال جانتے اور جو حرام کہتے اسے
 حرام جانتے۔ (یضات عید الاضحیٰ، مصنف ڈاکٹر عبدالجبار تحریک محمدی، صفحہ ۱۱) لیکن اگر غرباء
 اللہیت والوں نے چھ تکبیروں کو بدعت اور گمراہی کہا تھا تو یہ ڈاکٹر صاحب ان کے مولویوں کو یہود
 کے اخبار و رہبان اور پوری جماعت کو یہودی اور نصرانی کہہ رہے ہیں۔ اولیاء اللہ کی توہین کا یہ دنیوی
 انتقام ہے۔ ولعذاب الآخرة اکبر لو كانوا يعلمون کاش ایہ جماعت آج بھی اپنے اس
 رویے سے باز آجائے۔ واللہ الموفق

فائدہ: قارئین کرام! گزشتہ مضمون سے یہ بخوبی اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ
 میر مقلدین شاذ اور متروک روایات کو اس علاقہ میں رواج دینا چاہتے ہیں اور جو روایات
 علاقہ کے عمل کے موافق ہیں ان کو چھپانا چاہتے ہیں، اگر عوام کے سامنے ان کا اظہار کر دیا
 جائے تو فوراً کہیں گے یہ ضعیف ہے۔ تو یاد رکھیں کہ بات ہمیشہ دلیل سے ہونی چاہئے اور غیر
 مقلدین کے ہاں دلیل صرف قول خدا یا قول مصطفیٰ علیہ السلام ہے اس لئے اگر وہ کسی حدیث
 کو صحیح کہیں تو بھی صحت قرآن و حدیث سے ثابت کریں اور اگر کسی حدیث کو ضعیف کہنا ہو تو
 اس کا ضعف بھی قرآن و حدیث سے ثابت کریں، امتیوں کے اقوال پیش کر کے مشرک نہ
 بنیں اور اپنا قیاس کر کے شیطان نہ بنیں۔ ہمارے ہاں اجماع اور قیاس بھی حجت ہیں، تو جس
 حدیث پر ائمہ اربعہ عمل کریں تو ہم اس کو دلیل اجماع سے صحیح تسلیم کریں گے اور اگر کسی حدیث
 کو ائمہ اربعہ ترک کر دیں تو ہم اجماع سے اس حدیث کو غیر مقبول کہیں گے اور اگر بعض ائمہ
 نے اس کو لیا اور بعض نے چھوڑ دیا تو ہم اس وقت اپنے امام صاحب کے عمل سے فیصلہ کریں
 گے، اگر انہوں نے اس حدیث کو ترک کر دیا تو ہم بھی ترک کر دیں گے اور اگر انہوں نے عمل
 کیا تو ہم بھی اس پر عمل کریں گے۔ اس وقت ہم کسی دوسرے مجتہد کا قول بھی نہیں مانیں گے
 چہ جائیکہ امتیوں اور مقلدوں کے صحت و ضعف کے اقوال۔

فائدہ: قارئین کو یہ بھی متنب کیا جاتا ہے کہ جس طرح یہ لوگ حدیث پوری

بیان نہیں کرتے اسی طرح یہ فقہ کا مسئلہ بھی پورا بیان نہیں کرتے بلکہ اکثر فقہ کی کتابوں کا نام لے کر عوام کو جاننا بتانے کے لئے جھوٹ بھی بولتے ہیں۔

مسئلہ تکبیرات کے متعلق جھوٹ:

۱۔ ۲۔ نماز سعیدین کی بارہ تکبیروں کی حدیث صحیح ہے۔ (ہدایہ، صفحہ ۶۶۶، جلد ۱، شرح وقایہ، صفحہ ۱۵۱، حقیقۃ الفقہ، صفحہ ۲۰۲)

۳۔ ۴۔ سعیدین کی چھ تکبیروں کی بابت ابن مسعود کا قول ہے۔ (ہدایہ، صفحہ ۶۶۵، جلد ۱، شرح وقایہ، صفحہ ۱۵۳، حقیقۃ الفقہ، صفحہ ۲۰۲)

قارئین کرام! ان دو سطروں میں یوسف جے پوری نے سفید نہیں سیاہ جھوٹ بولے ہیں۔ یہ دونوں باتیں نہ ہدایہ میں ہیں نہ شرح وقایہ میں۔ وقایہ کی عبارت یہ ہے۔

بصلی بہم یکبر الاحرام ثم یکبر ثلاثا ويقراء الفاتحة و سورة ثم یوکیع مکیوا وفي الثانية یبده بالقراءة ثم یکبر ثلاثا واخری للوکیع (شرح وقایہ، صفحہ ۱۹۳، جلد ۱) یعنی امام لوگوں کو سعیدین کی نماز پڑھائے، تکبیر تحریمہ سے، پھر تین تکبیریں کہے اور فاتحہ اور سورہ پڑھے، پھر تکبیر کہتا ہو اور کوک کرے اور دوسری رکعت میں قراءۃ سے ابتدا کرے، پھر تین تکبیریں کہے اور ایک دوسری رکوع کے لئے۔

قارئین کرام! آپ نے اصل عبارت اور ترجمہ دیکھ لیا۔ اس میں کہیں بارہ تکبیرات والی روایت کا ذکر نہیں ہے چنانچہ اس کو صحیح کہا ہو اور نہ ہی چھ تکبیرات کو ابن مسعود کی طرف منسوب کیا ہے اور ہدایہ کے متن میں ہے: ویصلی الامام بالناس رکعتین یکبر فی الاولى للافتاح وثلاثا بعدها ثم یقرء الفاتحة و سورة ویکبر تکبیرة یوکیع بہائم یبندی فی الرکعة الثانية بالقراءة ثم یکبر ثلاثا بعدها ویکبر وابعده یوکیع بہا (ہدایہ، صفحہ ۱۵۳، جلد ۱) یعنی امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے، پہلی رکعت میں شروع کی تکبیر کہے اور اس کے بعد تین تکبیریں کہے، پھر فاتحہ اور سورہ پڑھے اور ایک تکبیر کہے۔

۱۔ اس کے ساتھ رکوع کرے، پھر دوسری رکعت میں ابتدا قراءۃ سے کرے، پھر اس کے بعد تین تکبیریں کہے اور پچوٹی تکبیر کے ساتھ رکوع کرے۔ شرح میں لکھا کہ یہ ابن مسعود کا قول اور ہمارا قول ہے اور پھر حضرت ابن عباس کے قول کو ذکر کیا اور مرفوع روایت یہاں کوئی بھی ذکر نہیں کی۔ صاحب ہدایہ اپنا عمل قول ابن مسعود پر اور شوافع کا عمل قول ابن عباس پر بتاتے ہیں۔ بارہ تکبیرات والی حدیث کی صحیح بالکل نہیں بلکہ قیاس سے تین والے قول کی ترجیح دہا کر کے ہے اور قول ابن مسعود سے بے پوری صاحب عوام کو یہ مغالطہ دے گئے ہیں کہ چھ نہ اندہ تکبیرات والا قول ہے اور بارہ تکبیرات والی حدیث نبوی، حالانکہ صاحب ہدایہ نے دونوں باتوں کی بنیاد اقوال پر رکھی ہے۔ البتہ علامہ ماری نے فرمایا کہ قول صحابی حکما مرفوع ہے تو اس صورت دونوں حکما مرفوع ہوں گے۔ یہاں بعض غیر مقلد مغالطہ دیتے ہیں کہ حقیقۃ الفقہ کے ہر صفحہ پر لکھا ہے کہ کتب مندرجہ فقہ سے مراد ان کے تراجم ہیں۔ تو یاد رکھیں کہ ترجمہ عربی عبارت کا ہوتا ہے اگر ترجمہ کی عربی عبارت اصل کتاب میں موجود ہو تو اس کو ترجمہ کہیں گے ورنہ ترجمہ کے نام سے تحریف ہوگی۔ ہمارا غیر مقلدین سے مطالبہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں عبارتوں کی عربی اصل کتابوں میں دکھادیں تو ان کو ترجمہ کہنا درست ہوگا اور اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو اس کو ترجمہ نہیں تحریف کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ تمام اہل سنت و اجماعت کو ایسے مغالطوں سے محفوظ رکھیں اور جو بھٹک چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست پانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

احکام و تکبیرات عید

تمام تعریفیں خالق کائنات کے لئے ہیں اور درود پاک اُس ذات پر نازل ہو جنہوں کے وصول الی اللہ کے اُن مٹ نشانات اُمّت محمدیہ کو دیئے اور فرمایا کہ علم تین قسم پر ہے: (۱) محکم آیت (۲) شنب قائمہ (۳) فریضہ عادلہ (اجتہاد مجتہدین) اور بتا دیا کہ فریضہ عادلہ شنب قائمہ تک اور سب قائمہ آیت تک محکم تک پہنچانے والی ہے اور آپ ﷺ کی آل اور صحابہ کرامؓ پر جنہوں نے ان علوم ثلاثہ کو خود بھی مضبوطی سے پکڑا اور پھر اُمت کو بھی یہ امانت بلا کم و کاست پہنچادی۔ حمد و ثناء و صلوات کے بعد قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان گنت انعامات میں سے ایک عید بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بنا کر میرا کے اجتماع کی بخشش کا اعلان فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بہت سے احسانات بندوں کی طرف لوتے ہیں اور ہر سال اس میں خوشی کا اعادہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات عرف میں ہر فرحت و خوشی والی چیز کو عید کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

عید و عید و عید و عید صرون مجتمعه

وجہ الحبيب و يوم العيد والجمعه

کہ میری تین عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، ایک محبوب کا چہرہ، دوسرا عید کا دن اور تیسرا جمعہ اور کسی شاعر نے کہا ہے کہ۔

عید کی سچی خوشی تو دوستوں کی دید ہے

جو دوستوں سے دور ہے کیا خاک اس کی عید ہے

بہر حال یہ سن ایک بھری سے لے کر آج تک اُمّت مسلمہ خوشی کا دن مناتی آئی

ہے اور تمام مسلمان نماز عید کی صورت میں اپنے رب کے سامنے سجدہ شکر بجالاتے ہیں اور عملاً کہتے ہیں کہ مسلمان کو ہر خوشی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ عام حالات میں اگر پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتے ہیں تو عید میں خوشی کے موقع پر ایک مٹھی مٹھی مٹھی بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں ضروری ہے۔

کیا عید سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے؟

آج کل بعض لوگوں نے یہ مسئلہ چلایا ہے کہ عید پڑھنے والے پر جمعہ ضروری نہیں، یا ہے پڑھے، یا ہے نہ پڑھے۔ تو انہوں نے عید کی خوشی میں جمعہ کی فریضت کا انکار کر دیا بلکہ مولوی وحید الزمان صاحب نے تو عید کے دن جمعہ کے ساتھ ظہر کے ساقط ہونے کا بھی تحریر فرمایا ہے جو کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔۔۔ والجمعة فی یوم العید و حصہ مطلقاً لاهل النبلد و غیرہم لان شاء صلی العید والجمعة کلیہما وان شاء صلی العید فقط ولم یصل الجمعة و فی سقوط الظہر خلاف و الحق جواز ترکہ ایضاً یعنی جمعہ عید کے دن میں مطلقاً شہری اور غیر شہری کے لئے رخصت ہے اگر چاہے تو عید کی نماز اور جمعہ دونوں پڑھے اور اگر چاہے تو صرف عید پڑھے اور جمعہ نہ پڑھے، اور ظہر کے ساقط ہونے میں اختلاف ہے اور حق ظہر کے ترک کا جواز ہے۔

(نزل الانبیا، صفحہ ۱۵۵، جلد ۱) نیز فرماتے ہیں:۔۔۔ والذی رجحنا فی الہدیۃ عدم سقوط الظہر الا بصلوة العید یوم الجمعة یعنی وہ مسلک جس کو میں نے ہدیۃ

الہدی میں ترجیح دی ہے صرف جمعہ کے دن عید نماز کی وجہ سے ہی ظہر کا ساقط ہونا ہے۔

(نزل الانبیا، صفحہ ۱۵۵، جلد ۱) نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں کہ نماز عید کے وجوب کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ جب جمعہ کے ساتھ ایک دن میں اکٹھی ہو جائے تو جمعہ کو ساقط کرنے والی ہے اور جو چیز شرط واجب نہ ہو تو وہ واجب کو ماقبلاً کرنے والی نہیں ہوتی۔

(اروضۃ، صفحہ ۱۲۲، جلد ۱) کئی بات نواب فیروز الحسن صاحب نے عرف الجادوی میں لکھی

ہے۔ فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ وازادۃ وجوب اوست مسقط بوندش از برائے جمعہ نزد اتفاق دریک روز و غیر واجب مسقط واجب لمی تو اند شد (عرف الجادی، صفحہ ۳۵، ۳۶) نیز فرماتے ہیں جب جمعہ اور عید ایک دن میں اکٹھے ہو جائیں تو جمعہ کی امام اور تمام لوگوں کو رخصت ہوتی ہے۔ (عرف الجادی، صفحہ ۳۳) علامہ شوکانی بھی فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ وھی فی یوم العید رخصۃ یعنی جمعہ عید کے دن میں رخصت ہے۔۔۔۔۔ (الدرر البھیة مع الروضة، صفحہ ۱۳۱، جلد ۱) نواب صدیق حسن صاحب اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ وظاہر احادیث الترخیص یשמع من صلی العید ومن لم یصل یعنی رخصت دینے والی احادیث کا ظاہری مفہوم عید پڑھنے والوں اور نہ پڑھنے والوں سب کو شامل ہے۔۔۔۔۔ (الروضة الندیہ، صفحہ ۱۳۲، جلد ۱)

مولوی محمد یونس قریشی فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ "جمعہ کے روز اگر عید آ پڑتی تو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ نماز عید تو ادا فرماتے اور نماز جمعہ کی رخصت دیتے کہ چاہے پڑھیں یا نہ پڑھیں مگر خود جمعہ بھی ترک نہ کرتے تھے۔" (منتہی المصلی، صفحہ ۷۰، ۷۱) صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:۔۔۔۔۔ "کہ جمعہ کے روز اگر عید آ جائے تو عید کی نماز پڑھ لی جائے اور پھر چاہے جمعہ پڑھیں یا نہ پڑھیں۔" (صلوۃ الرسول، صفحہ ۳۸۹)۔۔۔۔۔ نیز فرماتے ہیں اگر عید کے روز جمعہ ہو تو عید کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھیں اور اگر جمعہ نہ پڑھیں ظہر پڑھ لیں تو بھی جائز ہے۔ (صلوۃ الرسول، صفحہ ۳۰۶) شفیق الرحمن زیدی لکھتے ہیں:۔۔۔۔۔ "عید اگر جمعہ کے دن ہو تو نماز عید پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھ لیں یا ظہر اختیار ہے۔"

(نماز نبوی، صفحہ ۲۵۹)

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ ان حضرات میں سے بعض کے نزدیک عید پڑھنے سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے مگر ظہر کی فرضیت باقی ہے اور بعض کے نزدیک جمعہ اور ظہر دونوں کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک عید پڑھے یا نہ پڑھے اس

رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ یہ ان حضرات کے اختلاف کا حال ہے جو لوگوں کو یہ پاور کراتے ہیں کہ ہم آپ کو فقہاء کے اختلافات سے نکال کر قرآن و سنت سے وابستہ کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ فقہاء کی غلطی پر بھی اجزاکا وعدہ ہے۔ (بخاری، صفحہ ۱۰۹۲) اور جبکہ غیر فقہیہ کا فیصلہ مردود ہے۔ (بخاری، صفحہ ۱۰۹۲) اور وہ جنہی اور خطا کار ہے۔ (ترمذی، صفحہ ۳۱۹)

ملاقے کا عرف:

مزاج شریعت یہ ہے کہ اختلافی اجتہادی مسائل میں علاقے کے متدین حضرات کے معروف مسائل کو لیا جائے اور منکر کو چھوڑ دیا جائے، اسی کو نیکی قرار دیا گیا ہے اور قرآن پاک میں متعدد آیات میں معروف کا حکم اور منکر کی نفی کو خیرات ہونے اور ایمان داروں کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ دسویں پارہ میں معروف سے روکنا اور منکر کا حکم دینا منافقوں کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم بیعت اسلام میں بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے ولا یصنک فی معروف "کہ کسی معروف میں یہ آپ ﷺ کی ہر مائی نہیں کریں گے۔" (الممتحنہ) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں بہت جھوٹے دروہال پیدا ہوں گے۔ یا تو نکم عن الاحادیث بمالم تسمعون انہم ولا آتہ کفر کہہ دو تمہارے پاس ایسی احادیث نے تمہارے پاس آئیں گے جو تم نے اور نہ تمہارے آباء و اجداد نے سنی تھیں نہ ہوں گی۔ تم ان کے پاس نہ جانا اور ان کو اپنے پاس نہ آنے دینے کیوں وہ تمہیں گمراہ نہ کریں، تمہیں فتنہ میں مبتلا نہ کریں۔

(مسلم، صفحہ ۱۰)

اس حدیث پاک میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بتایا کہ معروف عمل کے خلاف غیر معروف احادیث سے بچنا تاکہ انی ورفقہ کا سبب ہوگا اور ایسے لوگوں کو کذا اب اور اتہال کہا ہے اور عوام کو ان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی

فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں میرا ترک تہلیلہ کی طرف رجحان ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت مکلفہ میں فرمایا کہ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک سے خرچ نہ کرنا اور حکم ہوا کہ خبردار کبھی تو قوم کا مخالف "فروع" میں نہ ہونا اس لئے کہ یہ مناقض ہے حق کی مراد کا، پھر کھلا ایک نمونہ اس سے ظاہر ہوئی کیفیت و تطبیق سنت کے ساتھ فقہ حنفیہ کے اخذ کرنے سے ایک کے قول کے قول ثلاث یعنی امام اعظم اور صاحبین سے اور کشف ہوئی تخصیص ان کے عموماً کی اور ان کے مقاصد کا وقوف اور اقتضار اس پر جو لفظ سنت سے سمجھا جاتا ہے اور اس میں نہیں تاویل بعید اور نہ ضرب بعضی حدیث کے بعضی پر اور نہ ترک کرنا ہے حدیث صحیح کا ساتھ قول ایک کے امت میں سے اور یہ طریقہ اگر پورا کر دے اور کمال، اللہ تعالیٰ تو کبریت احرار اور اکسیر اعظم ہے۔ (فیوض الحرمین مترجم، صفحہ ۳۶) نیز فرماتے ہیں کہ مجھ کو کچھ یاد پارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حنفی مذہب میں ایک بہت اچھا طریقہ ہے وہ بہت موافق ہے اس طریقہ سنت سے جو تصحیح ہوا زمانہ بخاری اور اس کے ساتھ والوں کے اور وہ یہ ہے کہ اقوال ثلاث یعنی امام اعظم اور صاحبین سے جو قول اتر ب ہو وہ لے لیا جائے، پھر بعد اس کے فقہائے حنفی کی پیروی کی جائے جو علمائے حدیث سے ہیں کیونکہ بہت چیزیں ہیں کہ امام اور صاحبین نے اصول میں نہیں بیان کیں اور نہ ان کی نفی کی ہے اور حدیثیں ان پر دلالت کرتی ہیں تو ان کا اثبات ضرور ہے اور سب مذہب حنفی ہیں۔ (فیوض الحرمین مترجم، آردہ، صفحہ ۳۵) اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ علاقے کے معروف عمل کے خلاف عمل کرنا مردود حق سے مناقض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے رفیع یدین کو محبوب کہنے کے باوجود یہ فرمایا کہ انسان کے لئے مناسب نہیں کہ ایسے فعل سے اپنے شہر کے عوام کو اپنے خلاف فتنہ میں مبتلا کر دے۔ (حجۃ اللہ الباقیہ، صفحہ ۱۰، جلد ۲) بلکہ حضرت شاہ صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ جب کوئی جاہل انسان ہندوستان یا مادراہ اٹھ کے

میں رہتا ہو جہاں کوئی شافعی یا مالکی یا حنبلی عالم نہیں اور نہ ان مذاہب کی کتب ہیں تو اس مذہب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقلید کرے اور اس پر امام صاحب کے مذہب سے اختلاف نام ہے، اس لئے کہ وہ اس وقت شریعت کی رسی کو نکال چھینے گا اور بیکار مہمل بن کر کھلی گزارے گا۔ (الانصاف، صفحہ ۲۲) عید سے ستویں جمعہ کا مسئلہ بھی اس علاقے کے معروف عمل کے خلاف ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے صرف حنابلہ کا مسلک ہے، جس علاقے میں حنابلہ ہوں وہاں تو اس کو بیان کرنا درست ہے۔ احناف کے علاقے بلکہ شوافع اور مالکیہ کے علاقے میں اس مسئلہ کو پھیلانا فتنہ ہے۔ پھر حنابلہ بھی اتنے معمول کے قائل نہیں کہ جمعہ کے ساتھ شریعت ظہر بھی ساقط ہو جائے۔ یہ تو اجماع امت کی مخالفت ہے۔ قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ فرماتے ہیں:۔۔۔ اما اسقاط فرض الظہر والجمعة النبی من بدلہ لکنان صلاة العید فخرج عن الاصول جدا "یعنی ظہر اور اس کے بدلہ جمعہ کا ساقط کر دینا عید کی نماز کی وجہ سے یہ اصول شریعت سے بہت زیادہ خروج ہے۔" (بدایہ الحججہ، صفحہ ۱۵۹، جلد ۱)

دلائل مسلک معروف:

ياايها الذين آمنوا اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الي ذكر الله (آیہ سورۃ جمعہ، آیت ۹) "یعنی اے ایمان والو! جب اذان ہو جمعہ کی تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور کیوں دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تمہیں سمجھ ہے۔" اس آیت میں یوم عید کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا، معلوم ہوا جیسے بقیایام میں جمعہ فرض ہے اسی طرح یوم عید میں بھی فرض ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عیدوں میں اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور هل اتک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور بسا اوقات عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تو دونوں میں یہی سورتیں پڑھتے۔ (ترمذی، صفحہ ۱۰۲) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں چھوڑا۔

۳..... حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منبر پر یہ فرماتے سنا ہے کہ لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا جس کی وجہ سے وہ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم بیہقی، سنن کبریٰ، صفحہ ۱۷۱، جلد ۳)

۴..... حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بھی پہلی روایت کی مثل الفاظ منقول ہیں۔ (بیہقی فی السنن الکبریٰ، صفحہ ۷۲، جلد ۲)

۵..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ میں حاضر نہ ہونے والوں کی وجہ سے فرمایا، البتہ میرا ارادہ ہوا کہ میں ایک آدمی کو لوگوں کا امام بناؤں پھر جو جمعہ میں حاضر نہیں ہوئے ہیں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (السنن الکبریٰ، صفحہ ۱۷۲، جلد ۳) ان تمام روایات میں عید اور غیر عید کا فرق نہیں جن پر جمعہ فرض ہے ہر حال میں فرض ہے خواہ عید ہو یا نہ ہو۔

مخالف روایات کا جواب:

جس روایت میں یہ ہے کہ جو واپس جانا چاہے چلا جائے اس سے مراد وہاں سے آنے والے لوگ ہیں جن پر جمعہ فرض ہی نہیں جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ:.....
۱..... حضرت عثمانؓ نے اہل عموالیٰ کو کہا کہ تم میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے کر لے اور جو واپس جانا چاہے چلا جائے۔ (بخاری، صفحہ ۸۳۵، جلد ۲)

۲..... حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بھی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عیدیں اکٹھی ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عموالیٰ سے فرمایا کہ تم میں سے جو بیٹھنا چاہے بیٹھ جائے اس پر کوئی تنگی نہیں۔ (کتاب الام، صفحہ ۲۳۹، جلد ۱)

۳..... امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ دو عیدیں ایک دن میں جمعہ ہو جائیں تو پہلی سنت اور

۱..... فرض ہے، ان میں سے کسی کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ (جامع الصغیر، صفحہ ۱۱۳)
امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ عید کے بعد امام و دیہاتیوں کو لوٹنے کی اجازت دے، ان کے لئے جمعہ ترک کرنے کی اجازت نہیں۔ (ملخصاً کتاب الام، صفحہ ۲۳۹، جلد ۱)
ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ عید کی نماز کی وجہ سے جمعہ اور ظہر کا ساقط ہو جانا متروک ہے مگر ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور سقوط کی تاویل اہل عالیہ اور ان تمام لوگوں کے حق میں ہے جن پر جمعہ واجب نہیں۔

نوٹ:..... عالیہ اور عموالیٰ سے مراد وہ گاؤں ہیں جو مدینہ کے اطراف بلندی پر واقع ہیں۔ نزدیک والا گاؤں مدینہ سے تین میل پر اور دور والا آٹھ میل پر واقع ہے۔
(لغات الحدیث، صفحہ ۱۹۱، جلد ۳)

اعداد تکبیرات زوائد:

اس مسئلہ میں بھی متواتر فقہ حنفی کا یہاں اختلاف کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں چھ زوائد تکبیرات سے عید پڑھی جاتی رہی ہے۔ یہاں بعض جماعتوں نے تو اجماع امت کو ترک کر لیا کہ عیدین میں زائد تکبیریں ہیں ہی نہیں۔ عام نمازوں کی طرح دو رکعتیں پڑھ لیتی چاہئیں اور آٹھ رکعتیں میں سے کسی کا نہ سب نہیں۔ اس نے بارہ یا چھ زائد تکبیریں کہنے والوں کو یہودی اور کفار و کفار کہا ہے۔

دلایل احناف:

۱..... ابو عبد الرحمن قاسم فرماتے ہیں کہ مجھ سے بعض صحابہ کرامؓ نے بیان کیا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن نماز پڑھائی تو (تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع سمیت) چار چار تکبیریں کہیں، پھر ہماری طرف اپنے چہرے کو متوجہ کر کے فرمایا کہ نہ بھولنا جنازے کی تکبیروں کی طرح ہے اور انکو ٹھانڈ کر کے اپنی انگلیوں سے (چار کا) اشارہ کیا۔ (طحاوی، صفحہ ۲۳۸، جلد ۱) امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن الاسناد ہے۔ (طحاوی، صفحہ ۲۳۸)

۲..... حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھی ابو عائشہ فرماتے ہیں کہ سعید بن عاص نے ابو موسیٰ اشعریؓ اور حذیفہ بن یمان سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کیسے تکبیریں کہتے تھے تو حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کی تکبیروں کی طرح (تکبیر تحریرہ کے علاوہ) چار تکبیریں کہا کرتے تھے تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ابو موسیٰؓ نے سچ کہا ہے تو حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ میں بصرہ میں جب بعمرہ والوں کا امیر ہوتا تھا تو ایسے ہی تکبیریں کہا کرتا تھا۔ ابو عائشہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سعید بن عاصؓ کے پاس موجود تھا۔ (ابوداؤد، صفحہ ۱۱۳، جلد ۱، المطاوی، صفحہ ۲۳۹)

۳..... حضرت کنولؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کے قاصد نے بیان کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں پہلی تکبیر کے علاوہ چار چار تکبیریں کہتے تھے۔ (المطاوی، صفحہ ۲۳۹)

۴..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی یہی تکبیر تحریرہ سمیت چار تکبیروں کا ذکر ہے۔

(مصنف عبدالرزاق)

صدقة الفطر:

جس پر زکوٰۃ واجب ہو یا ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال و اسباب ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو عید کے دن اس پر صدقہ دینا واجب ہے چاہے وہ مال تجارت ہو یا نہ ہو خواہ اس پر سال گزارا ہو یا نہ گزارا ہو۔ اگر گندم یا گندم کے آٹے یا گندم کے ستوں سے صدقہ فطر ادا کرے تو احتیاطاً دو گلو اور اگر باہ کے آٹے یا باہ کے ستوں یا بھجور یا کشمش سے صدقہ فطر ادا کرے تو اس سے دو گنا ادا کرنا ہوگا۔ یہ گندم کے نصف صاع والا مسلک حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، حضرت اسامہؓ سے اسانید صحیحہ سے منقول ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔

(الروضة النديه، صفحہ ۳۱۵، جلد ۱)

مسائل قربانی اور تکبیرات عید

قربانی کا فلسفہ:

لحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم * بسم الله الرحمن الرحيم * فصل لربك والحر * صدق الله العظيم *

برادران اسلام اللہ تعالیٰ نے جس طرح جسم انسانی کے مختلف امراض کے مختلف علاج پیدا فرمائے ہیں اسی طرح روحانی بیماریوں کے بھی متعدد علاج پیدا فرمائے۔ انسانی بیماریوں میں ایک خطرناک بیماری جب مال ہے جس کو حدیث پاک میں پانی سے گھاس کی طرح دل میں نفاق بوجھانے والا کہا گیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مال کی محبت کی وجہ سے باپ بیٹے، ماں بیٹی میں لڑائی ہوتی ہے۔ مال کی محبت قتل و غارت و رشوت، سود، باوثاق، کسوت، بخل، حرص، اہم ادا سے زکوٰۃ و حج وغیرہ ہزاروں بیماریوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مہادات کے ذریعہ مال خرچ کر کے اس کی محبت کو دل سے نکالنے کی مختلف صورتیں پیدا فرمائیں، جن میں ایک قربانی ہے۔

حکم قربانی

سراج الامۃ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک قربانی واجب ہے بشرطیکہ مقیم صاحب نصاب ہو اور یہ وجوب کا قول حضرت مجاہدؒ، کنولؓ اور شعبیؓ کا بھی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہ وجوب منقول ہے۔ (مخفی ابن حزم، صفحہ ۳۵۸، جلد ۱)

روک دیا اور عتیرہ وہ ذبیحہ تھا جس کو جب میں ذبح کرتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک دیا اور قربانی کا حکم دیا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۸ جلد ۴)

۱۴۱۔ حضرت علیؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! قربانی کرو۔ الخ (مجمع الزوائد صفحہ ۷۱ جلد ۴) اور یہ وجوب قربانی کا مسئلہ ہمارے ہاں معروف چلا آ رہا تھا اور تمام احناف یا مروون بالمعروف پر عمل کرتے ہوئے صاحب نصاب پر وجوب قربانی کے قائل تھے مگر غیر مقلدین نے احناف میں آہستہ آہستہ قربانی کے عدم وجوب کو پھیلاتا شروع کیا اور یا مروون بالمعروف وینہون عن المعروف پر متفقانہ عمل کیا۔ مگر عوام کو دکھا کر دیتے ہیں کہ ہم خدا یا رسول خدا کو مانتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل معروف کے خلاف احادیث پھیلانے کو کفر اور گمراہی کا سبب قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن علاقوں میں احناف کی اکثریت ہے وہاں عدم وجوب کے متعلق روایات فقہ کا جب نہیں گی۔ ہاں جہاں دوسرے ائمہ کے مقلدین ہیں وہاں ان کے مسلک کے مطابق ہی روایات ذکر کی جائیں گی جو عین مزاج شریعت ہے۔ بعض غیر مقلدین حضرت ابن عمرؓ کے قول ہی سن کر معروف (بخاری) سے عدم وجوب پر اسی طرح ومن ذبح بعد الصلوة فقد تم نسكہ واصاب سنة المسلمين (جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو تحقیق اس کی قربانی کامل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پایا سے استدلال کرتے ہیں) مگر ان دونوں جگہ سے سیرۃ المسلمین اور طریق المسلمین کے معنی میں ہے جس میں فرائض و واجبات بھی داخل ہیں اور یہ سبیل المؤمنین بن کر ضروری قرار پائے گی۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے مجوس کے بارہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ ان کے بارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنواہم سنة اهل الكتاب (مواظام مالک صفحہ ۲۸ کتاب الزکوٰۃ) یعنی خراج اور جزیہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو یہ لفظ سنۃ فرض اور واجب کو بھی شامل ہے۔ امام

نہانی نے حضرت ابن عباسؓ کے قول الختان سنۃ کی تشریح یہ کی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واجبہ ہے۔ اسی طرح علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين میں بہت سے واجب امور داخل ہیں۔ بالکل اسی طرح قربانی کو سنت کہا اس کے وجوب کے منافی نہیں، اسی طرح نواب نور الحسن غیر مقلد نے من اراد ان يتضح فليمسك عن شعره واطفاره (مسلم) سے مطلقاً عدم وجوب قربانی پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں قربانی کو ارادہ کے ساتھ معلق کیا ہے۔ (یعنی اگر ارادہ ہو تو کرنے نہ ہو تو نہ کرے) (عرف الجادی، صفحہ ۲۲۲) علامہ ماری نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ روایات میں بہت سے واجبات کو بلکہ فرائض کو بھی ارادہ کے ساتھ معلق فرمایا گیا ہے۔ جیسے من اراد الحج فليلب (جو حج کا ارادہ کرے وہ تکبیر کہے) من اراد الجمعة فليغتسل (جو جمعہ کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ وہ غسل کرے) من اراد الحج فليصعل (جو حج کا ارادہ کرے تو جلدی کرے) ان روایات میں کیا اور جمعہ کو ارادہ سے معلق کرنے سے جس طرح ان کی فرضیت کی نفی پر استدلال غلط ہے اسی طرح قربانی کو ارادہ سے معلق کرنے سے عدم وجوب پر استدلال بھی غلط ہے۔

سیر مقلدین اور شوافع وغیرہ میں فرق:

یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھانے کی ہے کہ ہمارا مقصد غیر مقلدین کی تردید ہے جو کہ غلط ہے، نہ کہ شوافع یا حنابلہ کی جو اہل سنت کے گروہ ہیں اور ان میں اور غیر مقلدین میں سن و آسمان یا یوں سمجھو کہ حج اور جھوٹ کا فرق ہے، کیونکہ ان ائمہ کے مقلدین ان اجتہادی مسائل کو اپنے مجتہد (امام شافعی یا امام احمد رحمہما اللہ) کی طرف منسوب کر کے اپنی فقہ کا مسئلہ کہتے ہیں اور احناف کے بارہ میں یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے خدا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی بلکہ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے امام کی مخالفت کی ہے اور اپنے امام (یعنی امام ابوحنیفہؒ) کے مسئلہ کو لیا ہے اور یہ بات بالکل سچ ہے جبکہ غیر مقلدین ان اجتہادی مسائل میں عوام کو یہ

روک دیا اور عتیرہ وہ ذبیحہ تھا جس کو رجب میں ذبح کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک دیا اور قربانی کا حکم دیا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۸ جلد ۴)

حضرت علیؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! قربانی کرو۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۸ جلد ۴) والا امر للوجوب اور یہ وجوب قربانی کا مسئلہ ہمارے ہاں معروف چلا آ رہا تھا اور تمام احناف یا مروں بالمعروف پر عمل کرتے ہوئے صاحب نصاب پر وجوب قربانی کے قائل تھے مگر غیر مقلدین نے احناف میں آہستہ آہستہ قربانی کے عدم وجوب کو پھیلانا شروع کیا اور یا مروں بالمنکر وینہون عن المعروف پر متانت نہ عمل کیا، مگر عوام کو دھوکا پید دیتے ہیں کہ ہم خدا یا رسول خدا کو ماننے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل معروف کے خلاف احادیث پھیلانے کو فتنہ اور گمراہی کا سبب قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن مذاہب میں احناف کی اکثریت ہے وہاں عدم وجوب کے متعلق روایات فتنہ کا سبب بنیں گی۔ ہاں جہاں دوسرے ائمہ کے مقلدین ہیں وہاں ان کے مسلک کے مطابق ہی روایات ذکر کی جائیں گی جو عین مزاج شریعت ہے۔ بعض غیر مقلدین حضرت ابن عمرؓ کے قول ہی سننے و معروف (بخاری) سے عدم وجوب پر اسی طرح ومن ذبح بعد الصلوة فقد تم نسك واصاب سنة المسلمين (جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو حقیقت اس کی قربانی کامل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پالیا سے استدلال کرتے ہیں) مگر ان دونوں جگہ سیرۃ المسلمین اور طریق المسلمین کے معنی میں ہے جس میں فراتش و واجبات بھی داخل ہیں اور یہ سبیل المؤمنین بن کر ضروری قرار پائے گی۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے نجس کے بارہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ ان کے بارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنوا بہم سنة اهل الكتاب (موظا امام مالک صفحہ ۲۸، کتاب الزکوٰۃ) یعنی خراج اور جزیہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو یہ لفظ سنۃ فرض اور واجب کو بھی شامل ہے۔ امام

اسی نے حضرت ابن عباسؓ کے قول الختان سنۃ کی تشریح یہ کی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واجبہ ہے۔ اسی طرح علیکم یسنتی وسنة الخلفاء الراشدين میں بہت سے واجب امور داخل ہیں۔ بالکل اسی طرح قربانی کو سنت کہاں اس کے وجوب کے منافی نہیں، اسی طرح نواب نور الحسن غیر مقلد نے من اراد ان یضحی فلیمسک عن شعورہ واطفارہ (مسلم) سے مطلقاً عدم وجوب قربانی پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں قربانی کو ارادہ کے ساتھ مطلق کیا ہے۔ (یعنی اگر ارادہ ہو تو کرے نہ ہو تو نہ کرے) (عرف الجاری صفحہ ۲۳۳) علامہ مارونی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ روایات میں بہت سے واجبات کو بلکہ احادیث کو بھی ارادہ کے ساتھ مطلق فرمایا گیا ہے۔ جیسے من اراد الحج فلیلب (جو حج کا ارادہ کرے وہ کلبہ کہے) من اراد الجمعة فلیغتسل (جو جمعہ کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ وہ غسل کرے) من اراد الحج فلیصجل (جو حج کا ارادہ کرے تو جلدی کرے) ان روایات میں قربانی کو ارادہ سے مطلق کرنے سے جس طرح ان کی فرضیت کی لگی پر استدلال غلط ہے اسی طرح قربانی کو ارادہ سے مطلق کرنے سے عدم وجوب پر استدلال بھی غلط ہے۔

غیر مقلدین اور شوافع وغیرہ میں فرق:

یہ بات اچھی طرح ذہن میں لھانے کی ہے کہ ہمارا مقصد غیر مقلدین کی تردید ہے جو کہ بظاہر ہے، نہ کہ شوافع یا حنابلہ کی جو اہل سنت کے گروہ ہیں اور ان میں اور غیر مقلدین میں عین و آسمان یا یوں سمجھو کہ حج اور حجوت کا فرق ہے، کیونکہ ان ائمہ کے مقلدین ان اجتہادی مسائل کو اپنے مجتہد (امام شافعی یا امام احمد رحمہما اللہ) کی طرف منسوب کر کے اپنی فقہ کا مسئلہ کہتے ہیں اور احناف کے بارہ میں یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے خدا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے امام کی مخالفت کی ہے اور اپنے امام (یعنی امام ابوحنیفہؒ) کی مخالفت کے مسئلہ کو لیا ہے اور یہ بات بالکل سچ ہے جبکہ غیر مقلدین ان اجتہادی مسائل میں عوام کو یہ

دھوکا دیتے ہیں کہ ہم تو امام ابوحنیفہؒ کو چھوڑ کر خدا یا رسول کو مانتے ہیں اور خلی خدا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کو مانتے ہیں اور یہ مویضہ جھوٹ ہے بلکہ اجتہادی مسائل میں جب خدا عزوجل اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہی نہیں ہے تو گویا کہ غیر مقلد اپنے آپ کو خدا یا رسول کہتا ہے جو بیختم کا شرک ہے۔

فائدہ:..... منکرین حدیث کھل کر قربانی کے مخالف ہیں جبکہ قرآنی فیصلہ میں لکھا ہے قرآن میں جانور ذبح کرنے کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے، عرفات کے میدان میں جب یہ تمام ہرماں گان ملت ایک الجھل ملے کر لیس گے تو اس کے بعد مکئی کے مقام پر وہ تین دن تک ان کا اجتماع رہے گا جہاں یہ ہاتھی بھٹ و تھپس سے اس پر وہ گرام کی تفصیلات ملے کریں گے۔ ان مذاکرات کے ساتھ باہمی ضیافتیں بھی ہوں گی۔ آج صبح پاکستان والوں کے ہاں، شام کو اہل افغانستان کے ہاں، اگلی صبح شام کی طرف و قس علی ذالک۔ ان دعوتوں میں مقامی لوگ بھی شامل کر لئے جائیں گے۔ امیر بھی، فریب بھی اس مقصد کے لئے جو جانور ذبح کئے جائیں گے قربانی کے جانور کہلا سکیں گے۔ (قرآنی فیصلے، صفحہ ۵۵) آگے لکھا ہے مقام حج کے علاوہ (یعنی اپنے اپنے شہروں میں) قربانی کے لئے کوئی حکم نہیں۔ (قرآنی فیصلے، صفحہ ۵۵) آگے لکھا ہے یہ ساری دنیا میں اپنے اپنے طور پر قربانیاں ایک رسم ہے۔ اسی طرح حاجیوں کی وہ قربانیاں جو آج کل کرتے ہیں محض ایک رسم کی تکمیل رہ گئی ہے۔ ایک ایک حاجی پانچ پانچ سات سات دسے انفرادی طور پر ذبح کر دیتا ہے اور چونکہ اس قدر گوشت کا مصرف کچھ نہیں ہوتا اس لئے ان ذبح شدہ جانوروں کو گڑھے کھود کر دیتے ہیں۔ ذرا حساب لگائیے اس رسم کو پورا کرنے میں اس فریب قوم کا کس قدر روپیہ ہر سال ضائع ہو جاتا ہے۔

اگر آپ ایک کراچی شہر کو لے لیں تو اس آٹھ دس لاکھ کی آبادی میں سے اگر پچاس ہزار نے بھی قربانی دی ہو اور ایک جانور کی قیمت تیس روپیہ بھی سمجھ لی جائے تو چند

۱۸ روپیہ ایک دن میں صرف ایک شہر سے ضائع ہو گیا۔ (قرآنی فیصلے، صفحہ ۵۶) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:..... قربانی صرف مکہ میں حاجیوں کی ضرورت ضیافت کی ضرورت ہے۔ اس سے زائد اور اسی طرح مکہ کے غیر میں ایک رسم اور ملی خسارہ ہے۔ (نور بالہ) اسی طرح منکرین فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ میں بھی اس کی ضرورت کے قائل نہیں۔ چنانچہ نواب نور الحسن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے بعد اس آیت: اللہم تقبل من محمد وال محمد وامنہ محمد (اے اللہ اس کو محمد آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما) سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا ہی ہے کی قربانی کے اس کرنے والے اور اس کے اہل و عیال اور اس کے غیر کی طرف سے اس کی ہونے کی دلیل ہے۔ (عرف الجاوی، صفحہ ۲۳۱) نیز لکھتے ہیں کہ یہ خیال کہ بکری صرف یہ یا تین کے علاوہ کفایت نہیں کرتی محتاج دلیل ہے۔ (عرف الجاوی، صفحہ ۲۳۳) تو جب ایک سینڈھا پوری امت کی طرف سے کافی ہو گیا تو اب مکہ میں حاجیوں کی مہمانی کے لئے بھی قربانی کی ضرورت نہ رہی۔

نوٹ:..... واضح رہے کہ مذکورہ بالا حدیث کا مقصد پوری امت کی طرف سے قربانی کرنا نہیں بلکہ قربانی کے ثواب میں امت کو شریک کرنا ہے۔

قربانی کے جانور

قرآن پاک میں قربانی کے جانوروں کے لئے بھیمۃ الانعام کا لفظ ہے۔ امام ربیع م ۵۰۲ مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:..... الانعام نقال للابل والبقر والغنم (العام کا لفظ اونٹ، نر، مادو، گائے، نر، مادو، خنم، کبیرا، بھیم، نر، مادو، پر بولا جاتا ہے) مفردات القرآن، صفحہ ۳۹۹) يقال للابل والبقر والغنم الانعام علی التوسع (انہم الفاظ القرآن، صفحہ ۳۰۳، جلد ۲) یعنی اصل میں اونٹ کو نعم کہا جاتا تھا، بعد میں توسع

کے طور پر اونٹ گائے غنم زراہ کو انعام کہا جائے لگا۔ غیر مقلد علاج الدین یوسف لکھتا ہے انعام اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی چال میں نرمی ہوتی ہے۔ یہ بہمتہ الانعام زراہ و مدہل کراٹھ قسمیں ہیں۔ (تفسیر مطبوعہ سعودیہ، صفحہ ۲۸۱) شرح مہذب میں ہے کہ علامہ کا اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ قربانی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری ہی کی جائز ہے۔ ان کے علاوہ باقی جانوروں کی جائز نہیں۔ (بحوالہ اعلام السنن، صفحہ ۲۱۰، جلد ۱۷) مگر غیر مقلدین کی جماعت غرباء الہدیٰ نے بلاقرآن و حدیث کی دلیل کے اس اجماع کی مخالفت کی اور لکھ دیا کہ گھوڑا جن کے نزدیک حلال ہے ان کے نزدیک (اس کی) قربانی بھی جائز ہے۔ بہرہ رمد شین حلت کے قائل ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ، صفحہ ۱۱۷، جلد ۱) اس پر ۳۲ غیر مقلدین علماء کے تصدیقی و منتظ ہیں۔ ان میں سے محمد موسیٰ امرتسری نے تو یہ بھی لکھ دیا کہ گھوڑے کی قربانی بھی سنت صحابہ ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ، صفحہ ۱۳۹) کوئی غیر مقلد سنت کی تعریف کر کے اس کا سنت ہونا ثابت نہیں کر سکتا۔ اس پر عبدالرحمن بھنگوی غیر مقلد نے مزید لکھ دیا کہ سنت صحابہ کا اجراء بھی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ خاص کر جب لوگ سنت صحابہ کے مخالف ہوں۔ (فتاویٰ ستاریہ، صفحہ ۱۳۹)۔۔۔ میں تراویح، ایک مجلس کی تین طلاقوں کا تین ہونا وغیرہ بہت سے صحابہ کرام کے اجماعی مسائل ہیں جو یہاں معمول بہا ہیں، ان کی دن رات یہ لوگ کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں مگر متواتر عمل کے خلاف کوئی شاذ قول مل جائے تو اس کی اشاعت ضروری قرار دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں۔

عیدین میں چھ زائد تکبیریں ہیں:

۱۔ عن القاسم ابی عبدالرحمن انه قال حدثني بعض اصحاب رسول الله قال صلى بنا النبي يوم عيد فكبّر اربعا واربعاً ثم اقبل علينا بوجه فقال لا تسوا كتكبير الجنائز و اشار باصابعه و قبض ابهامه (طحاوی، صفحہ ۳۲۸، جلد ۲)

ابو عبدالرحمن قاسم فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے بتایا کہ آپ نے ہمیں مید کی نماز پڑھائی تو چار چار تکبیر کہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا بھول نہ جانا مید کی تکبیریں چٹاڑہ کی طرح چار ہیں۔ آپ نے اللہ کی انکلیوں سے اشارہ فرمایا اور انگوٹھا بند فرمایا (چار تکبیریں بشمول رکوع کی تکبیر کے) حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں حضرت حذیفہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

۲۔ كان رسول الله يكبر في الاضحى و الفطر و كان يكبر اربعا تكبيرة على الجنائز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں چٹاڑہ کی طرح چار چار تکبیریں کہتے تھے۔ (ابوداؤد، صفحہ ۱۶۳، جلد ۱، مسند احمد، صفحہ ۳۱۶، جلد ۱۲)

۳۔ عن عبد الله بن مسعود انه كان يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فیركع ثم يركع في الثانية فيقرأ ثم يكبر اربعا بعد القراءة (مسند عبدالرزاق، صفحہ ۲۹۳، جلد ۲، طبرانی کبیر، صفحہ ۳۰۳، جلد ۹) حضرت عبداللہ بن مسعود (مع تکبیر تحریر) چار تکبیریں کہتے پھر قراءت کرتے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو پہلے قراءت کرتے، پھر چار تکبیریں کہتے (مع تکبیر رکوع)

۴۔ عن ابن مسعود في الاولى خمس تكبيرات بتكبير الوكعة و تكبير الاستفتاح وفي الوكعة (الاحرى) اربعة بتكبير الوكعة (مسند عبدالرزاق، صفحہ ۲۹۳، جلد ۳) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ (عید کی نماز میں) پہلی رکعت میں تکبیر تحریر اور رکوع کی تکبیر سمیت پانچ تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں ہیں۔

۵۔ عن محمد بن النس بن مالك انه قال تسع تكبيرات خمس في الاولى و اربع في الاخرة مع تكبير الصلوة (طحاوی، صفحہ ۳۳، جلد ۲) حضرت محمد بن

۷..... میرین حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا عید کی نماز میں نو تکبیریں ہیں۔ پانچ پہلی رکعت میں چار، دوسری رکعت میں نماز کی تکبیر سمیت۔

۸..... امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم کی مجلس میں سب صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ جس طرح جنازہ کی تکبیریں چار ہیں عیدین کی بھی چار چار ہیں۔

(طحاوی شریف، صفحہ ۳۳۳، جلد ۱)

۹..... امام ابراہیم نخعی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے تمام اصحاب عید میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲)

۸..... حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ اور سعید بن المسیب نے فرمایا کہ نماز عید میں نو تکبیریں اور قراءت پے در پے ہے۔ یعنی پہلی رکعت میں تکبیروں کے بعد اور دوسری رکعت میں تکبیروں سے پہلے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲)

۹..... حضرت عبداللہ بن عمار رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے بصرہ میں عید کی نماز میں نو تکبیریں کہیں اور دونوں رکعتوں میں قراءتیں پے در پے کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمار فرماتے ہیں میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ (مصنف عبدالرزاق، صفحہ ۲۹۳، جلد ۳، مصنف ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۷۷، جلد ۲)

۱۰..... عن مکحول قال اخبرني ابو عائشه جليسا لامي هريرة ان سعيد بن العاص سال ابا موسى الاشعري وحليفه بن اليمان كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر في الاضحى والقطر فقال ابو موسى كان يكبر اربعا تكبيرة على الجنان فقال حليفه صلح فقال ابو موسى كذلك كنت اكبر في البصرة حيث كنت عليهم فقال ابو عائشه وانا حاضر سعيد بن العاص (ابوداؤد، صفحہ ۱۷۷، جلد ۱، طحاوی،

۱۱..... جلد ۲، سند احمد) حضرت مولیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہ کے ہم نشین ابو عائشہ نے بتایا کہ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہا کرتے تھے جیسا کہ آپ جنازہ میں کہتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا جب میں بصرہ کا حاکم تھا تو وہی طرح تکبیریں کہا کرتا تھا۔ حضرت ابو عائشہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوال کے وقت خود موجود تھا۔

۱۱..... عن علقمه والا سود بن يزيد قال كان مسعود حالسا وعند حذيفة و ابو موسى الاشعري فسالهما سعيد بن العاص عن التكبير في الصلوة يوم الفطر والاضحى فجعلا هذا يقول سل هذا وهذا يقول سل هذا فقال له حذيفة سل عبد الله بن مسعود فساله فقال ابن مسعود يكبر اربعا ثم بصره ثم يكبر فبكرع ثم يقول في الثانية فبقرع ثم يكبر اربعا بعد القراءه (مصنف عبدالرزاق، صفحہ ۲۹۳، جلد ۳، مجمع طبرانی کبیر، صفحہ ۳۰۳، جلد ۹) حضرت علقمہ اور سود بن یزید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود پیشے ہوئے تھے اور آپ کے پاس حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت سعید بن عاص نے ان دونوں بزرگوں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں تکبیر کے متعلق سوال کیا، یہ کہنے لگے کہ ان سے پوچھو اور وہ کہنے لگے کہ ان سے پوچھو۔ حضرت حذیفہ نے ان سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا تو آپ نے فرمایا چار تکبیریں کہے (بشمول تکبیر تحریمہ کے) پھر قراءت کرے، پھر تکبیر کہ کر رکوع کرے، پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو اور قراءت کرے، پھر چار تکبیریں

(بشمول تکبیر رکوع کے) کہے قرأت کے بعد۔

۱۲۔ عن عبد اللہ قال التكبير في العيد اربعاً كالصلوة على الميت (مجموع طبرانی کبیر، صفحہ ۳۰۵، جلد ۹) حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ عید میں چار تکبیریں ہوتی ہیں جیسا کہ نماز جنازہ میں۔

۱۳۔ عن كردوس قال ارسل الوليد الى عبد الله بن مسعود و حذيفة و ابى مسعود و ابى موسى الاشعري بعد العتمه فقال ان هذا عيد المسلمين فكيف الصلوة فقالوا سل ابا عبد الرحمن فساله فقال يقوم فيكبر اربعاً ثم يقرأ بفاتحة الكتاب و سورة من المفصل ثم يكبر ويركع فتلک خمس ثم يقوم فيقرأ بفاتحة الكتاب و سورة من المفصل ثم يكبر اربعاً يركع في آخرهن فتلک تسع في العیدین فما اتكوه واحد منهم (مجموع طبرانی کبیر، جلد ۹، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۴) حضرت كردوس فرماتے ہیں کہ حضرت ولید بن عقبہ نے حضرت عبد بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابو مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے پاس ایک تہائی رات کے بعد پیغام بھیجا (جس میں انہوں نے کہا کہ) یہ مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ اس میں نماز کا کیا طریقہ ہے؟ ان سب بزرگوں نے کہا کہ ابو عبد الرحمن (عبد اللہ بن مسعود) سے پوچھو۔ چنانچہ قاصد نے ان سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کھڑے ہو کر چار تکبیریں (بشمول تکبیر تحریمہ کے) کہے، پھر سورۃ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔ پس یہ پانچ تکبیریں ہوئیں، پھر کھڑے ہو کر سورۃ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں سے کوئی سورۃ پڑھے، پھر چار تکبیر کہے جن میں آخری تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔ پس یہ نو تکبیریں ہوئیں۔ دونوں عیدوں میں ان بزرگوں میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ حق بات کو سمجھنے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

صحاب طواہر اور غیر مقلدین میں فرق

بِسْمِ اللَّهِ وَتَعَالَى

عزیز من جناب مولوی عبد الباقی صاحب زید علیکم وعلیٰکم السلام

وعلیٰکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

آپ نے زمانہ حال کے غیر مقلدین اور اصحاب طواہر میں فرق پوچھا ہے، نیز یہ کہ جب اصحاب طواہر کو برا بھلا نہیں کہا جاتا تو غیر مقلدین کو بھی بنظر احترام دیکھنا چاہئے۔ تو یہاں عرض ہے کہ اول تو اصحاب طواہر کو تمام حضرات نے بنظر احترام نہیں دیکھا، کیونکہ سب سے پہلا ظاہری داؤد بن علی بن خلف اسمہانی ہے جو ۲۰۲ھ میں پیدا ہوا اور ۲۷۰ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ خلیف بغدادی فرماتے ہیں کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے نسبت ظاہریہ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا اور زبانی طور پر احکام میں قیاس کا انکار کیا، اور بافضل قیاس کی طرف مجبور ہوا تو اس کا نام اس نے "ذیل" رکھا۔ (تاریخ بغداد، صفحہ ۳۷۳، جلد ۸)

عبد الرحمن بن خراش نے اس کو کافر کہا۔ (تاریخ بغداد، صفحہ ۳۷۳، جلد ۸) ابو زریعہ کہتے ہیں کہ اگر یہ اہل علم کے مقام پر رہتا تو اس کے حسن بیان، تردید بدعت کے اسباب کی اہمیت میں یہ سمجھتا کہ یہ اہل بدعت کے لئے ضرب کاری ہے، مگر یہ مقام علماء سے تجاوز کر گیا۔ چنانچہ اس سے یہ ہمارے پاس آیا تو فیثا پور کے مشائخ محمد بن رافع، محمد بن یحییٰ، عمرو بن زرارہ، ابن بن منصور اور دوسرے مشائخ نے مجھے خط کے ذریعے وہاں اس کی ایجاد کردہ بدعات کی اطلاع کی لیکن میں نے اس کے انجام کا خوف کرتے ہوئے اس کی پروردہ پوشی کی اور میں نے ان (قابل اعتراض باتوں) میں سے کوئی اس میں تبدیل ہوتی نہیں پائی، پھر یہ شخص بغداد میں گیا

اور امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے صالحؒ سے تعلقات قائم کئے، پھر ان سے کہا کہ میرے لئے کوئی حیلہ کریں کہ آپ کے والد سے ملاقات کی اجازت مل جائے، تو حضرت صالحؒ نے اپنے والد (امام احمد بن حنبلؒ) کے پاس آئے اور کہا کہ ایک شخص مجھ سے آپ کے پاس آنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا اس کا نام کیا ہے؟ حضرت صالحؒ نے فرمایا کہ داؤد۔ حضرت نے پوچھا کہاں کا ہے؟ تو حضرت صالحؒ نے بتایا کہ اسپہان کا۔ امام احمد نے پوچھا کہ اس کا کیا پتہ ہے؟ ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ صالحؒ حضرت امام احمدؒ کو اس کی پوری پہچان نہیں کرانا چاہتے تھے، مگر امام احمدؒ پوری جستجو کرتے رہے یہاں تک کہ آپ سمجھ گئے کہ یہ وہی داؤدؒ ظاہروی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے محمد بن یحییٰ مینشا پوری نے اس کے بارہ میں یہ خط لکھا ہے کہ یہ قرآن کو حادث کہتا ہے، اس لئے یہ میرے قریب نہ آئے۔ حضرت صالحؒ نے کہا کہ وہ اس کی لٹی اور اس کا انکار کرتا ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا محمد بن یحییٰ میرے نزدیک اس سے زیادہ سچا ہے، اس لئے اس کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دینا۔

(تاریخ بغداد، صفحہ ۳۷۳، ۳۷۴، جلد ۸)

قاضی ابن کمال نے جب ابو عبد اللہ الوراق سے داؤدؒ ظاہری کا یہ قول سنا کہ وہ کہتا ہے کہ جس قرآن کے بارے میں لا یسئۃ الا المظہرون (نہیں ہاتھ لگاتے اس کو گنہگار پاکیزہ لوگ) اور فی کتاب مکتون نازل ہوا ہے، وہ غیر مخلوق ہے اور وہ قرآن جو ہمارے درمیان ہے جس کو حادث اور جنبی بھی ہاتھ لگاتے ہیں وہ مخلوق ہے تو قاضی ابن کمال نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ (تاریخ بغداد، صفحہ ۳۷۴، جلد ۸)

ابوالعباس عبد اللہ بن محمد نے داؤدؒ ظاہری کے خلاف کچھ شعر کہے ہیں جن میں سے

دو شعر یہ ہیں:

عدلت علی ما لو علمت بعضہ

فسحت مکان اللوم والعدل من عدل

جیلت ولم تعلم بانک جاهل

فمن لی بان تلدی بانک لاندری

ترجمہ: ”یعنی تجھے ایسی باتوں پر ملامت کی گئی ہے کہ اگر تو ان میں سے بعض کو جان لیتا تو نذر سے ملامت اور برائی کا میدان وسیع کر دیتا، تو جاہل ہے اور اپنے جاہل ہونے سے لاطم بھی ہے، کون میرے لئے اس بات کا ضامن ہو سکتا ہے کہ جان لے کہ میں جاہل ہوں۔“ (تاریخ بغداد، صفحہ ۳۷۵، جلد ۸)

اسی طرح خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ اس کی کتابوں میں اعدادیث کثیر ہیں، مگر ان سے روایت بہت کم ہے۔ (تاریخ بغدادی، صفحہ ۳۷۷، جلد ۸)

محمد بن ابراہیم مینشا پوری فرماتے ہیں کہ ایک دن اسحاق بن راہویہ اپنے گھر میں داؤد ظاہری کی کچھ باتیں سن کر اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کی پٹائی کی اور اس پر انکار کیا۔

(سیر اعلام النبلاء، صفحہ ۳۹۵، جلد ۱۰)

محمد بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں داؤد ظاہری کو ملنے کے لئے گیا تو امام احمد بن حنبلؒ سے ناراض ہو گئے۔ چنانچہ میں جب ان کے پاس گیا تو مجھ سے بات نہ کی، پھر ایک آدمی نے امام احمدؒ سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! اس نے داؤد ظاہری کی ایک مسئلہ میں تردید کی ہے تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ اس نے پوچھا تھا کہ جب خشکی مر جائے تو اس کو کس کون دے گا؟ داؤد نے کہا کہ اس کے خدام، تو محمد بن عبد اللہ نے کہا کہ خدام تو آدمی ہیں، اس کو تو تحیم کر لیا جائے گا۔ امام احمدؒ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ اس نے درست کہا، اس نے درست کہا، اس نے کس قدر عمدہ جواب دیا۔ (سیر اعلام النبلاء، صفحہ ۳۹۴، ۳۹۵، جلد ۱۰)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ داؤد ظاہری اور اس کے پیغمبر کے اختلاف قابل گفتی قابل شمار ہونے کے بارے میں علماء کے وہ قول ہیں۔ پس جو لوگ ان کے اختلاف کو (اپنی سب میں) لائق شمار سمجھتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہمارا ان کو شمار کرنا اس لئے نہیں کہ ان کے

تفردات حجت ہیں، بلکہ اس لئے کہ تمہوڑی ہی اس کی حکایت کر دی جائے، ان کے بعض اختلاف قابل جواز ہیں اور بعض ساقط الاعتبار ہیں، پھر جن مسائل میں وہ متفرد ہیں وہ ایسے ہیں جو اجماع ظنی کی مخالفت کے قبیل سے ہیں اور ان کی اجماع قطعی کی مخالفت کم ہے اور جنہوں نے ان کا ابطال کیا ہے اور ان کو لائق شمار نہیں سمجھا انہوں نے ان کو مسائل متفردہ کی بنا پر دین سے خارج شمار نہیں کیا اور نہ ان کی وجہ سے ان کو کافر کہا، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ عوام کے مقام کے ہیں، یا یہ فروع میں شیعوں جیسے ہیں۔ ہم نہ ان کی باتوں کی طرف توجہ کریں گے نہ ان کے ساتھ اختلاف قائم کریں گے اور نہ ان کی کتب کی تحصیل کا ارادہ کیا جائے گا اور نہ ہم عوام مفتوی پوچھنے والوں کی ان کی طرف رہنمائی کریں گے، جب یہ لوگ آپس میں کسی ایسے مسئلہ کو ظاہر کریں گے جو یقیناً باطل ہے، جیسے (وضو میں) دونوں پاؤں کا مسح کرنا، تو ہم ان کو مہذب بنانے کے لئے سزاویں گے اور ان پر قطعی طور پر پاؤں کا دھونا لازم کریں گے۔

استاد ابو اسحاق سمرانی نے فرمایا کہ تمہوڑیوں کا قول یہ ہے کہ یہ قیاس کی لگی کرنے والے کبھی بھی مرتبہ اجتہاد کو نہیں پہنچتے اور (اسلامی حکومت) میں ان کو حج بنانا جائز نہیں ہے اور استاد ابو منصور بغدادی نے ابو علی بن ابی ہریرہ اور شافعی کے ایک گروہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ داؤد ظاہری اور تمام منکرین قیاس کے اسوں سے پہلے فروع میں بھی اختلاف کا اعتبار نہیں۔ ابو الہادی امام الحرمین فرماتے ہیں کہ اہل تحقیق کا مذہب یہ ہے کہ منکرین قیاس کو علماء امت میں سے شمار نہ کیا جائے گا اور نہ ہی وہ عالمین شریعت ہیں اس لئے کہ وہ ان مسائل میں جو شہرت اور تواتر سے ثابت ہیں راہ معاد پر ہیں اور جھوٹ کی وجہ سے لوگوں کو حیرت زدہ کرنے والے ہیں، کیونکہ شریعت کا اکثر حصہ اجتہاد سے صادر ہونے والا ہے اور نصوص صریحہ شریعت کے عشر عشر کو بھی نہیں پہنچتے ہیں، اور یہ لوگ عوام کے ساتھ ملحق ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء، جلد ۱، صفحہ ۷۶۶-۷۶۷، جلد ۱۰)

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری متوفی ۵۵۶ھ

داؤد ظاہری کی طرح ابن حزم ظاہری کو بھی بعض نے بالکل زد کر دیا اور بعض نے اس کے نقل آج تک کو سراہا اور اس کی کتب سے استفادہ کیا۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ: "ابن حزم نے پہلے علم ادب، علم تاریخ، علم شعر، علم منطق اور علم فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ منطق اور فلسفہ نے اس میں ایسا اثر کیا کہ کاش وہ اثر سے بچ جاتا اور یقیناً میں نے اس کی ایک کتاب دیکھی جس میں وہ منطق کے اہتمام پر ابھارتا ہے اور اسے دوسرے علوم پر مقدم کرتا ہے تو مجھے اس کی وجہ سے بہت تکلیف ہوئی، اس لئے کہ وہ علوم اسلامیہ کا رکن اور نقل میں متحرک اور پے نظیر ہے۔ ہر وہ جو اس خشکی کے جو اس میں پائی جاتی ہے اور فروع میں حد سے زیادہ ظاہریت نہ کرنا اصول میں کہنا گیا ہے کہ اس نے پہلے لفظ شافعی حاصل کی، پھر اس کا اجتہاد اس کو ہر قسم کے قیاس ظنی و ظنی کی نفی اور نصوص کے ظاہر اور قرآن وحدیث کے عموم اور براۃ الصلیہ اور اصحاب حال کی طرف لے گیا، اور اس بارے میں اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور اس پر مناقب لکھے اور اپنی زبان اور قلم کو سوت لیا اور ائمہ کرام سے خطاب میں کسی ادب کا لحاظ نہ کیا بلکہ سخت مہارات لکھیں اور نیر اجملا کہا اور ناک کان کاٹنے میں کسر نہ چھوڑی، تو اس کو جزا بھی اس کے فعل جیسی ملی، اس طرح کہ ائمہ کرام کی ایک جماعت نے اس کی تصانیف سے اعتراض کیا اور ان کو چھوڑ دیا اور ان سے نفرت کی اور ایک وقت میں ان کو جلا دیا گیا۔ دوسرے علماء نے ان کا اہتمام کیا اور ان کی تقییس حرج اور استفادہ کے طور پر اور (کچھ مسائل) لینے اور مواخذہ کے طور پر کی اور ان میں ٹکئی کوڑیوں کی ترتیب میں کچھ قیمتی موتی ملے ہوئے پائے۔ تو کبھی تو خوش ہوتے اور کبھی توجہ کرتے اور کبھی اس کے تفردات سے مذاق کرتے۔"

(سیر اعلام النبلاء، جلد ۱، صفحہ ۵۳۱، جلد ۱۳)

علامہ ذہبی ابو القاسم صاعد کا یہ قول نقل کر کے کہ: "ابن حزم نے علم منطق میں

بہت ترقی کی پھر اس کو چھوڑ دیا۔" فرماتے ہیں کہ اس نے منطق کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اس

منطق نے اس کے دل میں شک سے انحراف اور ایسی بہت سی چیزوں کا بیج بو دیا۔

(سیر اعلام النبلاء، صفحہ ۵۳۲، جلد ۱۳)

خلاصہ کلام یہ ہے..... کہ اصحابِ علو اور کواکبِ اسلاف نے کئی طور پر

قبول نہیں کیا، بلکہ ان کے تفردات پر گرفت کی ہے، تو غیر مقلدین اگر ان جیسے بھی ہوتے تو گرفت سے نہ بچتے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اہل ظاہر پھر بھی کچھ علمی گروہ تھا جبکہ یہ گروہ کسی علمی تحقیق کے نتیجے میں نہیں بلکہ انگریزی حکومت کی سیاسی ضرورت پوری کرنے کے لئے معرض وجود میں آیا۔ غیر مقلدیت کا دوسرا نام "لائبہ بیت" ہے جس کو مذہبی آزادی کے نام سے انگریزوں نے اس علاقے میں پھیلا یا جیسا کہ درج ذیل حوالہ جات سے واضح ہوتا ہے۔

۱:..... نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ: "یہ آزادی ہمارا مذہب جدیدہ (مذہب اربو فقہاء "نائل") سے مین مراد قانون انگلشیہ ہے۔"

(ترجمان و ہابیہ، صفحہ ۲۰)

۲:..... نیز نواب صاحب فرماتے ہیں کہ: "فرمانروایان بھوپال کو ہمیشہ آزادی مذہب میں کوشش رہی جو خاص منشا گورنمنٹ انڈیا کا ہے۔" (ترجمان و ہابیہ، صفحہ ۳)

۳:..... نیز فرماتے ہیں کہ: "دولت عالیہ برٹش نے اس معاملہ میں قدیم و جدیداً ہر جگہ انصاف پر نظر رکھی، کسی جگہ مجرہ تہمت و اختراء پر کارروائی خلاف واقعہ نہیں فرمائی بلکہ اشتہار آزادی مذہب جاری کئے۔" (ترجمان و ہابیہ، صفحہ ۳)

۴:..... "اگر کوئی بدخواہ و بداندیش سلطنت برٹش کا ہوگا تو وہی شخص ہوگا جو آزادی مذہب کو ہنسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ و دادوں کی طرف سے چلا آتا ہے جما دیا ہے۔" (ترجمان و ہابیہ، صفحہ ۵)

۵:..... مولوی محمد حسین شاہی بھی اس لائیبہ بیت کو یورپ سے آنے والی کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "اے حضرات یہ مذہب سے آزادی اور خود سری اور خود اجتناب کی

تجزیہ ہوا یورپ سے چلی ہے اور ہندوستان کے ہر شہر و ہستی و کوچہ و گلی میں پھیل گئی ہے۔ جس نے غالباً ہندوؤں کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان نہیں رہنے دیا۔"

(اشاعت السنہ، صفحہ ۲۵۵، جلد ۱۹، شمارہ ۸، صفحہ ۲۵۵)

مولوی عطاء اللہ حنیف بھوجیا نومی کے شاگرد پروفیسر محمد مبارک استاد اسلامیات لیاہ الدین میموریل گورنمنٹ کالج فرماتے ہیں کہ: "جماعت غرباء و اجدیت کی بنیاد صرف محدثین کی مخالفت کے مقصد کے لئے رکھی گئی تھی، صرف یہی مقصد نہیں بلکہ تحریک مجاہدین یعنی سید احمد (شہید) کی تحریک کی مخالفت کر کے انگریزوں کو خوش کرنے کا مقصد پنہاں تھا۔" (علماء احناف اور تحریک مجاہدین، صفحہ ۳۸)

نوٹ:..... واضح رہے کہ یہ غرباء و اجدیت غیر مقلدین کی سب سے پہلی جماعت ہے جس کی بنیاد ۱۳۱۳ھ میں رکھی گئی۔ بقیہ تمام جماعتیں بقول مولوی عبدالستار اس کے بعد میں آئیں۔ (خطبات امارات، صفحہ ۳۶)

علمی قابلیت:..... پھر اہل مظاہر علمی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جبکہ غیر مقلدین اس نعمتِ علم سے خالی ہیں یا برائے نام علمی صدر رکھتے ہیں۔ اکثر دوسرے لوگوں کی کتب کی تفسیر کر کے اپنے نام سے شائع کرتے رہتے ہیں، ان کی تفسیر "فتح المنان" مصنفہ ۱۳۰۰ھ شوکانی کی "فتح القلیوب" کا خلاصہ ہے اور "الروضۃ الندیۃ" شوکانی کی "الدر الہیہ" کا ترجمہ ہے۔ "عنوان الباری" شوکانی کی "تیل الاوطار" سے ماخوذ ہے۔

میاں نذیر حسین صاحب جن کی وجہ سے ہندوستان میں غیر مقلدیت پھیلی ہے، ان کا مبلغِ علم بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت رائے پوری ان کے درسِ قرآن کا حال تحریر فرماتے ہیں: "میاں صاحب تشریف لائے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور قرآن پاک کا درس شروع ہو گیا۔ دہلی کے ایک سوداگر جس کی آواز بلند اور بھاری بھر کم تھی ترجمہ کرتے تھے اور ان صاحب تفسیر بیان فرماتے تھے۔ جب کوئی آیت کفار کی خرابی عقائد کی یا یہود کے

بارے عقائد و اعمال کی خرابی کے بیان میں آتی تو پڑھنے والے کہنے لگتے کہ خنقی بھی ایسا کرتے ہیں، خنقی بھی ایسا مانتے ہیں۔ اس پر میاں صاحب کسی وقت تو فرما دیتے پلو آ کے کسی وقت فرماتے جکتے ہیں۔ اس سے میرے دل میں ان کے متعلق اچھی رائے قائم نہ ہو سکی اور میں یہ سمجھا کہ یہ تو سب جہلاء کا مجمع ہے۔ درس حدیث میں بھی ایسا ہی مشغلہ تھا جس کی وجہ سے میرے جو خیالات ان کو دیکھ کر پہلے والے قائم ہوئے تھے اب اس کے خلاف خیالات ہوتے چلے گئے۔ میاں صاحب کے پیرے پر نورانیت بھی نہ تھی برس کی تو میں نے تاویل کر لی تھی کہ بڑھاپے کی وجہ سے یہ کیفیت ہے۔ مگر کہاں تک تاویل کرتا۔ ایک حدیث میں ایک لفظ آیا جس کا ترجمہ تو پڑھنے والوں کو آیا اور نہ میاں صاحب کو۔“

(مجالس حضرت رائے پوری، صفحہ ۱۱۸)

نیز فرماتے ہیں:۔ ”یہی حال خیر سے وہاں کے طلباء اور حدیث کی سند لینے والے علماء کا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب جموپال کے مشہور عرب عالم کے پاس حدیث پڑھ کر آیا ہوا اپنے آپ کو بتاتے لگا، مگر میری جب ان سے بحث ہوئی تو میں بعض اوقات کہتا کہ حاشیہ دیکھو تو حاشیے تو عموماً حنفیوں کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں وہ چونکہ صرف ونحو کے بغیر بے قاعدہ پڑھے ہوئے لوگ تھے حاشیہ نہ پڑھ سکتے، یہ حالت تھی محدثین کی۔“

(مجالس حضرت رائے پوری، صفحہ ۱۱۹)

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب حضرت قانوی کے ایک خواب اور اس کی تعبیر کا ذکر فرماتے ہیں:۔ ”حضرت والا کے ایک زمانہ طالب علمی کا خواب یاد آ گیا، یہ دیکھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب کی دہلیز میں کچھ طلباء جمع ہیں اور چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے۔ گو حضرت والا کو چھاچھ سے بلعابے حد رغبت ہے لیکن خواب میں اس چھاچھ کے لینے سے انکار کر دیا جو وہاں تقسیم ہو رہی تھی۔ حضرت والا کے ذہن میں اس خواب کی تعبیر فوراً یہ آئی کہ اس جماعت کا طریق دین کی محض صورت ہے جس میں معنی نہیں ہے، جیسے چھاچھ کو صورتاً دودھ کے مشابہ

ہے لیکن اس میں روغن نہیں ہوتا۔ دین کی اور علم کی صورت مثالی دودھ ہے جس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے اور یہاں دودھ کی بجائے چھاچھ تقسیم ہوتے دیکھی گئی جو دودھ کے مشابہ ہوتی ہے لیکن دودھ میں جو اصل چیز ہے یعنی روغن وہ اس میں نہیں ہوتا۔“

(اشرف السوانح، صفحہ ۱۲۳)

مولوی عبدالجید صاحب ہزاروی فرماتے تھے کہ جب میں نے مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے پاس حدیث شریف پڑھنی شروع کی تو دل اندر سے گھبراتا تھا اور خواب میں فرشتوں کے بچے نظر آیا کرتے کہ میرے چاروں طرف پھرتے ہیں۔ ایسی خواہشیں دیکھ کر میرا دل بالکل اچاٹ ہو گیا اور میں وہاں سے روانہ ہو کر سیدھا حاج مراد آباد حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ وہاں حاضر ہو کر میں نے اپنے پڑھنے اور دین کی حالت بیان کی۔ مولانا نے دریافت فرمایا پڑھتے کہاں ہو؟ میں نے عرض کیا دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کے پاس۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گناہ مولانا رشید احمد صاحب کی خدمت میں جا کر پڑھو، وہاں حدیث کی دوکان کھلی ہوئی ہے۔“

(تذکرۃ الرشید، صفحہ ۳۲۰، جلد ۴)

میاں صاحب کی عربی استعداد ہدایۃ اللہ تک محدود تھی۔ اسی وجہ سے وہ جناب مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمۃ کے حلقہ درس میں اس وقت شریک ہونے کی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ (الہیات بعد الہیات، صفحہ ۳۳) قاضی عبدالاحد صاحب خاٹی پوری غیر مقلد فرماتے ہیں:۔ ”اس زمانہ کے جنوں نے اہل حدیث، مجتہدین، مقلدین سلف صالحین جو تھقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعوں وروافض کے۔“

(کتاب التوحید والسنۃ، صفحہ ۲۶۲)

نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں:۔ ”اس زمانہ میں ایک شہرت نادر یا کارفرقہ پیدا ہوا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کا عالم اور عامل ہے، حالانکہ

قرآن و حدیث کی ان کو سمجھ بھی نہیں، بلکہ قرآن و حدیث کے خادم علوم صرف، نہی لغت، معانی، بیان سے بھی گورے ہیں۔ ان میں جو بڑا کلمہ ذہن ہو اس کو فقیر کہتے ہیں، نہ ان میں حدیث کی سمجھ ہے نہ حدیث پر عمل، بلکہ صرف زبانی دعوؤں پر زور دیتے ہیں اور تاویلات شیطانہ کا نام اجتناب سنت رکھتے ہیں اور یہ اس فرقے کے ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب، تندہ دست بیمار سب کی یہی عادت ہے۔ حلال حرام کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتے۔ ان کے وہاں میں اسلام کی محاسن کا بھی گزر نہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ”احادیث“ زبان سے اس رسول کو پڑھتے ہیں جو ساری مخلوق سے افضل ہیں مگر خود یہ لوگ ساری مخلوق سے بدترین ہیں۔ ان کی مثال اس شخص کی ہے جو لوگوں کو بتاتا ہے کہ چاندی کے پیالہ میں پانی پینا حرام ہے مگر خود چاندی کا پیالہ چرا کر لے جاتا ہے۔ کتنی حیرانی مگی بات ہے کہ وہ اپنے آپ کو خالص توحید والا کہتے ہیں، دوسروں کو مشرک اور بدعتی کہتے ہیں حالانکہ وہ دین میں سب سے زیادہ متعصب ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی آنکھیں دکنے لگتی ہیں، حلق زخمی ہو جاتا ہے، دلوں میں شہیں اٹھتی ہیں، روہیں بخار میں مبتلا ہو جاتی ہیں، سینے ٹم سے بھر جاتے ہیں اور دل بیمار ہو جاتے ہیں۔ یہ فرقہ دین میں بہت عظیم وقت ہے اور بہت بڑا فساد ہے۔“

(اصطلاح صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۱، ملخصاً)

ماضی قریب کے کثیر التصانیف غیر مقلد عالم علامہ احسان الہی ظہیر کے بارہ میں عبد الرحمن مدنی غیر مقلد تحریر کرتے ہیں: ”الحمد للہ مجھے اس شخص کی طرح کسی احساس کمتری کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں کہ اپنی تعریف میں خود مضمون لکھ کر دوسروں کے نام سے یاد دوسروں سے مضامین اور کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے شائع کروں۔ اس سلسلہ میں کسی غیر کی گواہی کا محتاج بھی نہیں بلکہ میرے گواہ میرے اپنے شاگرد ہیں جو خود احسان الہی ظہیر کے لئے عربی اردو میں کتابیں لکھتے ہیں، پھر احسان الہی ظہیر ان کا نام دینے بغیر اپنے نام سے یہ کتابیں شائع کر کے اپنی شہرت کا ڈھنڈورا بیٹاتا ہے۔ کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص

اگر بڑی زبان نہ بول سکتا ہونے پڑے اور سمجھ سکتا ہو، اس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اس کے نام سے شائع ہوں۔ جہاں تک اس کی عربی دانی کا تعلق ہے اس کا بھی صرف دعویٰ اس سے ورنہ اس کی مطلوبہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرا نمبر یا زبان کی غلطیوں سے پاک ہو۔ لہذا عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الہی کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں جبکہ یہ شکایت اس کی کتابوں میں اردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اردو عبارت کچھ ہوتی ہے اور عربی عبارت کچھ، جو عربی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کر دی جاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ہر کتاب کے اوپر احسان الہی ظہیر کے تعارف کے لئے بہترین الفاظ ”رئیس التحریر مجلہ ترجمان الحدیث لاہور پاکستان“ طبع کئے جاتے ہیں اور کون اس سے واقف نہیں کہ مجلہ ترجمان الحدیث سالہا سال تک نہ صرف اپنے رئیس التحریر کی کاوش سے خالی رہتا ہے بلکہ ایسے ہی لوگوں کی حالت کا نقشہ قرآن مجید نے یوں کھینچا ہے۔۔۔

لَا تَحْسِبَنَّ الْمَدِينَةَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَا وَيَحْزَنُونَ بِمَا حَمَلُوا بِمَالِهِمْ يَفْعَلُوا
وَلَا تَحْسِبَنَّ بِمَسَافِرَةٍ مِنَ الْعَذَابِ تَرْجَمُهُ۔۔۔ اے میرے نبی! جو اپنے کئے پر اترتے ہیں اور یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی اس کام پر تعریف کی جائے جسے انہوں نے نہ کیا ہو تو آپ انہیں ہرگز عذاب الہی سے کامیاب گمان نہ کیجئے۔ ”پھر مسجد نبویا نوالی اور احسان الہی ظہیر کے سابق اہل محلہ ان دنوں کو نہیں بھولے جب یہ شخص چھوٹے بچوں کو چند ٹکے بلکہ بسا اوقات وہ بچے دے کر سکھایا کرتا تھا کہ مجھے علامہ کہا کرو۔“

(ہفت روزہ الحمد بیٹ الاہور، ۳/ اگست ۱۹۸۲ء، مطابق ۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ، صفحہ ۶)
تذکرہ:۔۔۔۔۔ اس مضمون کی پہلی قسط شائع ہونے کے بعد ابھی دو چار دن پہلے بندہ کو ایسے آباد سے ایک دوست نے فون کیا کہ علامہ احسان الہی صاحب نے اپنی کتاب

"البریلویہ" میں علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ کی کتاب مطالعہ بریلویت سے کافی سرفق کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔۔۔۔۔ یہ تو چند داخلی اور خارجی شہادات ان غیر مقلدین کے بارہ میں ہیں جن کو علمی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ باقی اس جماعت میں ایسے لوگوں کی بہتات ہے جن کو عربی تو عربی آردو کی ذرہ برابر واقفیت نہیں، اپنا نام لکھنا نہیں جانتے لیکن اتر مقام کے خلاف زبانِ طعن ہر وقت کھلی رہتی ہے۔

چھپو، وطنی میں محکمہ جنگلات میں ایک غیر مقلد ملازم اپنے انسر اور دوسرے لوگوں کو اپنے مسلک کی تبلیغ کرتا تھا، ایک آدمی نے اس سے نماز سنی تو نماز نہیں آتی تھی۔ کیا یہ قیامت سے کم ہے کہ خود کو نماز نہ آتی ہو اور پوری امت کو بے نمازی کہیں؟ اسی طرح بورے والا کے علاقہ میں ایک حافظ صاحب دیہات میں امام تھے، وہاں کسی شخص نے اعتراضات شروع کئے کہ امام صاحب بہت جلد نماز پڑھاتے ہیں، ہمیں فاتحہ کا موقع نہیں ملتا اور مقتدیوں میں فاتحہ خلف الامام کی خوب تبلیغ کرتے تھے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حافظ صاحب جو امام تھے ایک دن انہوں نے کہا کہ تو پوری نماز سنا تو فرماتے ہیں کہ اس کو فاتحہ نہیں آتی تھی اور یہ تو بارہا کا تجربہ ہے کہ ان کے نام نہاد مولویوں نے شور مچایا کہ رفع یدین سنت ہے۔ جب سوال کیا گیا کہ نماز کی کل سنتیں بتاؤ کتنی ہیں تو اپنا سامنے لے کر اٹھ گئے، تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم ان کو اہل ظاہر کے ایک علمی طبقے کے افراد قرار دے کر انزلوا الناس منازلہم کی مخالفت کریں۔

نتائج ظاہریت و غیر مقلدیت:۔۔۔۔۔ یہ بات ہر طبقہ میں مسلم ہے کہ درست اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اگر اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو بھی واضح ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اصحابِ فتوا ہر سے اتنے گزروے نتائج صادر نہیں ہوئے جتنے کروے پھل دور حاضر کی لامذہبیت کے شجر کو لگ رہے ہیں۔ بیگانے تو بیگانے اپنے بھی سر پیٹ رہے ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔۔۔۔۔ مولوی محمد حسین صاحب ناالوی فرماتے ہیں: "پچیس برس کے تجربہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں بعض عیسائی بن جاتے ہیں اور بعض لاد مذہب، جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے، اور احکام شریعت سے فسق و فجور تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔ ان فاسقوں میں بعض تو حکم کھلا جماعت، نماز اور روزہ چھوڑ دیتے ہیں، سود و شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پیشا لیتے ہیں، ناجائز حیلوں سے لوگوں کے مال و حقوق و بار کھتے ہیں، کفر و ارتداد کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔

(رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۳، جلد ۱۱، مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

۲۔۔۔۔۔ مولوی عبدالاحد خان پوری فرماتے ہیں: "جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز "کفر و نفاق" کے تھے اور مدخل ملاحدہ اور زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف۔ اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں، ملاحدہ اور زنادقہ منہ نقین کے بعد مثل تشیع کے۔ مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؑ اور حضرات حسینؑ کی فلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلا دیں، کچھ پروا نہیں۔ اسی طرح ان جہال کا ذب اہل حدیثوں میں (جو) ایک دفعہ رفع یدین کرنے اور تقلید کا ترک کر کے اور سلف کی ہتک کر کے مثل امام ابو حنیفہ کے جن کی امامت فی اللقبہ اجماع کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر بد اعتمادی اور الحاد و زندقہ بقیت ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ پتلیں بہ چھیں نہیں ہوتے، اگرچہ علماء فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو مستہب کریں، ہرگز نہیں سنتے۔

”البریلویہ“ میں علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ کی کتاب مطالعہ بریلویت سے کافی سرتق کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ تو چند اعلیٰ اور خاریجی شہادت ان غیر مقلدین کے بارہ میں ہیں جن کو علمی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ باقی اس جماعت میں ایسے لوگوں کی بہتات ہے جن کو عربی تو عربی اردو کی ذرہ برابر واقفیت نہیں، اپنا نام لکھتا نہیں جانتے لیکن ائمہ عقام کے خلاف زبان طعن ہر وقت کھلی رہتی ہے۔

چیچہ وطنی میں محکمہ جنگلات میں ایک غیر مقلد ملازم اپنے افسر اور دوسرے لوگوں کو اپنے مسلک کی تبلیغ کرتا تھا، ایک آدمی نے اس سے نماز پڑھنی تو نماز نہیں آتی تھی۔ کیا یہ قیامت سے کم ہے کہ خود کو نماز آتی ہو اور پوری امت کو بے نمازی کہیں؟ اسی طرح بورے والا کے علاقہ میں ایک حافظ صاحب دیہات میں امام تھے، وہاں کسی شخص نے اعتراضات شروع کئے کہ امام صاحب بہت جلد نماز پڑھتے ہیں، ہمیں فاتحہ کا موقع نہیں ملتا اور مقتدیوں میں فاتحہ خلف الامام کی خوب تبلیغ کرتے تھے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حافظ صاحب تو امام تھے ایک دن انہوں نے کہا کہ تو پوری نماز سنا تو فرماتے ہیں کہ اس کو فاتحہ نہیں آتی تھی اور یہ تو بارہا کا تجربہ ہے کہ ان کے نام نہاد مولویوں نے شور مچایا کہ رفع یدین سنت ہے۔ جب سوال کیا گیا کہ نماز کی کل سنتیں بتاؤ کتنی ہیں تو اپنا سامنے لے کر اٹھ گئے، تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم ان کو اہل ظاہر کے ایک علمی طبقے کے افراد قرار دے کر انزلوا الناس منازلہم کی مخالفت کریں۔

نتائج ظاہریت و غیر مقلدیت:..... یہ بات ہر طبقہ میں مسلم ہے کہ درست اپنے پہل سے پہچانا جاتا ہے، اگر اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو بھی واضح ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اصحاب نوابہر سے اتنے کڑوے نتائج صادر نہیں ہوئے جتنے کڑوے پہل دور حاضر کی لامذہبیت کے شجر کو لگ رہے ہیں۔ بیگانے تو بیگانے اپنے بھی سر پیٹ رہے ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

..... مولوی محمد حسین صاحب بلاوی فرماتے ہیں: ”بچپن میں رکن کے تجربے سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں بعض عیسائی اور جاتے ہیں اور بعض لامذہب، جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے، اور احکام شریعت سے نفرت و بغور تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔ ان فاسقوں میں بعض تو حکم کھلا جماعت، نماز اور روزہ چھوڑ دیتے ہیں، سود و شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی سے سبق ظاہری سے بچتے ہیں وہ نفی نخی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، ناجائز حیلوں سے لوگوں کے مال و حقوق و بار کھتے ہیں، کفر و کفر کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دیداروں کے بے دین ہو جانے کے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔

(رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۳، جلد ۱۱، مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

..... مولوی عبدالاحد خان پوری فرماتے ہیں: ”ہمیں طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دلہیز“ کفر و نفاق“ کے تھے اور مدخل ملاحظہ اور زیادہ کا تھے اسلام کی طرف۔ اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دلہیز اور مدخل ہیں، ملاحظہ اور زیادہ متانتین کے بعینہ مثل تشیع کے..... مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحظہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؑ اور حضرات حسنینؑ کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں اور پھر اس قدر الحاد و زندقہ پھیلا دیں، کچھ پروا نہیں۔ اسی طرح ان جہال کا ذب اہل حدیثوں میں (جو) ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کی جنگ کرے مثل امام ابو حنیفہ کے جن کی امامت فی اللہ اجماع کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر بید اعتمادی اور الماد و ذمہ داریت ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ جھیل بہ نہیں لیں ہوتے، اگرچہ علماء فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں، ہرگز نہیں سنتے۔

(عیون زوجہ، ص ۱۹) اس پر محمد حسن چیمہ مرزائی نے مولوی محمد علی اور ان کی تیسرے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔ ہم آج بڑی خوشی سے اعلان کرتے ہیں کہ مولانا مرحوم (محمد علی) کے رخصت قلم سے متاثر ہو کر ضلع گجرات کے سب سے بڑے عالم اور فقیہ اور محدث نے جو پاکستان ہجر کے چیدہ قاضیوں میں سے ایک مستند عالم ہیں اور جماعت الجمعہ دہلی کے امیر اور مسجد الجمعہ دہلی گجرات کے خطیب ہیں جن کا اسم گرامی حافظ عنایت اللہ اثری وزیر آبادی ہے، حال ہی میں انہوں نے ایک مفصل اور ہموار کتاب جو ۱۸۳ صفحات پر مشتمل ہے، شائع کی ہے۔ اس کتاب میں قرآن شریف کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ نہیں تھے۔ یہ بڑی دلچسپ اور بڑے معارف کتاب ہے۔ آگے فرماتے ہیں شکر ہے ہمارے علماء میں سے اس عالم کو جرأت ہوئی کہ عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کے پیش نظر انہوں نے مسیح علیہ السلام کی شخصیت کا جائزہ لیا اور انہیں عام انسانوں میں لاکھڑا کیا۔ ہم حافظ عنایت اللہ صاحب سے یہ توقع بھی رکھتے ہیں کہ جہاں انہوں نے جرأت سے کام لے کر حضرت مسیح کو باپ ثابت کیا ہے وہاں وہ یہ بھی قرآن و حدیث سے ثابت کر دیں گے کہ مسیح علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۷۰۰ سال قبل دنیوی زندگی کو خیر باد کہہ کر اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے اور جنت الفردوس میں داخل ہو گئے۔" (الاعطال الجلیع، صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴)

الدکھے بانو گفتم غم دل و تو سیدم

کہ آزودہ دل نشوی ورقہ سخن بسیار است

تو ایسے گروہ کے بارہ میں تاویلات کر کے حسن ظن پیدا کرنا حد و شرع کو توڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ افراط و تفریط سے محفوظ فرما کر ہم سب کو حد و شریعہ کی حفاظت کی توفیق عطا

فرمائیں۔ آمین!

رسالہ

”غیر مقلدین کی فقہ کے دو سو مسائل“

کے بارہ میں ضروری وضاحت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب مفتی محمد انور اذکار ذوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب عالی عرض یہ ہے کہ مرحوم مولانا محمد امین اذکار ذوی صاحب نے ایک رسالہ

لکھا جس کا نام ”غیر مقلدین کی فقہ کے دو سو مسائل“ ہے۔

ان مسائل کو چیک کیا گیا تو بڑی مشہور کتب حنفیہ مثلاً غایۃ الاوطار (در مختار) ہفتی

تالیف رفقاوی عالمگیری، ہدایہ وغیرہ میں یہ موجود ہیں۔

اس کا آپ بھی اعتراف کرتے ہیں لیکن فرماتے ہیں یہ الزامی طور پر لکھا ہے، اس

کا جواب ذرا تفصیل سے دیجئے۔ شکریہ!

..... عبدالرؤف ۲۷/۴/۲۰۰۳

الجواب بتوفیق ملہم التصواب

واضح ہو کہ غیر مقلدین عوام کا یہ ذہن بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا ہر مسئلہ

قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور مقلدین بالخصوص احناف قرآن و سنت کے خلاف فقہی

اقوال کو مانتے ہیں۔ نیز فقہ حنفی کے بہت سے مسائل شرم و حیا کے خلاف ہیں۔ ان مسائل

نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کر دیا ہے، ان کی ان باتوں کی حقیقت واضح کرنے کے لئے

غیر مقلدین کے دو مسائل شائع کئے گئے ہیں اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ "ان مسائل کے موافق ایک ایک صریح غیر معارض حدیث پیش کر دیں۔" تاکہ عوام کو پتہ چل جائے کہ واقعی یہ قرآن و حدیث سے ہی مسائل لیتے ہیں ورنہ ان پر ان کے پہلے دعویٰ میں جھوٹے ہونے کا الزام لگے گا۔ اسی طرح فقہ کے بہت سے مسائل جن کو شرم و حیا کے خلاف کہا جاتا تھا وہی مسائل غیر مقلدوں کی کتاب سے ذکر کر دیئے صرف یہ الزام دینے کے لئے کہ اگر یہ شرم و حیا کے خلاف ہیں تو آپ کی کتابیں بھی شرم و حیا سے خالی ہیں۔ ہم ان مسائل کو عوامی ضرورت کے تحت لکھتے ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ انگلی وغیرہ کے قتل یا ڈھونڈ میں داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا اور وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔ فقہ کے اس مسئلہ کو کبھی خلاف حیا کہہ کر نشر کیا گیا۔ کبھی یہ کہا گیا کہ انگلی بازی کی فقہ میں نعوذ باللہ اجازت دینی گئی ہے تو دو سو مسائل میں نزل الابرار صفحہ ۲۳، جلد ۱ سے بھیجے یہی حوالہ نقل کر دیا گیا کہ اگر آپ کے نزدیک اس مسئلہ کے ذکر کرنے سے بے حیائی اور انگلی بازی کا دروازہ کھلتا ہے تو یہ آپ کی کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے، بلکہ آپ کی کتاب کا حوالہ ہمارے حوالہ سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ ہمارے مسئلہ کی نسبت فقہ کی طرف سے جو امتیاز کی ہے جن سے خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے مگر آپ نے اپنی کتاب کا نام "نزل الابرار من فقہ النبی المختار" رکھا ہے اس مسئلہ کو فقہ نبوی قرار دیا اور اس بے حیائی اور بدکاری کی نسبت نعوذ باللہ بغیر سلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی، آپ کو الزام دینے کے لئے یہ مسئلہ ہم نے لکھا۔

حقیقت واقعہ

ایسے فقہی مسائل کے بارے میں توضیح یہ ہے کہ فقہاء کرام فقہ میں ہر اس مسئلہ کا حکم لکھتے ہیں جو عوام کو قلت یا کثرت کی صورت میں پیش آتا ہو یا پیش آسکتا ہو خواہ وہ کام جائز ہو یا ناجائز تاکہ بحکم دین کی شان کھل کر سامنے آئے کیونکہ کامل دین میں ہر مسئلہ کا حل

ضروری ہے۔ دنیوی قوانین میں بھی جرائم کا تذکرہ اور ان کی سزاؤں کا ذکر ہوتا ہے تو کوئی لکھیں یہ کہے کہ قانون کی کتابوں میں جرائم کا ذکر کر کے جرائم کو پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے تو برا آدمی کہے گا کہ یہ بات غلط ہے حکیموں اور ڈاکٹروں کو زمانہ امراض ذکر کرتے ہوئے بہت سے ایسے مسائل ذکر کرنے پڑتے ہیں جو بلا ضرورت عام حالت میں بے حیائی اور متانی بہت شامکے جاتے ہیں۔ مگر اطباء کا کتب میں ان کا ذکر کرنا یا امر ایضاً سے ان باتوں کی تحقیق کرنا ان کی ضرورت ہے۔ اب اگر کوئی آدمی کہے کہ طب کی کتابوں میں بڑی بے غیرتی اور بے حیائی کی باتیں لکھی ہیں ان کو جلادو تو ہر آدمی کہے گا کہ یہ اس فن کا آدمی نہیں ہے اور یہ اس ضرورت سے ناواقف ہے۔

لطیفہ:

بورے والا میں ڈاکٹر ابرار احمد صاحب ایک دفعہ دو آدمیوں کو لے کر میرے پاس آئے اور بیٹھتے ہی فرمانے لگے کہ یہ ماسٹر صاحب ہمارے دوست ہیں اور الحمد للہ مسلمان کے بڑی راقی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کس قسم کے الحمد للہ ہیں؟ فرمانے لگے کہ الحمد للہ کی اسی قسمیں ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں الحمد للہ کا معنی ہے حدیث والا اور چونکہ حدیث کے کئی معنی آتے ہیں اس لئے الحمد للہ کے بھی مختلف معانی ہوں گے۔

حدیث عربی میں بات کو بھی کہتے ہیں تو الحمد للہ کا معنی ہوگا یا توئی (جو ہر وقت بولتا رہے کسی کی شے اپنی ہی سنائے)۔

۲۔۔۔ حدیث ہنقا بلہ قدیم یعنی نیا تو الحمد للہ کا معنی ہوگا یا فرقہ۔

۳۔۔۔ حدیث انفس یعنی خیال اور دوسو تو الحمد للہ کا معنی دوسووں والا ہوگا۔

۴۔۔۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک طویل حدیث ذکر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان پر لعنت کر کے فرمایا کہ اس نے اپنی ذم اپنی ڈب میں داخل کی اور سات

انڈے دینے۔ ان میں سے ہر ایک انڈے سے ایک بچہ پیدا ہوا اور ہر ایک اولاد آدم کے بہکانے کے واسطے مقرر ہوا۔ (الی ان قال) دوسرے انڈے سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام حدیث ہے، اس کی تقرری نمازیوں پر ہے، ان سے نماز پڑھنی بھلا تا ہے اور ان کو تکمیل میں لگاتا ہے اور بہکاتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین، مترجم، صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹)

اس کی طرف نسبت رکھنے والے کو بھی اجمہدیت کہیں گے اور یہاں یہ معنی بھی موزوں ہے کیونکہ آج کل کے اجمہدیت کہلانے والے بھی نمازیوں کا خوب تعاقب کرتے ہیں، بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی کوشش تو ہمارے تبلیغی دوست کرتے ہیں مگر جب نمازی بن جائے تو یہ حضرات پیچھے لگ جاتے ہیں کہ تیری نماز تو نہیں ہوئی، تو نے امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھی وغیرہ وغیرہ۔ کہنے لگا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر عمل کرتے ہیں اس لئے اجمہدیت ہیں۔ میں نے کہا کہ اس اصطلاحی معنی کے اعتبار سے اجمہدیت کی محدثین نے چند قسمیں لکھیں ہیں۔

۱۔ مبتدی جو ابتدائی طور پر حدیث پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ اختیار کرے۔

۲۔ محدث یا شیخ الحدیث جس کا قول ثمن حدیث میں دلیل کے طور پر تسلیم کیا جائے۔

۳۔ حافظ الحدیث جس کو ایک لاکھ احادیث متین اور سند اور پھر سند کے تمام راویوں کی جرح و تعدیل کے ساتھ یاد ہوں۔

۴۔ حاکم جس کو تین لاکھ احادیث سند متین اور جرح و تعدیل کے اعتبار سے یاد ہوں۔

۵۔ جزیہ جس کو تمام ذخیرہ احادیث سند متین اور جرح و تعدیل کے اعتبار سے یاد ہوں۔

پھر میں نے پوچھا کہ آپ اجمہدیت کے ان پانچوں طبقوں میں سے کس طبقہ کے ہیں؟ کیا آپ کا مشغلہ حدیث پڑھنا پڑھانا ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا جب آپ پہلے

ہے کے بھی نہیں ہیں تو آپ اجمہدیت کیسے ہوئے؟ پھر میں نے پوچھا کہ اگر آپ اصطلاح حدیث کی وجہ سے اجمہدیت کہلاتے ہیں تو اصول حدیث میں حدیث کی تقرری یا سولہ قسمیں لکھی ہیں۔ صحیح الذاتیہ، حسن الذاتیہ، ضعیف، صحیح الغیرہ، حسن الغیرہ، موضوع، متروک، شاذ، منکر، معروف، معلل، مضطرب، منقول، مصحف، مدرج، تو جب حدیث کی سولہ قسمیں لکھی ہیں تو اجمہدیت کی بھی سولہ قسمیں ہوں گی۔ آپ بتائیں کہ آپ صحیح اجمہدیت ہیں یا ضعیف اجمہدیت یا موضوع اجمہدیت یا منکر، شاذ، معلل وغیرہ؟ اس پر وہ بالکل خاموش رہا۔ میں نے کہا اس اصطلاح کے مطابق محدثین نے حدیث کی اپنی منقسمی کے اعتبار سے تین قسمیں لکھی ہیں۔

مرفوع۔ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

موقوف۔ جس میں صحابی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

منقول۔ جس میں تابعی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔ (خیر الاصول، ص ۴۴)

میں نے کہا کہ امام ابو حنیفہ تابعی ہیں اس لئے ان کے تو تمام اقوال، افعال اور

حدیث بن گئیں مگر آپ لوگ فقہ حنفی کی دن رات تردید کرتے ہیں جو ان منقول

احادیث کے انکار کو مستلزم ہے، مگر اس بات پر بھی اس کی مہر سکوت نہیں ٹوٹی اتنا کہا کہ آپ جو

کہنا چاہیں کہہ لیں میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ میں نے کہا کہ بعض اجمہدیت وہ ہیں جنہوں

کا انکار فقہ کا نام عمل بالحدیث رکھا ہے جیسے ایک دوسرے گروہ نے انکار حدیث کا نام عمل

بقرآن رکھا ہے اور عوام کو دھوکا دینے کے لئے اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں ان سے اگر

کہا جائے کہ تم کب سے ہو تو کہتے ہیں کہ جب سے قرآن ہے اسی وقت سے اہل قرآن

ہیں مگر انہیں انگریزوں کے دور سے پہلے اہل قرآن بمعنی منکر حدیث کی نہ کوئی عبادت گاہ ملتی ہے،

اہل مدرسہ، نہ کوئی کتاب، نہ کوئی مکان، نہ کوئی قبر جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ فرقہ قدیم

ہے۔ بالکل اسی طرح اہلحدیث بمعنی منکر فقہ کا کوئی وجود انگریزوں کے دور سے پہلے نہیں، اور انگریزوں کے دور سے پہلے بھی وہی بات کہتے ہیں کہ جب سے حدیث ہے اسی وقت سے اہلحدیث ہیں۔ انگریزوں کے دور سے پہلے کی اپنی کوئی مسجد، مدرسہ، قبر، کتاب، رسالہ نہیں دکھاسکتے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اہلحدیث بمعنی ”منکر فقہ“ انگریزی دور کی یادگار ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے انگریزوں سے اپنا نام اہلحدیث الٹ کر لیا جیسا کہ ایوب قادری صاحب وہابی یا اہلحدیث کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ ”غیروں اور ایہوں کے اس رویے سے وہابی گھبرا اٹھے اور انہوں نے ہتھیار زوال دیئے، جہاں کی تحریک اندرون ہند پاکستان قسطنطنیہ طور سے ختم ہو گئی اپنے لئے وہابی کے بجائے اہلحدیث کا نام مروج و مشہور کیا۔ انہوں نے باقاعدہ حکومت برطانیہ کی وفاداری کا اعلان کیا، مولوی محمد حسین بنالوی (ف ۱۳۳۸ھ) نے سرکاری تحریرات میں وہابی کی بجائے اہلحدیث لکھنے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرے۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء صفحہ ۶۳، ۶۴)۔ مولوی عبدالجید سوہدروی لکھتے ہیں (مولوی محمد حسین بنالوی نے) اشاعت السنہ کے ذریعے اہلحدیث کی بہت خدمت کی، لفظ وہابی آپ کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔۔۔۔۔ آپ نے حکومت کی خدمت بھی کی اور انجام میں جاگیر پائی۔“

مولوی محمد حسین بنالوی نے لفظ وہابی کی منسوخی کے لئے جو کوششیں کی ہیں وہ سارا آخریری امور ہمارے پیش نظر ہے، طوالت کے خوف سے اس کو ہم یہاں نقل نہیں کر سکتے صرف اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ انہوں نے ارکان جماعت اہلحدیث کی ایک دستخطی درخواست لیٹیفینٹ گورنر پنجاب کے ذریعے سے دائرے ہند کی خدمت میں روانہ کر دی۔ اس درخواست سر فہرست شمس العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط تھے۔ گورنر پنجاب نے وہ درخواست تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دی۔ وہاں سے حسب ضابطہ منظوری آگئی۔

۱۸۵۷ء وہابی کی بجائے اہلحدیث کا لفظ استعمال کیا جائے۔ لیٹیفینٹ گورنر پنجاب نے باقاعدہ اپنی اصلاح مولوی محمد حسین کو دی۔ اسی طرح گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵/ اگست ۱۸۹۰ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۲۷، گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۳/ مارچ ۱۸۹۰ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۱۱، گورنمنٹ یو پی کی طرف سے ۲۰/ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۸۶، گورنمنٹ سی پال کی طرف سے ۳/ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۰ اور گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے ۳/ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۲۷ اس امر کی اطلاع مولوی محمد حسین بنالوی کو ملی۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء صفحہ ۶۵، ۶۶)

اس کتاب کے مصنف ایوب قادری صاحب کے بارہ میں مولوی محمد اسحاق بھٹی نے لکھ فرماتے ہیں کہ ”قادری صاحب تاریخ کے آدمی تھے اور یہی ان کا اصل موضوع تھا۔ ان شخصیات اس موضوع کا حصہ ہے۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں خوب لکھتے ہیں۔“ (فتوحات حیدرآباد، صفحہ ۵۹۶)۔ میری ان باتوں کو بمشکل ناگواری سے وہ مسترد ہا، تھوڑی دیر بعد ان صاحب ان دونوں ساتھیوں کے ساتھ اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ڈاکٹر صاحب کو بھی میری باتوں سے کچھ ناگواری ہوئی ہے، شام کو میں ڈاکٹر صاحب کی دکان پر گیا اور انہوں نے لگے کہ آپ نے میرے ساتھی کو بہت پریشان کیا، میں تو اس کو آپ کے پاس اس لئے لایا تھا کہ اس کی کچھ اصلاح ہو جائے مگر وہ یہ ذہن لے کر گیا کہ مجھے اس نے دلیل دینے کی کوشش ہی ہے۔ میں نے کہا کہ میں اسی لئے آیا ہوں کہ میں آپ کے بارہ میں بھی لکھا ہوں کہ وہ باتیں آپ کو بھی ناگوار لگی ہیں، کہنے لگے بالکل میں بھی اس کو ذلت اور توہین سمجھا ہوں کہ وہ شخص بولتا ہی نہیں تھا اور آپ ان کے بارہ میں بہت سی باتیں کرتے رہے۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ کے پاس بہت سے مریدوں اور عورتیں آتی ہیں کہ ان سے وہ باتیں پروردہ والی پوچھتے ہیں کہ اگر میں پوچھ لوں تو ان کو ناگواری ہوگی اور آپ

کے سامنے وہ تمام پوشیدہ حالات بیان کریں گے تاکہ علاج کا رُخ درست ہو جائے۔ کہنے لگے بالکل یہ ہماری ضرورت ہے بلکہ ہم سے بڑھ کر مریض کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر اس کا علاج درست نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کہ جس کو آپ نے کمر لگے تھے وہ میرا مریض تھا اس لئے مجھے پورا حق تھا کہ کسی طریقہ سے اس کو بلاؤں تاکہ وہ اپنا مرض ظاہر کرے اور میں اس کا علاج کروں، مگر اس کی حالت اس مریض کی تھی جو آپ کے کسی سوال کا جواب نہ دے بلکہ آپ کے سوالوں کو بے حیائی یا ہنک عزت قرار دے، ظاہر ہے کہ آپ بھی اس کا کوئی علاج نہیں کر سکیں گے اور اس کو اپنی بیماری پر صبر کرنا پڑے گا۔ اسی طرح یہ لوگ چاہوں گے کہ سناست بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں کہ ہم ہی عامل بالحدیث ہیں باقیوں کے پاس تو صرف ائمہ کے اقوال ہیں۔ کبھی کہیں گے کہ ہمارے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مفتی عبدالرحمن کلاں دیوبندی مولوی الجحدیٹ بن گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ ڈاکٹر یہاں آ کر اس نے بیہی باتیں شروع کر دی تھیں کہ مفتی عبدالرحمن اور دو تین مولویوں کے ہمارے لئے کہ دیوبندیوں سے تو یہ کر کے الجحدیٹ ہو گئے ہیں جو ہمارے حق پر ہونے کی دلیل ہے میں نے کہا کہ بیہی بات میں نے پہلے کبھی ہے کہ اس دوسرے کا علاج وہاں میرے پاس ہونا نہ کہ آپ کے پاس کیونکہ ہم تو فوراً اس سوال پر پوچھ لیتے ہیں کہ آپ کے ہاں دلیل تو قرآن یا حدیث ہے آپ جو ان دو چار مولویوں کو بلور دلیل ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں یہ قرآن ہونے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں یا حدیث ہونے کی حیثیت سے، پھر اگر مسلک تبدیل کرنا دوسرے مسلک کے حق ہونے کی دلیل ہے تو سیکڑوں غیر مقلد مرزائی بنے ہیں پھر تو مرزائیوں کو حق پر ماننا اور غیر مقلدین کو باطل پر کہنا پڑے گا۔ کہنے لگے کہ وہ کہتا تھا کہ دیوبندی تو غیر مقلد بنتے ہیں مگر غیر مقلد دیوبندی نہیں بنتے۔ میں نے کہا کہ مرزائی بھی کہتے ہیں کہ غیر مقلد تو مرزائی بنتے ہیں مگر کوئی مرزائی غیر مقلد نہیں بنا اور یہ ہمارے حق ہونے

کی دلیل ہے، تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ واقعی پتہ چلا کہ آپ اس کی بیماری اگلوانا چاہتے تھے اگر وہاں یہ باتیں کرتا تو اس کا علاج ہو جاتا مگر ہمارے پاس اس کا علاج نہ تھا اس لئے ہم تو ساموئی سے بیٹھے رہے۔

مذکورہ بالا درمختار اور نزل الابرار کا مسئلہ ایک شخص نکھوا کر برادر مکرم مولانا محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس مسئلہ کو فقہ میں نکلنے کی کیا ضرورت تھی کہ شرم گاہ میں انگلی داخل کرنے سے وضو یا غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں اور اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا اگر یہ تیری ضرورت نہیں تو تیرے گھر والی کی ضرورت ضرورت ہوگی۔ کہنے لگے رگاہ کیسے؟ انہوں نے فرمایا کہ اکثر عورتیں زنانہ امراض میں مبتلا ہوتی ہیں تو ان کو اندامِ لہائی میں دوائی سے دوائی رکھوائی پڑتی ہے، کیا آپ کے ہاں ایسا مسئلہ کبھی پیش نہیں آیا؟ کہنے لگے یہ تو اکثر پیش آتا رہتا ہے، تو انہوں نے فرمایا اسی لئے فقہاء نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے کہ وضو کرنے کے بعد اگر دوائی رکھوائی تو آیا اس سے وضو ٹوٹا یا نہیں، غسل فرض ہوا یا نہیں، اسی طرح بعض اوقات بیماری کی سختی کی وجہ سے روزہ کی حالت میں بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے تو اب مسئلہ پیدا ہوا کہ اس دوائی رکھوانے سے روزہ ٹوٹا یا نہیں؟ تو فقہاء نے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اور تکمیل دین کی شان کو اجاگر کرنے کے لئے یہ مسائل لکھے ہیں جو کہ معلوم ہو جائے کہ کمال دین میں ہر مسئلہ کا حل موجود ہے اگر ہر مسئلہ کا جواب نہ ملتا تو تکمیل دین پر دھب لگتا تو وہ شخص بن کر کہنے لگا واقعی ان مسائل کے تحریر کرنے کی بہت ضرورت ہے۔

اسی طرح ایک حدیث پاک کے تحت کہ اذا دبع الاہاب فقد طہر رواہ مسلم (احیاء السنن، صفحہ ۱۰۰) یعنی کئی چیز کی وجہ و باغت دی جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ لکھا تھا کہ خنزیر کے علاوہ ہر جانور کا چمڑہ و باغت سے پاک ہو جاتا ہے لہذا اگر کتے کے چمڑے کو دباغت دے کر اس کو جائے نماز بنا لیا تو اس کا استعمال نماز کے لئے جائز ہے۔

غیر مقلدین نے عوام کے سامنے اس مسئلے کو فقہ سے متفرک کرنے کے لئے اس عنوان سے پیش کیا کہ گویا فقہ میں کتے کی نفرت نہیں ہے تو دو سو مسائل میں بتا دیا گیا کہ یہ مسئلہ وحید الزمان غیر مقلد نے ہم سے بڑھ کر لکھا ہے کہ جس چیز کی کو بھی دباغت وی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے، ہمارے بعض علماء نے خنزیر اور آدمی کی چیز کی کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ صحیح ان کا مستثنیٰ نہ ہونا ہے۔ (نزل الابرار صفحہ ۲۹) تو یہاں ہم نے اترام دینے کے لئے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر اس مسئلہ کے ذکر سے کتے کی نفرت دل سے نکلتی ہے اور اس کی محبت دل میں آنے کا اندیشہ ہے تو آپ اپنی کتابوں میں نظر ڈال لیں کہ ان میں بھی یہ مسئلہ ہے بلکہ ہماری کتابوں سے زیادہ خطرناک مسئلہ ہے کیونکہ ہماری فقہ میں تو فقہ سے اجتہاد میں خطا کا اندیشہ ہے مگر آپ کی کتاب کا تو نام ہی نزل الابرار من فقہ النبی المختار ہے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ ہے اس میں تو خطا کا احتمال ہی نہیں تو اس سے دلوں میں کتے کا احترام زیادہ پیدا ہوگا بلکہ خنزیر کی کھال ہمارے ہاں دباغت سے پاک نہیں ہوتی تھی، آپ کی دباغت نے تو اس کو بھی پاک کر دیا۔

نوٹ:

دو سو مسائل نامی اس رسالہ میں کچھ مسائل تو "الزامی" ہیں ورنہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو خاص نزل الابرار میں پائے جاتے ہیں۔ فقہ حنفی میں ان کا وجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرما کر ہمیں متمین (انعام یافتہ جماعتوں) کے طریقہ پر قرآن و سنت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ایک خط کا جواب

کیا غیر مقلدین کی نماز صحابہؓ والی نماز ہے؟

وال (۱): غیر مقلد کہتے ہیں کہ جو آخری صحابیؓ تھے ان کی جب وفات ہوئی تو وہ رفع یدین کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کو حضورؐ نے رفع یدین کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ ان کی وفات کب ہوئی اور کیا واقعی ایسا تھا؟

وال (۲): حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کتنے صحابہؓ کی زیارت کی اور کیا اس وقت کے دور میں رفع یدین کر کے نماز پڑھتے تھے یا جیسا کہ امام صاحبؒ کے مذہب کے مطابق نماز پڑھی جا رہی تھی ایسے پڑھتے تھے۔

وال (۳): غیر مقلدین حضرات کی بنیاد کس دور سے ہے؟ طالب: محمد فیصل عمران

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً اما بعد! غیر مقلدین اپنے ہر عقیدے اور عمل کو رواج دینے کے لئے اجتہادی جھوٹ بولتے ہیں، بلکہ جھوٹ کو ثواب سمجھ کر بولتے ہیں۔ واضح رہے کہ مسئلہ رفع یدین پر غیر مقلدین کا عمل اور دعویٰ یہ ہے کہ پہلی اور تیسری سنت کے شروع میں رفع یدین حضور اقدس ﷺ نے ہمیشہ کیا اور اسی طرح رکوع کو جاتے، سرتا سر اٹھاتے وقت آپؐ نے ہمیشہ رفع یدین کیا ہے۔ ایک نماز بھی آپ ﷺ نے اس طرح یدین کے بغیر نہیں پڑھی اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں اور سجدہ کو جاتے اور سرتا سر اٹھاتے وقت آپؐ نے کبھی رفع یدین نہیں کی۔ اگر کبھی کی ہے تو آخر میں اس کو شروع کر دیا۔ لہذا چار رکعت نماز میں دس دفعہ رفع یدین کرنا ضروری ہے۔ اور اٹھارہ جگہ رفع یدین نہ کرنا ضروری ہے۔ اگر دس جگہ رفع یدین نہ کی تو نماز باطل یا کم از کم خلاف سنت ہے اور اگر اٹھارہ جگہ رفع یدین کی تو نماز باطل یا خلاف سنت ہے۔ لیکن اس دعویٰ پر ان کے پاس

ایک حدیث بھی دلیل نہیں۔ پھر سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ابو الطفیل عامر بن واہلہ ہیں اور ان سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے وفات سے پہلے رفع یدین کیا ہو اور نہ ہی کسی ضعیف سے ضعیف حدیث میں یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو رفع یدین کا حکم دیا تھا۔ یہ ایک ہی سانس میں متعدد جھوٹ غیر مقلدین کا حوصلہ ہے، ورنہ بڑے سے بڑا گناہ گار بھی ایسے مسلسل جھوٹوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر اسلام لانے کے اشتہار سے آخری صحابی مراد ہے تو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ سب سے آخری وفد جو حضور ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے وہ ۱۱ھ محرم الحرام میں فتح قبیلہ کے دو سو آدمیوں کا وفد تھا جو یمن سے آیا تھا اس میں ذرہ بن عمرو نضعی بھی تھے۔ ان کے اسلام لانے کے دو ماہ بعد حضور اقدس ﷺ نے وہاں وصال ہو گیا ہے اور اس وفد میں سے کسی نے بھی رفع یدین کی روایت نقل نہیں کی بلکہ اس قبیلہ کے فتیہ ابراہیم نضعی جن کی پیدائش ۳۶ھ اور وفات ۹۶ھ میں ہے، ان کے سامنے جب رفع یدین کی روایت کا ذکر ہوا تو وہ غصہ میں آ گئے اور فرمایا کہ میں نے تو یہ مسئلہ کسی صحابی تابعی سے سنا تک نہیں۔ صحابہ تو صرف نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(موظا امام محمد ص ۹۶)

عام طور پر اس عنوان سے غیر مقلدین حضرت واہل بن حجر اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتے ہیں مگر اول تو وہ یہ بات کہیں سے ثابت نہیں کر سکتے کہ دونوں صحابہ سب سے آخر میں مسلمان ہوئے ہیں، پھر یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ نبی اقدس ﷺ نے ان کو رفع یدین کرنے کا حکم دیا تھا۔ نیز یہ بات بھی کہیں سے ثابت نہیں کر سکتے کہ انہوں نے وفات سے قبل آخری نماز میں رفع یدین کی تھی۔ صرف حضور اقدس ﷺ کے عمل رفع کے یہ نقل ہیں، لیکن اس میں غیر مقلدین والی رفع یدین و صوفیوں نے سے نہیں ملتی، بلکہ غیر مقلدین کے خلاف حضرت مالک بن حویرث نے سجدہ کی رفع یدین بھی نقل کی ہے۔ اور انہوں نے اس پر مستقل رفع الیدین للسیحہ کا باب باندھا ہے (ص ۱۰۸) اسی طرح حضرت واہل بن حویرث کے درمیان رفع یدین ابوداؤد ص ۷۳ پر ثابت ہے مگر غیر مقلدین اس روایت پر عمل

نہیں کرتے۔

(۲) علامہ جلال الدین سیوطی نے (امام اعظم ابوحنیفہؒ کی) ۸ صحابہ سے ملاقات نقل کی ہے۔ (۱) حضرت انس بن مالکؓ، (۲) عبداللہ بن جزہ الزبیدیؓ، (۳) جابر بن عبداللہؓ، (۴) معقل بن یسارہؓ، (۵) واہلہ بن الاسقعؓ، (۶) عائشہ بنت جبروہؓ، (۷) عبداللہ بن انیسؓ، (۸) عبداللہ بن ابی اوفیؓ اور ان میں سے اکثر سے روایات بھی نقل کی ہیں۔ ان میں سے چند روایات یہ ہیں: (۱) قاضی ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کو سنا، فرماتے تھے کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا، فرماتے تھے علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (۲) امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کو سنا، فرماتے تھے کہ میں نے نبی اقدس ﷺ کو سنا کہ نیکی پر دلالت کرنے والا نیکی کرنے والے جیسا ہے۔ (۳) مذکورہ بالا سند سے ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ غمزدہ کی امداد کرنے کو پسند کرتا ہے۔ (۴) اسماعیل بن عیاش امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ حضرت واہلہ بن الاسقعؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چیز تجھ کو شک میں ڈالتی ہے اس کو چھوڑ کر اس چیز کی طرف جا جو تجھے شک میں نہیں ڈالتی۔ (۵) اسی سند سے حضرت واہلہؓ سے ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کی مصیبت پر اظہار خوشی نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے عافیت عطا فرما کر تجھ کو اس میں جتا کر دیں گے۔ (۶) ابوداؤد طیالسی امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن انیسؓ کو چودہ سال کی عمر میں سنا۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیری کسی چیز سے محبت تھی امداد اور بہرا کر دیتی ہے۔

(۷) یحییٰ بن قاسم امام ابوحنیفہؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیؓ کو سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد بنائے، اگرچہ بھٹ تیز کے اندر دے دینے کے گڑھے کی مثل ہو اس کے لئے جنت میں ایک عظیم مکان بنا دیا جائے گا۔ (۸) یحییٰ بن معین امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ عائشہ بنت جبروہؓ کو سنا، فرماتی تھیں کہ حضور

ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا شکر زمین میں مگڑی ہے نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس کو حرام کرتا ہوں (تمہیں صحیحہ از ص ۲۶ تا ص ۳۲)، حافظ ابن حجر مکی متوفی ۷۷۳ھ نے مذکورہ بالا صحابہ کرام کے علاوہ درج ذیل صحابہ کرام سے بھی امام صاحب کی روایت کا قول نقل کیا ہے۔ عمرو بن حریش، ابو الطفیل عامر بن واہلہ، سہل بن سعد، سائب بن خلاد، عبداللہ بن بسرہ، محمود بن الربیع، عبداللہ بن جعفر، ابوالہدیٰ رضی اللہ عنہم (الخیرات الحسنان ص ۲۸، ص ۵۲) حضرت انس کی حدیث نمبر ۲۲۲۲ مستد امام اعظم کے ص ۳۱۳ پر اور حضرت واہلہ کی حدیث مستد امام اعظم ص ۳۱۶ پر اور عبداللہ بن انیس کی حدیث مستد ص ۳۱۶، عبداللہ بن ابی اوفی کی ص ۳۷، اور عائشہ بنت جحش کی روایت مستد امام اعظم ص ۱۹۳ پر ہے، نیز قاضی ابویوسف فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو سنا۔ فرماتے تھے کہ میں نے ۱۶ سال کی عمر میں ۹۶ھ میں اپنے باپ کے ساتھ حج کیا تو اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شیخ کے پاس لوگوں کا جہوم ہے۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا ابا جان ایہ شیخ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں جن کو عبداللہ بن المبارث بن جزاء الزبیدی کہا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا ان کے پاس کیا ہے؟ تو میرے والد نے کہا کہ وہ احادیث ہیں جو انہوں نے نبی اقدس ﷺ سے سنی ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی آگے کیجئے تاکہ میں بھی ان سے احادیث سنتوں۔ تو میرے والد میرے آگے ہوئے، لوگوں میں کشادگی کرتے ہوئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے تو میں نے ان کو سنا۔ فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی دین میں فقارت حاصل کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام معاملات میں کفایت فرماتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا (مستد ابی حنیفہ ابی نعیم، ص ۷۷، مستد امام اعظم بروایت مصنف ص ۲۰) باقی امام ابوحنیفہ صحابہ کرام کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور تابعین کے زمانہ میں وفات پائی۔ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن مسعود کی ترک رفع یدین والی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس ترک رفع یدین والی روایت کے بہت سے اہل علم صحابہ اور تابعین قائل ہیں اور یہ سفیان اور ابی کوفہ کا قول ہے (ترمذی

ص ۵۹) اس سے معلوم ہوا کہ اکثر صحابہ اور تابعین ترک رفع یدین کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل کوفہ کا مسلک ترک رفع یدین کا تھا۔ واضح رہے کہ کوفہ کو حضرت عمرؓ نے ۷ھ میں آیا دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں معلم بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت طلحہؓ نے اسے اپنا وارث الخلفاء بنا لیا تھا۔ بقول علامہ العینی چہرہ سو صحابہ کرام یہاں کے مستقل رہائشی تھے جن میں ستر بدری صحابہ تھے۔ مگر یہاں کوئی رفع یدین کرنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ امام بخاری کے استاذ ابو بن نصر مروزی فرماتے ہیں کہ ہم کوئی ایسا شہر نہیں جانتے کہ جس کے سب باشندوں نے جھکتے اٹھتے وقت رفع یدین چھوڑ دی ہو، ہوائے "کوفہ" کے (تعلیق المجد ص ۹۱)۔ معلوم ہوا کہ کوفہ میں اتنے صحابہ کرام کی موجودگی میں کوئی ایک بھی رفع یدین کرنے والا نہیں تھا۔ اسی طرح مکہ میں ابن زبیر کی رفع یدین دیکھ کر میمون بنی نے حضرت ابن عباسؓ سے شکایت کی کہ میں نے ان کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ کبھی کسی کو (یہاں مکہ میں) ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا (ابوداؤد) اسی طرح مدینہ کے امام مالک فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں رفع یدین کرنے والا کوئی شخص نہیں جانتا۔ امام مالک ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے ہیں، تو معلوم ہوا کہ رفع یدین مدینہ میں بھی متروک تھی۔ حضور ﷺ نے تیس سالہ دور نبوت میں کسی ایک شخص کو بھی رفع یدین کرنے کا حکم نہیں دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں ان میں سے کوئی بھی رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ حضرت عثمانؓ سے بھی کوئی رفع یدین کرنے کی روایت نہیں۔ حضرت طلحہؓ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے، نہ ان کا کوئی شاگرد رفع یدین کرتا تھا (ابن ابی شیبہ) حضرت ابن مسعود اور ان کے تمام شاگرد ترک رفع یدین کرتے تھے۔ (۳) غیر مقلدین کی انگریز کے دور سے پہلے نہ کوئی مسجد ملتی ہے نہ مدرسہ نہ قبر نہ کوئی کتاب نہ رسالہ۔ معلوم ہوا کہ انگریز کے دور سے پہلے انکار وجود نہیں تھا۔ نقوش ابوالوفاء سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ہندوستان میں رفع یدین کرنے والا انگریز کا ملازم محمد یوسف تھا۔ اس سے سارے ہندوستان میں یہ عمل پھیلا اور بقول مولوی محمد حسین بنالوی وہ مرزائی ہو گیا تھا۔

تحقیق یا تشکیک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

برادران اسلام! آج کل اکثر غیر مقلدین عوام کو دین میں تحقیق کے عنوان سے تشکیک فی الدین (دین میں شکوک و شبہات ڈالنے) کا مرکب بناتے ہیں اور ایسے لوگ بالآخر اسلام کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور اس حقیقت کا اقرار غیر مقلدین نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بنائونی التوفیٰ ۱۳۳۸ھ فرماتے ہیں کہ ”بچپن برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دین داروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔“ (رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۳، ج ۱۱، مطبوعہ ۱۸۸۸ء) اور غیر مقلد عالم مولوی محمد شاہ جہان پوری لکھتے ہیں: ”کوئی شک نہیں کہ بے ادب ہونے اور علماء سائنسین کی تعظیم ملحوظ نہ رکھنے والے اور ان کی بدگوئی کرنے والے کا نور ایمان جاتا رہتا ہے۔“

(الارشاد والی کتبیل الرشاد ص ۲۹۶)

مولانا داؤد غزنوی فرماتے تھے: ”ہمارے نزدیک ائمہ دین کے لئے جو شخص سوچ بچار رکھتا ہے یا زبان سے ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ استعمال کرتا ہے یہ اس کی شقاوت قلبی کی علامت ہے اور میرے نزدیک اس کے سوء خاتمہ کا خوف ہے۔“

(داؤد غزنوی ص ۳۷۳)

قاضی عبدالاحد خانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں: ”اس زمانہ کے جموں نے اہل حدیث کے مقلدین سلف صالحین جو حقیقت ماجاہد الرسول (رسول کے لئے ہوئے دین) سے لڑے ہیں وہ اس صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ اور وائس کے۔ جس طرح شیعہ نے اہل حدیث کے مقلدین کو کفر و نفاق کے نئے اور مدخل ملاحظہ اور زنادقہ کا نئے اسلام کی طرف، اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحظہ اور زنادقہ منافقین کے بیعتہ مثل اہل تشیع کے دیکھو ملاحظہ نہج یہ جو کفار ہیں اور منافقین ہیں وہ اہل حدیث کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہوئے اور انہیں کو گمراہ کر کے ان سے اپنا مضر و مضر کامل اور وائس مثل شیطان کے لے گئے۔ پھر ملاحظہ مرزائیہ قادیانیہ نکلے تو انہوں نے بھی انہیں کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہونا اختیار کیا اور جماعت کثیرہ کو ان میں مرتد اور منافق بنا دیا اور جب ملاحظہ زنادقہ چکڑا لیا تو یہ نکلے تو وہ بھی انہیں کی دہلیز اور مدخل سے داخل ہوئے اور ایک خلیق کو انہوں نے مرتد بنا دیا۔ اور جب یہ مولوی ثناء اللہ صاحب المصححین نکلا تو وہ بھی انہیں جہاں اہل حدیث کے باب اور دہلیز میں داخل ہو کر کیا جو ملاحظہ تصدیق ہے کہ رافضیوں میں ملاحظہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؑ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی تلو سے تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیں پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلا دیں اور پروا نہیں، اسی طرح ان جہاں بدعتی کاذب اہل حدیثوں میں کوئی ایک دفعہ نفع بدین سے اور تقلید کارو کرے اور سلف کی ہنگ کرے مثل امام ابوحنیفہؒ کے جن کی امامت فی الشیخہ صحیح کے ساتھ ثابت ہے اور پھر کس قدر کفر بدعتی اور الحاد و زندقہ ہیبت ان میں پھیلا دیا، یہ اپنی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ذرہ جیسے جیسے بھی نہیں ہوتے۔“

(کتاب التوحید والسنۃ ص ۶۲۲، ج ۱)

لہذا عوام اہل سنت کے ایمان کی حفاظت کے لئے تحقیق یا تشکیک کے عنوان سے چند احکامات پیش خدمت ہیں، خدا کرے کہ یہ باتوں اور فیروں کے لئے ذرا ایجہد ہدایت نہیں (آمین)

تحقیق اور حق تحقیق:

اکثر جاہل آدمیوں کو کہا جاتا ہے کہ آپ ذرا تحقیق کریں کہ آپ کی نماز حنیٰ ہے
 محمدی۔ تو اول تو یہ بات ہی غلط ہے کہ جاہل کو مسائل کی تحقیق پر لگایا جائے۔ ہر فن میں
 ماہرین فن تحقیق کرتے ہیں اور غیر ماہران کی اتباع کرتے ہیں۔ جاہلوں کو تحقیق کا حق و
 قرآن و سنت اور دنیوی قوانین کے خلاف ہے۔ لیکن لیتفقہوا فی الدین ولیندروا قومہم
 اذا رجعوا الیہم (ایک گروہ دین کی فقہت حاصل کرے تاکہ اس کی قوم جب اس فقہ
 گروہ کی طرف لوٹے تو وہ ان کو ڈرائے (توبہ) اس آیت کریمہ میں عوام کو فقہاء (ماہرین
 شریعت) کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ خود تحقیق کرنے کا، لیکن یہ لوگ اس آیت
 کے خلاف ہر جاہل کو میدان تحقیق میں لاکھڑا کرتے ہیں اور قرآن کی مخالفت کرتے ہیں اور
 حضور ﷺ اہل فن سے سزا دت نہ کرنے پر بیعت اور عہد لیا کرتے تھے (بخاری) مگر یہ علم
 مقلدین جاہل کو ماہر شریعت کے مقابلہ میں لاکھڑا کرتے ہیں۔ یہ بالکل اچھے سے جیسے
 قانون تجوں کی کریموں پر عدالت میں الف با سے ناواقف لوگوں کو یا ماہر ڈاکٹروں کی جگہ
 کہہاروں کو اور ماہر سائنس دانوں کا مقام جو لاہوں کے سپرد کر دیا جائے۔ صرف کے صفیٰ نور
 ترکیبیں جاہلوں سے پوچھنی شروع کر دیں تو ہر آدمی یہی سمجھے گا کہ یہ اس فن کی جہاں ہے تحقیق
 نہیں بالکل اسی طرح جاہلوں کو شرعی مسائل کی تحقیق کا حق دینا شریعت کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

ایک مکالمہ:

ایک دفعہ دو جوان لڑکے میرے پاس آئے کہ ہم کچھ تحقیق کے لئے آئے ہیں۔ میں
 نے کہا کس چیز کی تحقیق کے لئے؟ کہنے لگے نماز کی تحقیق کے لئے۔ میں نے کہا کہ خیر تو یہ
 کوئی نئے احکام نازل ہوئے ہیں کہ آپ کو تحقیق کی ضرورت ہے اور پندرہ سو سال تک کسی
 نے تحقیق نہیں کی؟ کہنے لگے کہ ہمیں ایک اہل حدیث عالم نے تحقیق کا کہا ہے اور بتایا ہے کہ

ماہر پر جو لوگ نمازیں پڑھتے ہیں وہ حدیث کے خلاف ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن پاک
 کی تحقیق کا آپ کو نہیں کہا کہ اس کی تحقیق کریں کہ کہیں حدیث کے خلاف تو نہیں؟ اسی طرح
 حدیث کی کتابوں کی تحقیق کا نہیں کہا کہ وہ بھی دن رات عمل کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے
 تحقیق کریں کہ وہ ہم تک درست پہنچی ہے یا نہیں؟ کہنے لگا کہ اس کی تحقیق تو پہلے لوگوں نے
 کر لی ہے۔ اب ہمیں نئے سرے سے تحقیق کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر پہلے
 لوگوں نے نماز بغیر تحقیق کے کیوں چھوڑ دی جو دن میں پانچ مرتبہ پڑھنی ضروری ہے۔ میں
 نے پوچھا کہ آپ کی علمی استعداد کیا ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں دسویں کلاس سے
 ہوں کیا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں کچھ بھی نہیں پڑھا۔ میں نے دسویں فیل سے پوچھا
 کہ آپ نے سکول میں عربی کا مضمون بھی رکھا تھا اور آیا آپ عربی کتاب دیکھ کر عبارت کا
 مضمون سمجھ لیں گے؟ کہنے لگا نہیں، ساتویں میں عربی رکھی تھی، وہ مشکل معلوم ہوتی تو میں نے
 پوچھا دی۔ اب میں کسی عربی لفظ کا ترجمہ نہیں سمجھ سکتا۔ میں نے کہا پھر آپ تو تحقیق کے اجداد
 میں علم نہیں رکھتے، آپ تحقیق کیسے کریں گے؟ کہنے لگا کہ ہمیں غیر مقلد عالم نے پہلے ہی بتایا
 تھا کہ ہم تو آپ کو تحقیق کراتے ہیں مگر وہ حنیٰ آپ کو تحقیق نہیں کرائیں گے اور اس عالم نے
 انہیں سچے ماہر سے تحقیق کرانی شروع کی ہے۔ ہمیں بہت سے رسالے پڑھائے ہیں جس سے
 معلوم ہوا ہے کہ ہمیں بن گیا ہے کہ کم از کم اپنے محلے میں صرف ہماری نماز صحیح ہے اور باقی سب بے
 گناہی ہیں۔ ہمارے والدین بھائی بہنیں جن میں سے بعض تہجد کے وقت بھی پابندی سے
 اٹھنے والے ہیں مگر سب غلط نماز پڑھتے ہیں اور اپنا وقت ضائع کرتے ہیں بلکہ اس نے
 دسویں پارے کی ایک آیت ہمیں دکھائی جس کا ترجمہ ہے کہ "بہت سے چہرے قیامت کے
 دن اسیل ہوں گے، محنت کرنے والے جھکے ہوئے ہوں گے، وہ دیکھتی ہوئی آگ میں جائیں
 گے، ان کو نہایت گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا ان کو کھانے کے لئے صرف خاردار درخت

دیئے جائیں گے جو ان کو موٹا کریں گے اور ان کی بھوک منائیں گے۔ اس لئے ہمیں اس بات کی تو خوشی ہے کہ ہماری نماز ہمیں جنت میں لے جائے گی لیکن والد، والدہ جو آدمی آدمی رات سے اٹھ کر خلاف سنت نماز پڑھتے ہیں ان کے جہنم میں جانے کا قوی اندیشہ ہے اس لئے پریشان ہیں۔ اب چھ مہینے اور تحقیق کی اور اب انہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ دیکھا وہ جو ہمیں بالکل تحقیق نہیں کرائیں گے، قرآن و سنت کے قریب بھی آپ کو نہیں چھلکنے دیں گے بلکہ اپنے مولویوں کی کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیں گے۔ میں نے کہا کہ اس نے چھ مہینوں میں آپ کو تحقیق نہیں بنایا بلکہ آپ کو ایک خطرناک روحانی مریض بنا دیا ہے جس کا علاج کسی روحانی طبیب کے ہس میں نہیں ہے، اس لئے کہ جسمانی بیماریوں کی طرح جہالت بھی ایک روحانی بیماری ہے اور جس طرح جسمانی بیمار خطرناک سے خطرناک تر سٹیج تک پہنچ جاتے ہیں اسی طرح روحانی بیماریوں کے سٹیج بھی خطرناک سے خطرناک تر ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک جسمانی بیمار ایسا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو بیمار سمجھتا ہے تو وہ ضرور جلد یا بدیر حکیم یا ڈاکٹر سے رابطہ کر کے اپنی بیماری کا علاج کرائے گا لیکن اس سے خطرناک بیمار وہ ہے جس کو اپنی بیماری کی طرف توجہ نہ ہو البتہ وہ کسی کی توجہ دلانے سے علاج کے لئے فکر مند ہو جائے گا۔ ہاں اگر کوئی توجہ نہ دلائے تو اس کی بیماری بڑھتی رہے گی اور خطرناک درجہ تک پہنچ جائے گی لیکن ان دونوں سے زیادہ خطرناک وہ مریض ہے جو اپنی بیماری کو تندرستی سمجھتا ہے، وہ کسی کے توجہ کرائے سے بھی اپنے علاج کی طرف متوجہ نہیں ہوگا، یہاں تک کہ بیماری جلد موت تک پہنچا دے گی۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک وہ شخص ہے جو صرف یہ نہیں کہ بیمار ہو کر اپنے آپ کو تندرست یقین کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تمام تندرست لوگوں کو بیمار یقین کرتا ہے بلکہ اس مرض کے معالجوں کا بھی علاج کرنے کا اپنے آپ کو اہل سمجھتا ہے۔ یہ بیمار سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ بالکل اسی طرح علم و جہالت کے اعتبار سے انسانوں کے مختلف درجے

کسی شاعر نے بعض درجات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ہر کس کہ بداند و بداند کہ بداند

او اسپ خود را از گنبد فیروزہ چہاند

کہ جو شخص علم رکھتا ہے اور (عاجزی کے طور پر) کہتا ہے کہ میرے پاس علم نہیں ہے وہ گنبد فیروزہ جیسے قیمتی پتھر کے گنبد کے اوپر سے گزرا رہا ہے۔

و آنگس کہ بداند و بداند کہ بداند

او نیز عجز خویش بنزل برساند

جو شخص علم رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں علم رکھتا ہوں وہ بھی اپنا گدھا منزل تک پہنچا دے گا۔

و آنگس کہ بداند و بداند کہ بداند

در جہل مرکب ابدالصر بماند

اور وہ آدمی جو نہیں جانتے اور اپنے آپ کو عالم سمجھتا ہے وہ ہمیشہ جہل مرکب میں رہے گا۔ تو بعض لوگ جاہل ہو کر اپنے آپ کو جاہل سمجھتے ہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی کسی علم سے مسئلہ پوچھ کر اپنی جہالت کو دور کر لیں گے۔ دوسرا جاہل وہ ہے کہ اس کو اپنی جہالت کی طرف توجہ نہیں تو کبھی کوئی تبلیغی خیر خواہ علم و ذکر کا نمبر بنا کر اس کو اس کی جہالت پر متنب کر دے گا اور وہ کسی عالم سے اپنی جہالت کا علاج کرائے گا۔ تیسرا وہ شخص جو اپنی جہالت کو علم سمجھے تو اس کا علاج بڑا مشکل ہے اور آپ کو تو اس غیر مقلد نے تحقیق کے عنوان سے جہالت کی آخری درجہ پہنچا دیا ہے کہ اب آپ بڑے بڑے مجتہدین کی غلطیاں نکالنے کے لئے تیار ہیں۔ ادرین یا اہل حملہ کو بے نمازی یا جہمی سمجھنا تو معمولی بات ہے۔ آپ کو تو یہ متحققین ازواج علیہ السلام بھی جہنم میں چلتی دکھائیں گے۔ چنانچہ قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "کشف المحجوب ص ۴۲" (اعوذ باللہ تعالیٰ منہ) اور یہ بھی دوسری

مجلس میں کہا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا ان کو ہر ایک کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں ہم کو ان حدیثوں کی حدیثیں یاد ہیں (کشف الغجاب ص ۳۲) بلکہ صحابہ کرام آپ کو فاسق و فاجر نظر آتے تھے جیسا کہ وحید الزمان غیر مقلد کہتا ہے کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ جیسے ولید غافل ہیں اور ایسا ہی قول حضرت معاویہ اور حضرت عمر اور مغیرہ اور عمرہ (رضی اللہ عنہم) کے بارہواں ہے کیا گیا ہے (حاشیہ نزل الابرار ص ۹۳، ج ۳)

بلکہ باطل بالحق والصلوٰۃ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں بھی کہتا ہے کہ اگر اٹنے رستے چل پڑیں تو ہم اٹنے رستے کیوں چلیں۔ اسی سال محرم ۱۳۲۳ھ کو مدینہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی جو عمان کے قریب رہنے والے آج کل حرم نبوی کے قریب مقیم ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میری شادی چونیوں کے قریب ایک غیر مقلد گھرانے میں ہوئی ہے۔ وہاں (پاکستان میں) میں نے گھر والی کو بہت سمجھا یا کہ غیر مقلدین کا مسلک درست نہیں مگر وہ کہتی کہ ہمارا مسلک مکہ اور مدینہ والا ہے۔ غیر مقلدین کے بعد اسے یہاں لے آیا اور بتایا کہ یہاں تراویح میں رکعت ہوتی ہے، چنانچہ آہستہ آہستہ اس طرح پڑھتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہوئی۔ ایک دفعہ میں نے کہا کہ غیر مقلد صحابہ کرام کی توہین کرتے ہیں تو اس نے کہا کہ یہ بات غلط الزام ہے، ایسا بالکل نہیں ہو سکتا ہمارے مسلک کے لوگ صحابہ کرام کا از حد احترام کرتے ہیں۔ خیر وقت گزرتا رہا جیسا کہ وہی والی کا بھانجا مدینہ یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں عین اس وقت گھر آیا جب مسجد نبوی میں تراویح پڑھی تھی تو گھر والی نے اس سے کہا کہ تو نے تراویح پڑھی پڑھی۔ اس نے کہا کہ میں آٹھ تراویح مسجد (نبوی) میں پڑھ کر آیا ہوں۔ گھر والی نے پوچھا کہ جو بارہ رکعتیں اور پڑھی جا رہی ہیں تو نے وہ کیوں نہیں پڑھیں؟ اس نے کہا کہ سنت نبوی تو آٹھ رکعت ہیں۔ میں نے وہ پڑھ لی ہیں۔ باقی حضرت عمر کے حکم پر پڑھی جاتی ہیں۔ اس لئے میں نے وہ نہیں پڑھیں۔ اس کی خال نے کہا کہ حضرت عمر کا عمل بھی تو سنت ہے۔

مجلس میں چائیں تھیں۔ اس نے کہا اگر عمر اٹنے رستے پر چل پڑے تو ہم بھی اٹنے رستے پر چل پڑیں۔ اس پر گھر والی اس سے ناراض ہوئی اور اسے گھر سے نکال دیا۔ بعد میں مجھے اس نے اطلاع سنایا اور کہا کہ آج معلوم ہو گیا کہ تیری بات صحیح ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرام کی توہین کرتے ہیں اور وہ غیر مقلدیت سے کچی تائب ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔

خبر وطنی کے علاوہ ادکانوں میں ایک شخص نے بتایا کہ میرے تایا نے جو غیر مقلد ہے وہ بتایا کہ اصل تراویح تو آٹھ رکعت ہیں۔ عمر نے خواہ مخواہ میں کاتوت کھڑا کر دیا (نعوذ باللہ) میں نے کہا کہ نبی تحقیق کے یہ گل آپ بھی کھلائیں گے۔ چھ ماہ میں اس شخص نے پوری امت سے اور اس امام یعنی امام ابوحنیفہ سے کاتا ہے جن کی امامت پر پوری امت کا اجماع ہے اور ان سے ان کو ان کی اجتہادی غلطی پر بھی ایک اجر ملے گا اور یہ وہ شخص ہے جنہوں نے بلا واسطہ صحابہ کرام کو نماز پڑھتے دیکھا، جو خیر القرون کے انوار و برکات مجمع نے والے تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مدینہ شریف بخشا۔ آج کل میں دنیا میں سب سے پہلی حدیث کی کتاب انہیں کی "کتاب الآثار" کے نام سے ملتی ہے۔ ہم مقلد کی سب سے پہلی کتاب "نقد اکبر" ان کی ہے۔ فقہ کے مدون اول بھی وہی ہیں۔ ہم صرف کی پہلی کتاب بھی انہی کی طرف منسوب ہے۔ وہ شخص جس کے پاس پانچ لاکھ حدیث کا ذخیرہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بچپن سے جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی، پوری دنیا میں وہی سے زائد لوگ ان کی فقہی بصیرت سے شریعت پر عمل کرنے والے ہیں، ایسے مجمع علماء و فاضل ذوات سے آپ کو کٹ کر بلکہ تنفر کر کے ایک ایسے غیر مقلد عالم نما جاہل کے پیچھے کیا ہے کہ دوسرے غیر مقلد اس کو عالم تو کیا مسلمان ماننے کے لئے بھی تیار نہیں اور اس مدت میں آپ کو یہ بات یاد رکھانی ہے کہ ہم نے تم کو قرآن و سنت سے جوڑا ہے اور امتیاز کی بنا کی ہے۔ تم سے توڑا ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، کیونکہ اس نے آپ کو قرآن و سنت، اصح امت اور قیاس مجتہد سے متنفر کر کے چند صدیوں کے جاہلوں کے قیاس سے جوڑا ہے۔

ہے جس کی وضاحت یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں چار قسم کے مسائل ہوتے ہیں: (۱) کتاب اللہ کے، (۲) سنت رسول اللہ کے، (۳) اجماعی مسائل، (۴) قیاس مجتہد کے یعنی اجتہاد مجتہدین کے اختلاف کے وقت ہم امام اعظم ابوحنیفہ کے قیاسی مسائل لیتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں دوسرے مجتہدین کے مسائل کو چھوڑ دیتے ہیں، مثلاً ہماری کتابوں میں جو وضو کا طریقہ لکھا ہے اس میں چار فرض قرآن پاک کی سورۃ مائدہ کی آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ الْآيَةِ** سے لئے ہیں اور سنتیں اور اکثر مستحبات حدیث سے لئے ہیں۔ مثلاً درج ذیل سنتیں (۱) بسم اللہ پڑھنا، (۱) رباح اپنی دادی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا کہ فرماتے تھے کہ اس کا وضو (کامل) نہیں جو وضو پر بسم اللہ نہ پڑھے (مسند احمد)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! جب تو وضو کرے تو بسم اللہ والحمد لله کہہ لیا کر، کیونکہ جب تک تیرا یہ وضو نہیں ہوئے گا تیرے محافظ فرشتے تیرے لئے نیکیاں لکھتے رہیں گے (معجم طبرانی صغیر) اسی طرح وضو کے شروع میں بسم اللہ کے بارہ میں حضرت براہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع روایت ہے۔ (۲) مسواک کا سنت ہونا حدیث ابو ہریرہ (بخاری) حدیث علی مرفوعاً (معجم طبرانی اوسط) حدیث عائشہ مرفوعاً (ابن حبان) سے ثابت ہے۔ (۳) دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا۔ اس کا ثبوت حدیث ابو ہریرہ (مسلم) حدیث علی (نسائی) سے ثابت ہے۔ (۴) کلی کرنا بخاری سمیت تمام کتب احادیث میں اس کی روایات ہیں۔ (۵) ناک میں پانی ڈالنا، اس کا ذکر کئی بخاری سمیت تمام کتب احادیث میں ہے۔ (۶) ڈاڑھی کا خلال کرنا۔ اس کا ذکر حدیث عثمان (ترمذی) حدیث عائشہ (مسند احمد) حدیث انس (معجم طبرانی اوسط) میں حدیث انس (مختلص اھلبیہ) میں ملتا ہے۔ (۷) انگلیوں کا خلال کرنا۔ اس کا ثبوت حدیث عقبہ بن صہب اور حدیث ابن عباس حدیث مستور بن شداد (ترمذی) میں ہے۔ (۸) ہر جوڑ کو تین مرتبہ دھونا، اس کا ثبوت بخاری سمیت بقیہ کتب صحاح میں ہے۔ (۹) پورے سر کا مسح کرنا۔ بخاری

ابن عبد اللہ بن زید کی روایت میں حضرت علیؑ سے ابو داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے ابو داؤد میں ہے۔ (۱۰) کانوں کا مسح کرنا۔ حدیث ابن عباس (ابن ماجہ) وغیرہ میں ہے۔ (۱۱) نیت کرنا۔ حدیث نیت بخاری وغیرہ کتب صحاح میں ہے۔ (۱۲) ترتیب سے وضو کرنا۔ آیت قرآن اور احادیث وضو میں ترتیب سے لیا گیا ہے۔ (۱۳) ایک جوڑ کے خشک ہونے سے دوسرے جوڑ کا دھونا۔ حضرت عثمانؓ کا لگا لگا کر وضو کر کے فرمانا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے وضو کرتے دیکھا ہے (ابو داؤد)

مستحبات میں:

(۱) دائیں طرف سے شروع کرنا۔ حدیث عائشہ (بخاری) حدیث ابو ہریرہ (ابن ماجہ) سے لیا گیا ہے۔ (۲) گردن کا مسح کرنا۔ حدیث ابن عمر (مختلص الجیر) حدیث طلحہ سے مسرف من ایہ من جدہ (مسند احمد) سے لیا گیا ہے۔ پھر وضو کے بارہ میں اس بات پر اصرار ہے کہ مذکورہ بالا افعال وضو میں سے بعض فرض بعض سنت بعض مستحب ہیں۔ خدا یا رسول خدا ﷺ نے یہ تقسیم نہیں فرمائی، لہذا یہ تقسیم دلیل اجماع سے ثابت ہوئی جس کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو مومنوں کے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی اتباع کرے گا جہاں جہنم سے گا ہم اس کو وہاں پھیر دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برداشتگنا ہے (القرآن) اور نبی اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا اس کو علیحدہ کر کے ہی جہنم میں ڈال، لہذا اگر کوئی شخص ان فرائض و سنن وغیرہ کی تقسیم کو نہ مانے تو وہ مذکورہ آیت و احادیث کے اعتبار سے اللہ کی رحمت سے محروم اور جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنا رہا ہے۔ البتہ فرائض و سنن کی تعیین میں بعض حالات امت کرام کا اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہم امام ابوحنیفہ کے قول کو لیتے ہیں، مثلاً اگر وضو کے شروع میں کوئی بسم اللہ نہ پڑھے تو وضو ہوگا یا نہیں تو حنا بلہ کے ہاں وضو نہیں ہوگا، دھارے ہاں وضو ہو جائے گا کیونکہ ہمارے نزدیک بسم اللہ سنت ہے فرض نہیں تو بسم اللہ

کا سنت ہونا یہ ہماری حنفی فقہ میں اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس اجتہادی مسئلہ میں ہم امام ابوحنیفہ کی تقلید کر کے دوسرے امر کے اقوال کو چھوڑ دیتے ہیں اگرچہ اس مسئلہ میں شوافع اور مالکیہ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس شخص نے فقہ چھڑوانے کے عنوان سے قرآن بھی چھڑوایا، حدیث بھی اور اجماعی مسائل بھی اور اجتہادی اختلافی مسائل میں قرآن و سنت کا کوئی دو ٹوک فیصلہ نہیں تھا۔ اس مولوی نے آپ کو اپنے پیچھے لگا کر یہ باور کروایا کہ ہم نے آپ کو خدا اور خدا کے رسول سے جوڑ دیا ہے، حالانکہ جڑے آپ چند رمویں صدی کے جاہل شخص سے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اگر آپ کو ہپتہ انوں میں بھیجا جائے کہ تحقیق کرو کہ ڈاکٹروں کا طریق علاج صحیح ہے یا نہیں تو آپ اس کو مذاق تصور نہیں کریں گے؟ کہنے لگے کہ یہ تو واقعی مذاق ہے کہ جاہل آدمی ڈاکٹروں یا حکیموں کے طریق علاج کی تحقیق کرنے جائے۔ میں نے کہا کہ پھر آپ بھی تحقیق کے لئے بلکہ شریعت سے مذاق کے لئے چکر لگائے پھرتے ہیں۔ خیر اٹھ کر چلے گئے۔ تقریباً دو ماہ بعد بازار میں ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ دوبارہ کبھی تشریف نہیں لائے تو کہنے لگے کہ آپ نے اسی دن ہمارا گھر پورا کر دیا تھا اور یہ بات سمجھ میں آگئی کہ جاہل آدمی کا تحقیق کے چکر میں پڑنا پریشانی کا ذریعہ اور دین اور اہل دین سے دور ہونے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے ہم نے تو یہ کر لی ہے کہ اہل فن سے عداوت مول نہیں لینی۔

والحمد لله على ذلك.

فقہ حنفی کی معروف کتاب

”دُرْمُخْتَارِ پَرِ اعْتِرَاضَاتِ“

کامحققانہ جواب

مکرمی جناب راج عبدالرؤف صاحب ایڈووکیٹ!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آپ کے پیش کردہ سوالات کے بارہ میں عرض ہے کہ بعض اوقات اپنی فہم کے ناقص ہونے کی وجہ سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔ اس میں کتاب یا صاحب کتاب کا تصور نہیں ہوتا جب تک کسی فن میں مہارت نہ ہو۔ اس وقت تک اس فن کی غلطی نکالنا اپنی کوتاہی پر شہادت دینا ہے، پھر جو کسی فن سے دشمنی رکھنے والا ہو اس کی نکالی ہوئی غلطی ذہنی بغض کی عکاس ہوتی ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے

عين الرضا عن كل عيب كليله

ولكن عين السخط تبدى المساويا

یعنی رضا مندی کی نظر ہر عیب کے ادراک سے کمزور ہوتی ہے، لیکن ہمارا غصی کی

نظر تمام برائیوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔“

لیکن یہاں معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ فقہ حنفی کی وجہ سے نظر خوبیوں کو بھی عیب بنا رہی ہے۔ سوای دیانند نے قرآن پاک پر ۱۵۹ اعتراضات کئے تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری فرماتے ہیں: ”اس بات کا اظہار کچھ ضروری نہیں کہ سوای جی کے سوالات عموماً غلط تھے یعنی اس لئے کہ حق کو قبول کرنے سے ہمیشہ غلطی ہی مانع ہوا کرتی ہے۔“ (حق پرکاش، صفحہ ۲) نیز فرماتے ہیں کہ: ”ہم نے اس جواب میں کسی سماجی

مصنف کو مخاطب نہیں کیا، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جس قدر اسلام سے دوری ہوئی ہے وہ صرف سوامی دیا نندی غلطی نہیں سے ہوئی ہے۔“ (حق پر کاش، صفحہ ۳) تو جس طرح قرآن دشمنی اور غلطی نے قرآن پر اعتراضات کی راہ کھول دی ہے اگر فقہ دشمن فقہ پر اعتراضات کر دے تو کوئی عجیب بات نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱: لا عند وطنی بھیمة یعنی جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے سے نہ تو غسل لازم آتا ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے جب تک انزال نہ ہو۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۵، جلد ۱) اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے داؤد ارشد صاحب نے درمختار صفحہ ۱۶۶، جلد ۱، بحر الرائق صفحہ ۵۹، جلد ۱، مظاہر حق صفحہ ۱۵۰، جلد ۱، اور حلی کبیر صفحہ ۳۲۲ کا حوالہ دے کر اس کا حنفیہ کے ہاں متفق علیہ اور معتق بہ ہونا ظاہر کیا ہے۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۶) اور پھر اس کو حیا سوز کہا ہے۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۵) نیز لکھا ہے کہ کیا خوب ہے کہ چار پائے سے بد فعلی کی کس مہذب امت میں رخصت دی جا رہی ہے۔ (تحفہ حنفیہ، ۳۲۶)

نوٹ: داؤد ارشد صاحب نے یہ اور اس کے بعد والے نو مسئلے ذکر کر کے صرف فقہ حنفی سے اظہار بغض نہیں کیا بلکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب محمودی حفظہ اللہ کے اس دعویٰ کو سچا کر دیا ہے کہ نام نہاد اہل حدیث مدینہ میں لکھی جانے والی کتاب بلکہ باشارہ تبوی لکھی جانے والی تصنیف پر اعتراض کر کے مدینہ بلکہ صاحب مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شرف کے منکر ہوئے ہیں، کیونکہ ان مسائل کے آخر میں فرماتے ہیں: ”ثابت ہوا کہ یہ مدینہ میں بیٹھ کر کوک شاستر لکھی گئی ہے۔ اسلام کی خدمت نہیں کی گئی بلکہ اسلامی تعلیم کو سبوتاژ کرنے کی سعی حاصل کی گئی ہے۔“ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۷، جلد ۱) باقی داؤد ارشد نے جو چند مسائل میں اہل مدینہ سے حنفیوں کا اختلاف نقل کیا ہے وہ بے سود ہے کیونکہ کوئی حنفی فقہ مالکیہ کو کوک شاستر یا اسلامی تعلیم کو سبوتاژ کرنا نہیں کہتا بلکہ ہمارے ہاں تو ان کو ایک یقینی اور دوسرے آخر

احتمال ہے تو ہمارا ان سے اجتہاد ہی اختلاف ہے۔ غیر مقلدین کا عنادی اختلاف ہے کیونکہ وہ اجتہاد کو کارائیس اور تقلید کو شرک کہتے ہیں۔

وضاحت مسئلہ: مذکورہ بالا مسئلہ کو غیر مقلدین کا حیا سوز کہنا یہ ایک بے محل بات ہے کیونکہ نہ ہی صاحب درمختار نے اس کے حیا دار ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ کسی اور حنفی نے بلکہ صاحب درمختار نے تو اس کو گناہ کبیرہ قرار دے کر اس کا ارتکاب کرنے والے پر تعزیری سزا مقرر کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: بل يعزر و يذبح لم تحرق و يكره الانشاع بالحيا و مينا محتبی و فی النهر الظاهر انه يطالب تدبا لقولهم تضمن بالقبیة (درمختار، صفحہ ۲۶، جلد ۳) یعنی جانور سے بدکاری کرنے والے پر تعزیر لگائی جائے گی۔ (نیز یہ بھی فرماتے ہیں) کہ تعزیر کبھی قتل کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ (صفحہ ۶۲، جلد ۳) اور جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ اس جانور کو دیکھ کر لوگ اس برائی کا زبانون سے تذکرہ بھی نہ کریں۔ (شامی، صفحہ ۲۶، جلد ۳) اور اس جانور کے ساتھ زندگی اور موت کی حالت میں نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔ اور شامی نے لکھا ہے کہ اگر غیر کے جانور سے یہ فعل کرنے تو مستحب ہے کہ مالک کو اس جانور کی قیمت ادا کرے، پھر اس جانور کو ذبح کر کے جلا دے۔ معلوم ہوا کہ فقہ حنفی تو آدمی اور جانور کو اس فعل کے ذکر کو بھی برداشت نہیں کرتی۔

نوٹ: داؤد صاحب نے بحر الرائق کا بھی اس مسئلہ میں حوالہ دیا ہے، حالانکہ بحر الرائق میں لکھا ہے کہ طبیعت سلیمہ اس فعل سے نفرت کرتی ہے اور اس برائی پر ابھارنے والی انتہائی بد اخلاقی یا مغلوب الشہوت ہونا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ اس فعل کے ارتکاب کرنے والے کو تعزیر اسی دلیل سے لگائی جائے گی جس کو ہم نے (مسئلہ لواطت میں) بیان کر دیا ہے اور جو یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے یہ اس فعل کے

تذکرہ کو ختم کرنے کے لئے ہے اور یہ ذاب نہیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر ماکول اللحم جانور نہ ہو تو اس کو ذبح کر کے جلا دیا جائے اور اگر ماکول اللحم ہو تو اس کو ذبح کر دیا جائے اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کو بھی جلا دیا جائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب جانور بد فعلی کرنے والے کا ہو اور اگر اس کے غیر کا ہو تو قاضی خان میں ہے کہ اس کے مالک کو اختیار ہے کہ یہ جانور اس برائی کرنے والے کو قیتا دے دے اور تیسرین اختیار میں ہے کہ اس کے مالک سے مطالبہ کیا جائے گا کہ یہ جانور قیمت لے کر اس شخص کو دے دے، پھر اس کو ذبح کر دیا جائے۔ فقہاء نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ایسا حکم شارع سے ہی تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس کو سماع پر محمول کیا جائے گا۔ (بحر الرائق، صفحہ ۱۸، جلد ۵) اگر داد صاحب فقہ کی پوری عبارت نقل کر دیتے تو نہ ان کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ فقہ میں حیا سوز مسائل ہیں اور نہ یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ فقہ میں چوپائے سے بد فعلی کی اجازت دی جا رہی ہے۔

مسئلہ نقض وضو وغسل.....

باقی وضو یا غسل کے ٹوٹنے کا بے حیائی سے تعلق نہیں۔ دیکھئے پیشاب، پانسانہ، نیند وغیرہ نواقض وضو بے حیائی کے کام نہیں لیکن ان سے وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر کوئی شخص وضو کر کے ماں باپ کی نافرمانی کرے یا لوگوں کو جنس گالیاں نکالے، جمع میں ننگا ہو کر تاجنا شروع کر دے، اپنے اساتذہ اور اولیاء اللہ کی توہین کرے تو یہ سب بے حیائی اور برائی کے کام ہیں لیکن ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ غیر مقلدین میں سے کسی نے ان کو ناقض نہیں لکھا اور نہ قرآن و سنت سے ان کا ناقض ہونا ثابت کر سکتے ہیں تو اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ غیر مقلدین نے ان برائیوں کا دروازہ کھول رکھا ہے یا ان کے مسائل حیا سوز ہیں۔ اسی طرح وجوب غسل کا تعلق غسل کو توڑنے والی چیزوں کے ساتھ ہے۔ حیا و عدم حیا کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔ مثلاً بیوی سے ہمبستری، حیض، نفاس یہ کوئی گناہ اور بے حیائی کی چیزیں نہیں ہیں اور ان سے غسل واجب ہو جاتا ہے مگر کسی کو ناحق قتل کرنا، چوری

کرنا، ڈاکہ ڈالنا، شراب پینا، سو لینا، سود دینا اور رشوت لینا یقیناً گناہ کبیرہ ہیں، مگر ان سے غسل واجب ہونا کسی کا قول نہیں تو کوئی آدمی یہ شور مچائے کہ دیکھو ان گناہوں کا یہ دروازہ کھولا ہے، یہ غلط بات ہے۔

مسئلہ غیر مقلدین.....

غیر مقلدین کا یہ عام نعرہ ہوتا ہے کہ اہل حدیث کے اصول اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ابو یحییٰ خان نو شہروی بھی فرماتے ہیں۔ اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم داشتن یعنی اصل دین کلام اللہ کو معظم رکھنا، پھر حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جان پر مسلم رکھنا ہے۔

(نقوش ابوالوفاء صفحہ ۳۳)

یہ مولوی صادق صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں: "مسئلہ اور فتویٰ صرف وہی قابل عمل ہے جو قرآن و حدیث کے ساتھ مل ہو۔" (صلوٰۃ الرسول، صفحہ ۴۶) بلکہ خود داد صاحب فرماتے ہیں: "یہ بات یاد رکھیے کہ ہمارے نزدیک احکام شرعیہ میں قرآن و حدیث ہی کافی ہے۔" (تخت حنفیہ، صفحہ ۱۶۸) اپنے اس مسلم اصول کے مطابق کوئی غیر مقلد قرآن پاک یا حدیث مرفوعہ سے یہ ثابت کرے کہ "وہی بیہ بلا انزال" سے وضو یا غسل واجب ہو جاتا ہے اور اس کے معارض بھی کوئی حدیث نہ ہو تو ہم مان جائیں گے کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے مگر ایسی کوئی روایت غیر مقلدین پیش نہیں کر سکتے جس میں جانور کی سزا ہو۔ ایک غیر مقلد کہنے لگا کہ بخاری اور مسلم کے حوالہ سے محمد جونا گڑھی نے لکھا ہے کہ حدیث میں وان لم یزل آیا ہے۔ میں نے کہا کہ بخاری کی طرف اس روایت کی نسبت غلط ہے۔ مسلم میں یہ روایت موجود ہے مگر اس میں اور بخاری میں غسل نہ واجب ہونے کی آیات بھی ہیں اور امام بخاریؒ کا مسلک بھی عدم وجوب غسل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

والغسل احوط یعنی غسل احتیاطی چیز ہے نہ کہ وجوبی۔ (بخاری، صفحہ ۴۳) علامہ وحید الزمان فرماتے ہیں یہاں ایک اور مذہب ہے جس کی طرف صحابہ کرام کا ایک گروہ گیا ہے اور اس کو ہمارے بعض اصحاب نے پسند کیا ہے، جیسے امام بخاریؒ وہ یہ ہے کہ غسل صرف دخول سے واجب نہیں ہوتا جبکہ انزال نہ ہو۔ الماء من الماء کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے۔ (نزل الا برار، صفحہ ۲۳، جلد ۲)

نوٹ: وان لم ينزل والی روایت عورت سے ہمبستری کے متعلق ہے، جانور کا وہاں کوئی ذکر نہیں، جانور کو عورت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور قیاس تو بہر حال غیر مقلدین کے ہاں کارائیس ہے اس لئے اس قیاس سے شیطان کا تمغہ ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ وحید الزمان غیر مقلد لکھتا ہے اور اسی طرح (غسل واجب نہیں ہوتا) جبکہ جانور کی فرج میں یا آدی یا جانور کی دیر میں ادخال کرے۔

(نزل الا برار من فتاویٰ النبی البخاری، صفحہ ۲۳، جلد ۱)

فائدہ: داؤد ارشد نے بحر الرائق کی اس عبارت میں تسلیم بھی کر لیا ہے کہ حنفی مسئلہ کی بنیاد حدیث پر ہے۔ چنانچہ داؤد ارشد نقل کرتے ہیں: فقال علماءنا ان الموجب للغسل هو انزال المنی كما افاده الحديث الاول یعنی ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب منی خارج ہو (بدون انزال کے غسل واجب نہیں ہوتا) جیسا کہ پہلی حدیث کا مفاد ہے۔ (البحر الرائق، صفحہ ۵۹، جلد ۱، تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۵) جب یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے تو مذکورہ بالا سارا اعتراض حدیث پر ہوگا جو منکرین حدیث کا شیوہ ہے نہ کہ اہل حدیث کا۔

مسئلہ نمبر ۲: مدینہ سے اٹھارہ فرسخت کے لئے دوسرا مسئلہ داؤد ارشد نے درمختار سے یہ نقل کیا ہے و افاد کلامہ طہارة جلد کلب و فیل وهو المعتمد یعنی

صاحب جمویر کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ ہاتھی اور کتے کی کھال پاک ہے، اس کی شرح میں ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ کتا نجس العین نہیں، تصحیح کے لحاظ سے یہی صحیح ہے۔ (رد المحتار، صفحہ ۲۰۴، جلد ۱) اس پر تہرہ کرتے ہوئے داؤد ارشد لکھتے ہیں مطلع صاف ہے کہ اگر فقہ حنفی صاحب کتے کی کھال کی ہلت بنوائیں یا ٹوپی خواہ ڈول یا جائے نماز یا دسترخوان یا زین سب پر جلدیں بندھو میں سب جائز ہے بلکہ اگر اس کھال کا مصلیٰ بھی بنا لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۲۲۱)

جواب: اس حوالے سے صرف مدینہ کی تصنیف سے اظہار بقض کیا ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث ذکر نہیں کی بلکہ شامی نے اس جاشیرہ میں بیہقی کے حوالے سے ہاتھی کے بارے میں یہ حدیث ذکر کی تھی کہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یمتشط بمشط من عاج کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھی کے دانت سے بنی ہوئی کنگھی سے بالوں میں کنگھی کرتے تھے اور علامہ جوہر وغیرہ نے عاج کی تفسیر ہاتھی کی ہڈی کے ساتھ کی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے: قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول اذا دبغ الاحاب قد طهرو (مسلم، صفحہ ۱۵۹)

فائدہ: اس روایت میں مطلق چمڑے کے دباعت سے پاک ہونے کا ذکر ہے امام صاحب نے تخریر کے بڑے کو فائدہ رجس کی وجہ سے نجس العین ہونے کی بنا پر اور انسان کے چمڑے کو احرام کی وجہ سے مستثنیٰ کیا۔ امام نوویؒ اس مسئلہ کو اجتہادی قرار دے کر سات مذاہب نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ان مذاہب والوں سے ہر گروہ نے احادیث وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ معلوم ہوا امام مسلم متوفی ۶۷۶ء کے زمانہ تک اس مسئلہ کو حدیث کے مخالف نہیں کہا جاتا تھا بلکہ منیٰ حدیث قرار دیا جاتا تھا۔ آج کل غیر مقلدین نے اس پر اعتراضات شروع کئے ہیں جبکہ ہائے غیر مقلدین نے بھی اس کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کی فقہ قرار دیا تھا۔ علامہ وحید الزمان غیر مقلد فرماتے ہیں جس چیزے کو سنی دباغت دئی جاسے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ ہمارے بعض اصحاب نے خنزیر اور آدی کے چیزے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور صحیح عدم استثناء ہے۔ (نزل الابرار، صفحہ ۲۹) نیز فرماتے ہیں کہ گھجلی کا خون پاک ہے، اسی طرح کتا اور اس کا لعاب ہمارے محققین اصحاب کے نزدیک۔ (نزل الابرار، صفحہ ۳۰) نیز فرماتے ہیں کہ اس چیزے کا جائے نماز اور ڈول بنا لیا جائے گا اور اگر وہ پانی میں گر گیا اور پانی میں تغیر پیدا نہ ہو تو پانی ناپاک نہیں اگرچہ کتے کا منہ پانی کو پہنچ جائے۔ اسی طرح کپڑا کتے کے چیشٹوں سے ناپاک نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے کانٹے سے ناپاک ہوگا اور نہ ہی جوڑا ناپاک ہوگا، اگرچہ اس کو اس کا لعاب بھی لگ جائے اور اس کو اٹھا کر نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (نزل الابرار، صفحہ ۳۰، جلد ۱)

نوٹ: جب یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ ہے تو مولانا جھنگوی پر کسے ہوئے تمام الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں گے۔

فائدہ: بعض غیر مقلدین ابوداؤد شریف کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی چیز کی چھینے اور ان پر سوار ہونے سے روکا ہے۔ (ابوداؤد، صفحہ ۵۷، جلد ۲)

جواب: یہ حدیث اپنے ظاہر کے اعتبار سے بالافتقار متروک ہے کیونکہ صحاح ستہ کے راوی امام زہری تمام سرداروں کی چیزوں سے بغیر دباغت کے بھی نفع حاصل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ دباغت کے بعد خنزیر کے علاوہ باقی تمام درندوں کی چیزوں کو پاک قرار دیتے ہیں۔ امام مالک اپنی ظاہر روایت میں بغیر دباغت کے خشک اور تر مقامات میں تمام چیزوں کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام شافعی کتے، خنزیر اور ان سے پیدا ہونے والے جانوروں کے علاوہ تمام درندوں کی چیزوں کو دباغت کے بعد پاک

قرار دیتے ہیں۔ (رحمۃ کلافت، صفحہ ۸) نیز ابوداؤد کی اسی روایت میں ہے کہ راوی نے حضرت امیر معاویہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ ساری چیزیاں آپ کے گھر میں استعمال ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت یا عدم دباغت پر محمول ہے یا منکبرانہ لباس پر محمول ہے۔

مسئلہ نمبر ۳: ثم الاحسن ذو حجة یعنی امامت کی ابتدائی شرائط میں اگر برابری ہو تو اسے امام بنایا جائے جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ ثم الاکبر راسا والا صغور عضوا یعنی اگر ان تمام شرائط میں برابر ہوں تو امام وہ بنے جس کا سر بڑا اور عضو چھوٹا ہو۔ پھر عضو کی وضاحت کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ اس سے ذکر ہے۔ (درالختار مع الدر المختار، صفحہ ۵۵۸، جلد ۱) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے داؤد دارشد لکھتے ہیں الغرض بقول مصنف درالختار حنیفہ کا یہ موقف ہے کہ امامت میں مقدم وہ ہوگا جس کی بیوی خوبصورت ہو سر بڑا اور ذکر چھوٹا ہو، اگر پیکش کے بیان کی تعدیل بھی بتا دیتے تو مسئلہ پوری طرح واضح ہو جاتا۔ (تتمتہ حنیفہ، صفحہ ۳۲۶، ۳۲۷) صاحب درمختار نے امامت کا حق دار سب سے پہلے احکام نماز کو زیادہ جاننے والے کو اور اگر احکام صلوٰۃ کے علم میں سب برابر ہوں تو پھر نمبر دو اچھی تلاوت والے، پھر نمبر تین شبہات سے زیادہ بچنے والے کو اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو پھر نمبر کو، پھر اچھے اخلاق والے کو، پھر زیادہ تجبہ پڑھنے والے کو، پھر خاندانی خوبیوں والے کو، پھر نسبی شرافت رکھنے والے کو، پھر اچھی آواز والے کو، اگر ان تمام خصلتوں میں برابر ہوں تو پھر خوبصورت بیوی والے کو امامت کا زیادہ حق دار قرار دیا ہے جس کی وجہ علامہ شامی نے یہ لکھی ہے کہ خوبصورت بیوی کی وجہ سے یہ شخص اپنی عورتوں سے تعلق نہیں رکھے گا اور زیادہ پاک اس ہوگا اور علامہ شامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات ساتھیوں یا رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ ہر آدی اپنی بیوی کی صفات بیان کرے تاکہ اس کی بیوی کا خوبصورت ہونا معلوم ہو۔ غیر مقلدوں کو اگر اس پر اعتراض ہے تو اپنی خوبصورت بیویوں کو طلاق دے دیں اور یہ بات نزل الابرار میں وحید الزمان نے لکھی

الاحسن زوجہ کے الفاظ سے صفحہ ۹۶ میں ذکر کی ہے۔ تو ہم یہ اعتراض عطائے تو جانتے تھے کہہ کر غیر مقلدین کو وہاپس کرتے ہیں، اس کے بعد زیادہ مالدار، پھر زیادہ مرتبہ والے، پھر زیادہ صاف کپڑے والے کو امامت کا زیادہ حق دار قرار دیا ہے۔ اگر ان تمام صفات میں برابر ہوں تو پھر نزل الابرار کے قول کے مطابق بڑے سردار چھوٹے قدموں والا زیادہ حق دار ہے جس کی بنا اس مشہور پنجابی مثل پر ہے:..... "سروڈے سرداراں دے، پیروڈے گنواراں دے" یعنی سر کا بڑا ہونا سرداری کی علامت اور پاؤں کا بڑا ہونا گنواراں کی علامت ہے۔ لیکن درمختار میں قدما کی جگہ الاصغر عضوا کے لفظ ہیں۔ عضو کا معنی جوڑ ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعضاء متناسب ہوں، اس کے لئے سر کا بڑا ہونا اور دوسرے اعضاء کا چھوٹا ہونا یہ اس کے ترکیب مزاج کے خلل کی دلیل ہے جس کو عدم اعتدال عقل لازم ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ امام متعدل عقل والا ہونا چاہئے۔ غیر مقلدین کو اگر یہ چیز اچھی نہیں لگتی تو ان کو پاگل امام مبارک ہوں۔ داؤد ارشد نے درمختار کی شرح کے جس صفحہ کا حوالہ دے کر یہ لکھا ہے کہ شارح فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ذکر ہے یہ علامہ شامی پر جھوٹ ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ ابو سعید سے اس کی تردید نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ حاشیہ ابو سعید میں ہے کہ بعض لوگوں سے اس مقام میں وہ بات نقل کی گئی ہے جو ذکر کے اذوق نہیں چہر جائیکہ اس کو کتاب میں لکھا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ گویا ابو داؤد اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو بیان کی جاتی ہے کہ عضو سے مراد ذکر ہے۔ (شامی، صفحہ ۵۵۸) تو شارح درمختار تو اس بات کی تردید کر رہے ہیں لیکن غیر مقلد نے اس تردید کی ہوئی بات کو شارح شامی کی طرف بحوالہ صفحہ منسوب کر دیا۔

نوٹ:..... انسان کے اندر تین سوساٹھ جوڑ ہیں۔ معلوم نہیں داؤد ارشد تین سو آٹھ جوڑوں کو چھوڑ کر اسی ایک عضو سے کیسے چٹ گئے۔

فائدہ:..... اگر اس عضو سے عضو مخصوص ہی مراد لیا جائے تو اصغرہ عضوا کا

یہی معنی مراد ہوگا یعنی اجنبی عورتوں کے پیچھے پھرنے والا نہ ہو، اپنی شرم گاہ کو اپنے کنٹرول میں رکھنے والا، پھر جیسے لہبا ہاتھ سخاوت سے اور چھوٹا ہاتھ کنجوسی سے کنایہ ہوتا ہے۔ اب بھی اس کا مراد ہی معنی پاک دامن ہونے کا کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۴:..... لو حفاف الزنا یوجی ان لا وبال علیہ یعنی اگر زنا کا ارتکاب ہو تو مشیت زنی کرے تو کوئی وبال نہ ہوگا۔ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر زنا سے بچاؤ والا نہیں ہو تو مشیت زنی کرنی واجب ہے۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۷)

الجواب:..... یہاں دو حالتوں کا ذکر ہے۔ ایک حالت اختیاری، اس میں اس فعل کو ارتکاب کرنا واجب ہے اور ناکح الید الملعون والی حدیث پیش کر کے اس فعل کے مرتکب کو لعنتی کہا ہے، پھر درمختار میں لکھا ہے کہ ہر ایسے گناہ کا مرتکب جس میں حد نہ ہو اس میں تعزیر واجب ہے۔ (درمختار، صفحہ ۶۶، جلد ۳) لہذا فقہ حنفی کے مطابق تو جو ان تعزیر کے خوف سے اس فعل سے احتراز کریں گے اور حالت اضطراری پر غیر مقلد نے اعتراض کیا ہے اور اس میں کوئی شامی کا یہ قول کرنا کہ فالوجال ان لا یعاقب کہ اس حالت میں بھی عذاب سے بچنے کی امید ہے۔ دلالت کرتا ہے کہ یہ فعل ہر حالت میں ناپسندیدہ ہے، بلکہ شامی نے تو اپنی بیوی سے استعناء کرانے کو بھی والدین ہم لغرو جہم حافظوں کے خلاف قرار دیا ہے۔ یہ نکتہ اس آیت کریمہ میں بیوی اور لونڈی کے علاوہ قضاے شہوت کو حرام قرار دیا ہے۔ صاحب درمختار نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ الاستعناء حرام و فیہ تعزیر ولو ممکن امراتہ من العیس بلکہ فانونل کبرہ یعنی مشیت زنی حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے اور اگر کسی نے یہ فعل بیوی یا لونڈی سے کرا کے انزال کیا تو وہ بھی مکروہ ہے۔

(درمختار، صفحہ ۴۷، جلد ۳)

سلسلہ غیر مقلدین:..... غیر مقلد نے اپنی حالت اختیاری کے مسئلہ پر

پر وہ ڈالنے کے لئے ہماری حالت اضطراری کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں
 خلاصہ کلام یہ کہ جھٹیلی یا جمادات میں سے کسی چیز کے ساتھ منی نکالنا ضرورت کے وقت مباح
 ہے، خاص کر جب یہ کام کرنے والا فتنہ یا معصیت میں واقع ہونے کا خوف کرنے والا ہوگا
 جس کی اقل حالت نظر بازی ہے کہ اس وقت مستحب ہے بلکہ کبھی واجب ہو جاتی ہے جبکہ گناہ
 کا چھوڑنا بغیر اس حالت کے ممکن نہ ہو اور مشت زنی کے معنی کے بارے میں جو احادیث
 وارد ہوئی ہیں وہ ثابت اور صحیح نہیں بلکہ بعض اہل علم نے اس مشت زنی کو صحابہ کرام سے اپنی
 گھر والیوں سے غائب ہونے کے وقت نقل کیا ہے اور اس جیسے کام میں کوئی حرج نہیں بلکہ
 بدن کے دوسرے موذی فضلات (پیشاب و پاخانہ ازناقل) کے نکالنے کی طرح ہے اور اس
 کا حرام جگہ میں رکھنا ہے۔ (عرف الجادی، صفحہ ۲۰۷) نیز لکھتے ہیں اس کام کا برا ہونا ان
 دو امیوں سے زیادہ برا نہیں ہے کہ ان کے ساتھ تے وغیرہ کا اثر ہوتا ہے۔ تو مشت زنی
 کرنے والے پر تعزیر یا حد کا حکم لگانا مسلمان کے معصوم ہونے کے ساتھ اور اس کی تکلیف
 کے حرام ہونے کے ساتھ بلا دلیل ہے۔ (عرف الجادی، صفحہ ۲۰۸، ۲۰۷)

نوٹ:..... اس کتاب کا پورا نام "عرف الجادی من جنان ہدی الہادی" ہے یعنی
 ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بارغ کے زعفران کی خوشبو۔

تبصرہ:..... داؤد ارشد نے ہماری اضطراری حالت پر اعتراض کیا تھا۔ نور الحسن
 نے عام حالات میں نوجوانوں کو جھٹیلی سے اور عورتوں کو جمادات وغیرہ سے صرف ایاحت نہیں
 بلکہ استہبات اور وجوب تک نوبت پہنچادی۔ نظر بازی کوئی حالت اضطراری نہیں، اس میں اس
 فعل کو واجب قرار دینا بلکہ عمل صحابہ کہہ کر نوجوان بچوں اور بچیوں کو مزید الطمینان دلانا اور یہ کہ
 کہ یہ پیشاب و پاخانے کے موذی فضلات کے نکالنے کی طرح ہے اس میں کوئی حرج نہیں
 اور تے جیسی دوا کے استعمال سے یہ فعل برا نہیں، پھر فقہاء کے تعزیری حکم کو عصمت مسلم

کتاب اور ایذا مسلم کی حرمت میں داخل کر کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کس قدر اس فعل کی
 اہت ملادی ہے۔

تم خود ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کرو۔
 ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

مسئلہ نمبر ۵:..... او جامع طی مارون الفرج ولم ينزل یعنی اگر
 اس کی حالت میں شرم گاہ کے علاوہ مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو روز نہیں نوتا۔

(درمختار، صفحہ ۳۹۸، جلد ۲)

الجواب:..... غیر مقلد نے حسب عادت اس مسئلہ کے خلاف کوئی قرآن کی آیت یا
 حدیث پیش نہیں کی اور نہ ہی قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں اگر احیاء سے ایسا
 نہیں کیا تو علامہ شامی نے اس پر تعزیر نقل کی ہے۔ (شامی، صفحہ ۶۸، جلد ۲) اور درمختار میں ہے
 حکون التعزیر بالقتل کہ تعزیر میں آدمی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ غیر مقلدین:..... نزل لایرار ولو جامع امراته فی مادون
 الفرج ولم ينزل لم یفسد (نزل الابرار صفحہ ۲۳۹، جلد ۱) غیر مقلدین کی اس مسئلہ میں
 اس قرآن ولی نہیں بلکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ کے عنوان سے اس کو ذکر کرنا اس
 حدیث و روایات کرتا ہے کہ اس مسئلہ کا منکر نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ کا منکر ہے۔

مسئلہ نمبر ۶:..... لو ادخل ذکرہ فی بہیمۃ اور مینتہ یعنی اگر کوئی
 جانور پائے جانور (گائے، بھینس، بکری) کے ساتھ برا کام کرے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔
 طرح اگر میت (مردے) کے ساتھ بد فعلی کرے تو روزہ نہیں بگڑتا۔ (درمختار، صفحہ ۳۹۹،
 جلد ۲) نیز اس مسئلہ کو (مناہر حق، جلد ۲) سے بھی نقل کیا ہے۔

الجواب:..... علامہ شامی نے اس مسئلہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ ایسی فرج ہے جو

عاجزاندہ عورت کی طرح قابل شہوت نہیں اس لئے اس کو عام جامعیت پر قیاس کرنا صحیح نہیں اور خاص جزئیہ کے بارے میں کوئی غیر مقلد صحیح صریح روایت پیش نہیں کر سکتا جس میں اس حالت میں روزہ رکھنے کا ذکر ہو۔

فائدہ:..... در مختار میں من غیر الزوال کے الفاظ تھے۔ داؤد ارشد نے ان کو حذف کر دیا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ انزال کی حالت میں بہر حال روزہ لوٹ جائے گا۔ غیر مقلدین مشدات صوم صحیح صریح حدیث سے پوری تعداد میں کبھی بھی گنوا نہیں سکتے اگر جرات ہو تو تمام مشدات صلوٰۃ کے لئے صحیح صریح روایت پیش کرے۔

مسئلہ نمبر ۷:..... یناح اسقاط الموال قبل اربعۃ شہر یعنی چار مہینے سے پہلے اصل کو گرا دینا مباح ہے۔ (در مختار بحوالہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۷)

الجواب:..... در مختار میں ہے کہ ویکرہ ان تسقی لاسقاط حملہا و جوار لعذر حیث لا یتصور (در مختار، صفحہ ۳۲۹، جلد ۶) اس میں بچے کی صورت بننے کے بعد حالت میں اسقاط گونا گونا گونا گوار دیا ہے اور صورت بننے سے پہلے دو حالتوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) حالت اختیاری، (۲) حالت اضطراری۔ حالت اختیاری میں اسقاط کی دوائی پینے کو مکروہ قرار دیا ہے اور حالت اضطراری میں ایسی دوائی کو جائز لکھا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی وضاحت لکھی ہے کہ عذر کی حالت مثلاً یہ ہے کہ کوئی عورت بچے کو دودھ پلاتی ہو اور حاملہ ہو جائے اور اس کا دودھ منقطع ہو جائے، بچے کا باپ کوئی دودھ پلانے والی گریا پر نہ رکھ سکتا ہو اور بچے کی بلاکت کا خطرہ ہو تو اس صورت میں چار مہینے سے پہلے چونکہ روح نہیں پھونگی جاتی اسقاط گونا گونا گوار دیا ہے اور بغیر عذر کے اس کو گناہ لکھا ہے۔ روح پھونکنے کے بعد اسقاط سے قبل گناہ ہوگا۔ (شامی، صفحہ ۳۲۹، جلد ۶)

نوٹ:..... غیر مقلد کسی صحیح صریح حدیث سے مذکورہ مسئلہ کی بالتفصیل تردید کر دیں تو ہم مان جائیں گے کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔

مسئلہ غیر مقلدین:..... علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:..... ویکرہ ان تسقی ید اسقاط حملہا و جوار لعذر او خوف ہلاک (نزل الابرار، صفحہ ۱۲۳، جلد ۳) ہمارے ہاں تو چار ماہ کے بعد عذر کی وجہ سے بھی اسقاط کی اجازت نہیں تھی، مگر غیر مقلد نے مطلقاً عذر کی بناء پر جواز اسقاط کی رخصت دی ہے جو جاندار بچے کے اسقاط کو بھی اپنے موم کی وجہ سے شامل ہے۔ اب غیر مقلد ہی فیصلہ کریں کہ کفروم ستم کو گن کی حمایت حاصل ہے۔

الجما ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
یوں آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

مسئلہ نمبر ۸:..... ومواضع تریصدہ عشرون یعنی تیس صورتوں میں مرد کو عذر (عورت کی طرح) عدت گزارنی پڑے گی۔ (دارالافتاح مع الشامی، صفحہ ۵۰۳، جلد ۳) اور ارشد صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کہ پندرہویں صدی کے مقلد و ذرا عاقل تو سمجھیں کہ مرد کو بھی حیض آتا ہے جس سے اس کی عدت کا اندازہ ہوگا یا مرد کو حمل ہو جاتا ہے جو عدت کا کہہ رہے ہو۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۸)

الجواب:..... در مختار میں عدت کے لغوی شرعی اور اصطلاحی تین معنی ذکر کئے ہیں۔ (۱) معنی متربص ینلزم المراقبہ اور الرجول عند وجود سببہ یعنی شرعاً عورت نکاح کے انتظار کے لئے کچھ مدت ٹھہرنا جو اپنے سبب کے پائے جانے کے وقت عورت یا مرد کو موم اور اس انتظار کے لئے نہ حیض کی ضرورت ہے نہ حمل کی، پھر علامہ شامی نے اس کی پوری تشریح کی ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے مطلقہ ہونے کے بعد بیوی کی بہن یا چھوٹی بہن یا خالہ یا مائیں یا بھانجی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو بیوی کی عدت گزرنے کا انتظار ضروری ہے اور اگر بیوی کو دوسری جگہ نکاح کے لئے عدت گزارنی ضروری ہے۔ اب اس انتظار کے لئے اگر کوئی شخص آنے کی ضرورت ہے کہ حمل کی عورت کی عدت سے اس کی عدت ختم ہو جائے

گی۔ پھر آگے اصطلاح فقہاء میں عدت کی تعریف کو عورت کے ساتھ خاص قرار دیا ہے، اس میں مرد شامل نہیں۔ داؤد ارشد نے یہاں شرعی اور اصطلاحی معنی میں گڑبڑ کر کے یہ اعتراض کیا ہے، اسی طرح مطلقہ ثلاثہ کا پہلا خاوند اگر اس سے نکاح دوبارہ کرنا چاہتا ہے تو جب تک دوسرے خاوند کے دخول کے بعد اس کی طلاق یا وفات کی عدت نہ گزرے اس وقت تک نکاح جائز نہیں تو یہ بھی انتظار خاوند اس کی عدت ہے جو غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے تو کیا اس میں غیر مقلدین کو حیض یا حمل شروع ہو جاتا ہے؟

مسئلہ نمبر ۹: اوزنی فی دار الحرب او البعی یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے بھی حد نہیں۔ (در مختار، صفحہ ۲۸، جلد ۳)

الجواب: مصنف ابن ابی شیبہ میں حکیم بن عمیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے عمیر بن سعد انصاری اور ان کے ماتحت کے عملے کے تحت لکھا کہ وہ کسی مسلمان پر دار الحرب میں حد نہ لگائیں، یہاں تک کہ وہ صلح والی زمین کی طرف آجائیں تاکہ شیطانی رحمت اس کو کافروں کے ساتھ ملنے پر نہ ابھارے۔ (نصب الرأی، صفحہ ۹۳، جلد ۲)

(۲) عطیہ بن قیس کلابی سے روایت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی قتل، زنا یا چوری کر کے دشمن کی طرف بھاگ جائے پھر اس کو پکڑا جائے اس کی ذات کو امان دے کر اس کو وہ حد قائم کی جائے گی جس سے وہ بھاگا تھا اور جب قتل کیا دشمن کی زمین میں یا زنی کیا یا چوری کی پھر اس کو امان دے کر پکڑا گیا، پھر اس نے امان لے لی، اس پر وہ حد جاری نہیں کی جائے گی جس کا اس نے دار الحرب میں ارتکاب کیا تھا۔ (اعلاء السنن، صفحہ ۶۶۶، جلد ۱۱) نیز حضرت ابودرداء، حضرت زید بن ثابت، حضرت حذیفہ سے یہ مسلک ثابت ہے کہ یہ تمام زنا کی اجازت دینے والے تھے نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ ان کے پیش نظر ایسے لوگوں کو کفر سے بچانا تھا۔ داؤد ارشد نے عبارت بھی پوری پیش نہیں کی کیونکہ در مختار میں علت بھی بیان کی ہے کہ لشکر کے سپہ سالار کو حد و حد قائم کرنے کی ولایت نہیں اگر حد و حد قائم

نے کا اختیار رکھنے والا قاضی ہی سپہ سالار ہو تو وہ حد قائم کر سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰: ولاحد بالزنا غیر مکلف بمکلفہ مطلقاً یعنی اگر مانع غیر مکلف مرد اگر کسی مکلف بالغ عورت سے زنا کرے تو دونوں پر حد نہیں۔ (در مختار، صفحہ ۲۹، جلد ۳) داؤد ارشد لکھتا ہے زنا کی اجازت کا کتنا عمدہ حلیہ ہے۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۲۸)

یہ مقلدین سے بارہا یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ زنا اور حد کی جامع مانع تعریف بیان کریں لیکن انہما کی فقہ کو چھوڑ کر صرف قرآن و سنت سے وہ جامع مانع تعریف نہ بیان کر سکیں ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ مسلمانوں سے جتنا ہو سکے حد کو ساقط کر دو اور مسلمان کے لئے کوئی خلاصی کار راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لئے کہ امام کا معافی میں خطا کرنا سزا میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ (ابن شیبہ و ترمذی) حضرت ابن عباس نے فرمایا نقل کیا کہ حد و کوشہادت سے ساقط کر دو۔

(اعلاء السنن، صفحہ ۵۲۱، جلد ۱۱)

صورت مذکورہ میں غیر مکلف بچے کے فعل کو زنا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس عدم زنا سے شہ کی وجہ سے حد کو ساقط کیا گیا، البتہ مکلفہ پر تعزیر جاری ہوگی کیونکہ اسی در مختار میں کل مکلف معصیة لا حد فیہا فیہا تعزیر (در مختار، صفحہ ۶۸، جلد ۳)

مسئلہ ۵: شریعت میں سزا کی دو قسمیں ہیں۔ حد و تعزیر، حد اس سزا کو کہتے ہیں جس کی مقدار متعین ہے اور وہ حقوق اللہ میں کوتاہی پر لوگوں کو ڈالنے کے لئے قائم کی جاتی ہے اور یہ صرف پانچ گناہوں پر ہے۔ حد زنا، حد شہر، حد قذف، حد مسروقہ، حد قطع الطريق، حد ۱۰۰۔ ان کے علاوہ جتنے گناہ ہیں ان میں تعزیری قائم کی جاتی ہے۔ حد میں کوئی شخص اپنی طرف سے کمی زیادتی نہیں کر سکتا، جہاں سو کوڑے ہوں گے وہاں سو ہی لگانے پڑیں گے، حد کوڑا کم یا زیادہ نہیں ہوگا۔ تعزیر کی سزا حسب ضرورت کم زیادہ ہو سکتی ہے۔ غیر مقلدین ہاں لا حد علیہ کا لفظ آ جاتا ہے اس سے اس فعل کی جائز ہونے کا معنی لیتے ہیں جو قرآن و

مناظر اسلام، وکیل احناف

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کی کتاب ”خطبات صفدر“ پر اعتراض کے جوابات

محترم مفتیان کرام اوام اللہ بقاؤم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ حیات فی القور کے ثبوت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا قول کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (سورۃ بقرہ: ۲۸) امین صاحب صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ کے خطبات میں دیکھی کہ اس میں ثم یحییکم سے حیات فی القور مراد ہے۔

میں نے ایک دوست (ممبائی) سے یہ ذکر کیا، اس نے کہا کہ یہ صرف ایک مفسر سنی سے ایک روایت ہے اور اس کے مخالف اور روایتیں اس کے خلاف موجود ہیں اور قاعدہ ہے کہ جب ایک روایت دوسری روایتوں کے مخالف ہوں تو وہ قابل قبول نہیں۔ آپ سے عرض ہے کہ واقعی یہ آیت مستدل ہے، دوم یہ کہ کن کن مفسر سے اس کے تحت یہ منقول ہے، سوم فریق مخالف کا یہ قاعدہ درست ہے یا نہیں؟

۱۔ حیات اور سماع میں ابن ابہام (صاحب فتح القدر) صاحب عنایہ و صاحب کفایہ کا کیا موقف ہے؟

۲۔ ان دونوں مسئلوں (حیات و سماع) کے بارے میں کون کون سی کتابیں دیکھیں، جتنی کتابیں ہوئیں لکھیں میں ضرور لوں گا۔ اللہ تمہیں اجر کثیر عطا فرمائے۔ (فتویٰ کے متعلق اگر کوئی ایسا غیر ملحوظ ہوا تو معاف فرمائے)

سنت اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ حدیث پاک میں ہے لا تقطع ید السارق الابرع دینار فصاندا (مشفق علیہ، مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۳، جلد ۲) اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقطع فی ثمر ولا کسر رواہ مالک (ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقطع الایدی فی الغزو تو کیا غیر مقلدین ان احادیث کا یہی مفہوم لیں گے کہ ربیع دینار سے تم چوری جائز ہے، اسی طرح مجلس انگیزی کی چوری جائز ہے اور میدان جہاد میں بھی چوری جائز ہے یا نعوذ باللہ حدیث نے چوری کا دروازہ کھول دیا۔ غیر مقلدین ہی بتائیں کہ مردار، خنزیر اور پانسانہ کھانے پر کیا حد ہے، اگر اس کی حد مذکور نہیں تو اواداد شدہ ہی کہے گا کہ حد کا ذکر نہ ہونا ان چیزوں کے کھانے کا مدہ حیلہ ہے۔ اگر یہ بات نہیں قطعاً نہیں تو فقہ کے اہل کے لفظ سے زنا کی اجازت کس طرح نکالی ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا تمام مسائل اجتہادی ہیں، اگر واقع میں ان تمام مسائل کو خطا پر بھی محمول کر دیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق فقہاء کو ایک اجر ضرور ملے گا جیسا کہ بخاری شریف، صفحہ ۱۰۹۲، جلد ۲ پر ہے اور اگر اجتہاد صحیح ہو تو مذکورہ حدیث کی وجہ سے دو اجر ملیں گے۔ البتہ اعتراض کرنے والے غیر مقلد اجتہاد کا ملکہ نہیں رکھتے، اس لئے وہ فاصاب لفقہ اخطاء (ترمذی، صفحہ ۱۲۳، جلد ۲) کے مطابق لنگھ رہوں گے۔

الجواب بتوفیق ملہم الصواب

..... اس مسئلہ کو متعدد مفسرین نے ذکر کیا ہے، اس لئے یہاں شاذ و الاقاعہ نہیں چلے گا۔ چنانچہ علامہ بیضاویؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں ﴿ثم يحييكم﴾ بالنشور يوم نفخ الصور او للسؤال في القبور..... ”پھر اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کریں گے صور پھونکنے کے دن قبر سے اٹھانے کے ساتھ یا قبر میں سوال کے لئے“ (صفحہ ۵۹)

شیخ زادہ میں ہے ﴿وان ارید بہ الاحیاء فی القبر کما روی ذالک عن السدی رحمہ اللہ فیكون استعمال کلمة ثم فی هذا الموضوع دلیلا علی ان احياء القبر متراخ عن الموت وان لم یکن متراخیا عن الدفن کما روی عن البراء بن عازب انه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الميت یسمع حنق نعالمہم اذا ولوا مدبرین حین یقال له من ربک وما دینک ومن نیک الحدیث﴾ (شیخ زادہ، صفحہ ۲۳۱) یعنی اگر لفظ یحییکم سے قبر میں زندہ کرنا مراد ہے جیسا کہ سدی رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے تو اس مقام میں کلمہ ثم کا استعمال اس بات پر دلیل ہوگا کہ قبر میں زندہ کرنا موت سے مؤخر ہے اگرچہ دفن سے مؤخر نہیں جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دفن کرنے والے واپس لوٹتے ہیں تو ان کی جوتیوں کی آہٹ کو میت اس وقت سن رہی ہوتی ہے جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ پھر شیخ زادہ میں ہے ﴿قال الامام التسفی رحمہ اللہ تعالیٰ دلت الایة علی البات عذاب القبر وفي القرآن آیات تدل علی ذالک﴾ (شیخ زادہ صفحہ ۲۳۱) یعنی علامہ نسفی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ آیت اثبات عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے اور قرآن میں اور بہت سی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ مولانا عبدالکلیم صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ حاشیہ بیضاوی میں صاحب کشف کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں ﴿وتحقیقہ ان المراد بالاحیاء

السؤال فی القبر الاحیاء البرزخی وهو ان یكون بعد الموت وقبل النشور و ذکر القبر بطریق التمثیل﴾ (حاشیہ عبدالکلیم صفحہ ۲۷) یعنی قبور میں سوال کے لئے زندہ کرنے سے مراد احیاء برزخی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ زندہ کرنا موت کے بعد اور حشر سے پہلے ہو اور قبر کا ذکر مثال کے طور پر ہے۔ جلالین کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے علاوہ متفقین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول یحییکم سے مراد قبر کی حیات ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ ثم جو تعقیب علی سبیل التراخی کے لئے وضع کیا گیا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ یحییکم سے قبروں سے اٹھنے والی حیات کا ارادہ نہیں کیا اس لئے کہ اس دن حیات رجوع کے متصل ہوگی اور تفسیر کبیر کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس آیت کو حیات قبر کی دلیل بنایا جائے تو ذہن کے زیادہ قریب ہے۔ (جلالین، صفحہ ۷، حاشیہ نمبر ۲۳) اور حاشیہ نمبر ۲۳ میں ہے ﴿ثم یحییکم ای للسؤال فی القبور لبحی حتی یسمع حنق نعالمہم اذا ولوا مدبرین ویقال من ربک ومن نیک وما دینک﴾ یعنی یحییکم سے سوال فی القبر کے لئے زندہ کرنا ہے۔ پس میت کو دفن کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے جوتوں کی آواز کو لوتے وقت سنتا ہے اور اس سے من ربک ومن نیک وما دینک کا سوال کیا جاتا ہے۔

علامہ شیروائی بیضاوی کے قول او للسؤال فی القبور کے حاشیہ میں فرماتے ہیں ﴿ومما يدل علی ان المذكور ههنا حیوة البقر للاحیوة الدائمة ان کلمة ثم تقتضی التراخی والرجوع الیه حاصل عقبیة الاحیوة الدائمة من غیر التراخی والا لمصاح ان یقول ثم الیه ترجعون فالایة من هذا الوجه دلیل علی حیوة القبر﴾ (بیضاوی، صفحہ ۵۹، حاشیہ ۵) یعنی ان چیزوں سے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں (یحییکم میں) حیات قبر کا ذکر کیا گیا ہے نہ آخرت کی دائمی حیات کا، یہ بات ہے کہ لفظ ثم تراخی کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع حیات کا

آخر وہی دائمی کے فوراً بعد بلا تراقی ہوگا ورنہ ﴿ثم اليه ترجعون﴾ کہنا صحیح نہ ہوتا تو اس وجہ سے یہ آیت حیات قبر پر دلیل ہے۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں منکرین حیات قبر کا اس آیت سے یہ استدلال نقل کر کے ”کہ قبر کی حیات کی صورت میں تین دفعہ زندہ کرنا پایا جائے گا جبکہ اس آیت میں دو دفعہ زندہ کرنے کا ذکر ہے“ فرماتے ہیں ﴿قوله تعالى ثم يميتكم ثم يحييكم﴾ کو ہر اس مارتے اور زندہ کرنے پر محمول کیا جائے گا جو دنیا کی زندگی کے بعد ہو یعنی دنیا اور قبر اور حشر میں اس لئے کہ فعل کسی عدد پر دلالت نہیں کرتا۔ (شرح مقاصد، صفحہ ۲۲۱، جلد ۲) علامہ قرطبی اسی آیت کی تفسیر میں یہ قول بھی نقل کرتے ہیں ﴿كنتم امواتا اى لطفاً فى اصحاب الرجال وازحام النساء ثم نقلكم من الارحام فاحياكم ثم يميتكم بعد هذه الحياة ثم يحييكم فى القبر للمسئلة الخ﴾ (قرطبی، صفحہ ۲۳۹، جلد ۱)

۲۔ مردہ میں نوعاً من الحیوة کہ جس سے عذاب و ثواب کا ادراک ہوا اہل سنت میں اس کا کوئی منکر نہیں ﴿کما فی کتب العقائد﴾ ابن ہمام بھی فرماتے ہیں ﴿کان الحق ان الميت المعذب فى قبره نوضع فيه الحياة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشروط عند اهل السنة حتى لو كان متفرق الاجزاء بحيث لا تتميز الاجزاء بل هى مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحياة فى تلك الاجزاء التى لا ياعدها البصر﴾ (فتح القدير، صفحہ ۱۹۳، جلد ۵) یعنی حق مسلک یہ ہے کہ جس میت کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں اتنی مقدار حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ تکلیف کا احساس کرے اور اہل سنت و الجماعت کے نزدیک (اس عذاب کے لئے) جسم کا باقی رہنا شرط نہیں حتیٰ کہ اگر اجزاء اس طرح بکھرے ہوں کہ ایک دوسرے سے امتیاز نہ ہو بلکہ وہ مٹی کے ساتھ ملے ہوں پھر اس جسم کو عذاب دیا جائے تو ان اجزاء میں بھی حیات رکھی جائے گی جن کا آنکھ ادراک نہیں کرتی اور کفایہ میں بھی عذاب قبر کے لئے حیات کا ذکر کیا

۳۔ البتہ حیات من کل الوجود یا من بعض الوجودہ کے بارہ میں دو قول نقل کئے ہیں۔ (کنایہ، صفحہ ۳۶۱، جلد ۳) اور عنایہ میں بھی عذاب کے لئے حیات کو قول عامہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ (عنایہ، صفحہ ۱۹۳، جلد ۵) ابن ہمام سماع مولیٰ کے قائل ہیں کیونکہ میت کی تلقین کے بارہ میں فرماتے ہیں ﴿اما التلقين بعد الموت وهو فى القبر ففيل يفعل لحقيقة ما روينا ونسب الى اهل السنة والجماعة وخلافه الى المعتزلة الخ﴾

(فتح القدير، صفحہ ۱۰۴، جلد ۲) یعنی مرنے کے بعد میت کے قبر میں ہونے کی حالت میں اس کو تلقین کرنا پس کہا گیا ہے۔ یہ تلقین کی جائے ﴿لقنوا موتاكم﴾ والی روایت کے حقیقی معنی کی بناء پر اور یہ سب اہل السنۃ والجماعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس کے خلاف کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہ اس کا حکم دیا جائے اور نہ اس سے روکا جائے اور تلقین کرنے والا کہے اے فلاں اے فلاں کے بیٹے اپنے اس دین کو یاد کر جس پر تو عالم دنیا میں رہا، یعنی اس بات کی گواہی پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اس میں شک نہیں کہ لفظ کا اپنے حقیقی معنی سے نکالنا بلا دلیل جائز نہیں تو (اس حدیث میں) اسی (تلقین بعد الدفن) کی تعیین واجب ہے۔ نیز ابن ہمام نماز جنازہ کے بارے میں فرماتے ہیں ﴿روى عنى بالتسليمتين الميت مع القوم﴾ (فتح القدير، صفحہ ۱۲۳، جلد ۲) یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ میں نمازی دونوں طرف موجود لوگوں کے ساتھ رکعت کی بھی نیت کرے۔ اسی طرح ابن ہمام فرماتے ہیں روضہ الطہر کی زیارت کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان الفاظ میں سلام پڑھے ﴿السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا خیر خلق اللہ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ السلام علیک یا حبیب اللہ السلام علیک یا سید ولد آدم السلام علیک یا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا رسول اللہ انی اشهد ان لا اله الا اللہ

وحدہ لا شریک لہ وانک عبده ورسوله واشهد انک یا رسول اللہ قد
 بلغت الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة وکشففت العمة فجزاک اللہ
 عنا حیرا جازاک اللہ عنا افضل ما حازى نبیا عن امتہ الخ پھر دو قطر بعد
 فرماتے ہیں ﴿ثم یسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعة فیقول یا رسول
 اللہ اسئلك الشفاعة یا رسول اللہ اسئلك الشفاعة واتوسل بک الی اللہ
 فی ان اموت مسلما علی ملتک وملتک﴾ (فتح القدر، صفحہ ۱۸۱، جلد ۳)

یعنی خطاب کے مذکورہ بالا الفاظ سے سلام کر کے عرض کرے کہ میں شہادتین کی
 گواہی دے کر کہتا ہوں کہ آپ نے فریضہ رسالت امت کو ادا فرما دیا اور اس امانت کو امت
 تک پہنچا دیا اور آپ نے امت کی خیر خواہی کی اور اس کے غم کو دور کر دیا اللہ تعالیٰ آپ کو
 ہماری طرف سے بہتر جزا عطا فرمائے اور آپ کو ہماری طرف سے اس سے بہتر بدلہ عطا
 فرمائیں جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے عطا کیا ہو۔ پھر کہے اے اللہ کے رسول میں
 آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بنا تا ہوں کہ میری
 موت آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر آئے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہنچانے کا کہا ہو اس کا سلام پہنچانے اور کہے اے اللہ کے رسول
 آپ کو فلاں بن فلاں کا سلام ہو یا کہے اے اللہ کے رسول فلاں بن فلاں آپ کو سلام کہتا
 ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز بھی اس کا حکم دیتے تھے اور قاصد کو سلام پہنچانے کے لئے شام
 سے مدینہ بھیجتے تھے۔ (ایضاً صفحہ ۱۸۱) پھر شیخین کو صیغہ خطاب سے سلام کر کے ہر ایک کو یہ
 الفاظ کہنے کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی طرف سے
 بہترین جزا عطا فرمائے۔ نیز ابن ہمام حضرت ابن عمرؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم حضرت مصعب بن عمیرؓ کے پاس سے (ان کی شہادت کے بعد) گزرے تو حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم نے ان کی زیارت کرو اور ان کو ہم کو ہم کرو کیونکہ اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ
 فرمایا کہ تم ان کی زیارت کرو اور ان کو ہم کو ہم کرو کیونکہ اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ

دست میں میری جان ہے قیامت تک کوئی انہیں سلام نہیں کرے گا مگر یہ جواب دیں گے۔
 (فتح القدر، صفحہ ۱۸۳، جلد ۳) نیز ابن ہمام فرماتے ہیں روضہ اطہر کی زیارت کے وقت بالکل
 اللہ کی طرف پشت نہ کرے بلکہ کچھ استقبال قبلہ بھی ہو کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر
 اطہر میں اپنے دائیں پہلو پر منہ پر قبلہ تشریف فرما ہیں اور فقہاء نے مطلقاً قبور کے بارہ میں
 احسا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ زیارت کرنے والا میت کے پاؤں کی طرف سے آئے، اس کے سر
 کی طرف سے نہ آئے کیونکہ یہ صورت اس کے دیکھنے میں زیادہ مشقت پیدا کرے گی،
 احوال پہلی صورت کے کیونکہ آنے والا اس کی نظر کے سامنے کھڑا ہوگا کیونکہ میت کی نظر جبکہ
 اپنے پہلو پر ہو تو قدموں پر پڑتی ہے تو اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف
 گھومنے والے کے قبلہ بائیں جانب ہوگا۔ (فتح القدر) لیکن آپ مہماتوں کے سامنے اس
 ابن ہمام کو پیش کر کے دیکھ لیں کہ وہ ان کو مانتے ہیں یا نہیں۔

ان مسائل کے بارہ میں "تکمیل الصدور" "سماح موقی" حضرت مولانا محمد سرفراز خان
 صاحب مدظلہ "حیات الانبیاء" حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی، "مقام حیات" حضرت
 مولانا علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ اور "خطبات امین" کا مطالعہ کریں۔

”تحفظ سنت کا نفرنس“ کے موقع پر موصولہ سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱: آپ نے کہا کہ امام اعظمؒ نے ۱۴۳ھ میں فقہ مدون کی لیکن ہمیں امام اعظم کی لکھی ہوئی کوئی کتاب نہیں ملتی جو امام صاحب نے مدون کی ہو۔

جواب: یہ بات تو اثر سے ثابت ہے کہ امام صاحب نے شرعی مسائل کو مدون فرمایا چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ”توضیح الصغیرہ“ میں مستقل باب باندھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ علم شریعت کے سب سے پہلے مدون ہیں اور کتاب الفرائض اور کتاب الشروط سے پہلے انہوں نے لکھی۔ اور اس باب کے تحت لکھتے ہیں کہ مسند ابی حنیفہ کے بعض جاحس نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے ان مناقب میں سے جن میں امام صاحب منقرو ہیں یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے شریعت کو مدون کیا اور علم شریعت کو ابواب و ابواب ترتیب دیا پھر امام مالک نے مؤطا کی ترتیب میں ان کی پیروی کی۔ اور اس بارہ میں امام ابوحنیفہ سے کوئی سبقت نہیں لے جا سکا۔ کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام نے علم شریعت کو ابواب میں مدون نہیں کیا اور نہ کتب کی ترتیب دی۔ ان کا اپنی قوت حافظہ پر ہی اعتماد تھا جب امام ابوحنیفہ نے علم کو منتشر دیکھا اور اس کے ضائع ہونے کا خوف کیا تو اس کو مدون کرنے کے ابواب و ابواب مسائل کو جمع کیا۔ ابتداء کتاب الطہارۃ سے کی پھر نماز پھر تمام عبادت و پھر معاملات کو ذکر کے آخر میں کتاب کو مسامح و راحت پر اس بنا پر ختم کیا کہ یہاں آ کر لوگوں کے (دنیوی) احوال کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اور یہ (ابوحنیفہ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط کو ترتیب دیا (توضیح الصغیرہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۱۶۹)

(۱۳۷) اسی طرح نصر بن حجاب فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس ایسے گمرہ میں داخل ہوا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے انہوں نے فرمایا یہ ساری احادیث ہیں وہیں نے ان میں سے کچھ وہ احادیث کو گوں میں بیان کی ہیں جن میں ان کا نفع تھا (مستند کتاب الآثار مترجم ص ۱۶) نیز علامہ مؤفق بن احمد الحلی متوفی ۵۶۸ھ نے مکہ میں امام مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ نامی کتاب لکھی اور اس میں باقاعدہ یہ باب باندھا الامام ابوحنیفہ من دون علم هذه الشريعة (ج ۲/ص ۱۳۶) یعنی امام اعظم ابوحنیفہ نے سب سے پہلے اس شریعت کے علم کو مدون کیا۔ اسی باب میں وہ فرماتے ہیں پھر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دوسرے ائمہ آئے انہوں نے اپنی کتابوں کو امام صاحب کی کتابوں سے استنباط کیا (مناقب مؤفق ج ۲/ص ۱۳۶) ابن مرتج نے امام صاحب کے خلاف کام کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کیا اے شخص رک جا۔ اس لئے کہ اگر علم کے چار حصے کئے جائیں تو ۳/۴ علم تو امام صاحب کے لئے مسلم ہے باقی ۱/۴ حصہ علم میں دوسرے لوگ ان کے ساتھ شریک ہیں لیکن امام صاحب وہ پوچھتا ہی بھی ان کے لئے مشکل چھوڑیں گے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شریعت کی حفاظت کا ضامن ہے اور امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے شریعت کو مدون کیا تو یہ بات بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ شریعت کا ضامن ہو اور شریعت کے پہلے مدون کو خطا پر چھوڑ دے (مناقب مؤفق ج ۲/ص ۱۳۷)

یزید بن ہارون سے ابو مسلم نے پوچھا انے ابو خالد امام ابوحنیفہ اور انکی کتابوں میں نظر کرنے کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اگر تم فقیر بنا چاہتے ہو تو سب ابی حنیفہ میں غور و فکر کیا کرو کیونکہ میں نے کسی فقیر کو نہیں دیکھا جو اقوال ابی حنیفہ کا مدعا نہ کر وہ سمجھتا ہو (تاریخ بغداد ج ۱۳/ص ۳۳۳) یزید بن ہارون کی مجلس میں مقبرہ نے امام ابوحنیفہ کا قول بیان کیا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اسے شیخ اہم سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرو اور ان اقوال کو ہم سے دور رکھو۔ تو یزید بن ہارون نے کہا

اسے احسن! یہ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تفسیر ہیں جب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے معنی اور تفسیر کو نہیں جانے گا تو احادیث رسول کو کیا کرے گا۔ لیکن تمہارا مقصد صرف حدیثیں سن کر جمع کرنا ہے اگر تمہارا مقصد علم ہونا تو تم حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی کی تلاش کرتے اور تم امام ابو حنیفہؒ کی کتب اور ان کے اقوال میں غور و فکر کرتے تو تمہارے لئے حدیث کی وضاحت ہو جاتی اور اس شخص کو ڈانٹا اور اپنی مجلس سے نکال دیا (مناقب موفقی ج ۲/ص ۳۸)

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا شریعت کو مدون کرنا ایک مسلم امر ہے آپ نے جو مسائل اپنے شاگردوں کو مرتب کرانے ان کو تفسیر احادیث سمجھا جاتا تھا اور کتب فقہ حنفیہ میں وہ سب مسائل تو اترے منقول ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اب آپ کا یہ فرمانا کہ ہمیں امام اعظمؒ کی کبھی ہوئی کتاب نہیں ملتی جو انہوں نے مدون کی ہو بالکل ایسے سے جیسے کوئی کہے کہ ابوالحسن اشعری علم کلام کا بنیاد ڈالنے والا کیسے ہے ہمیں تو ان کی کوئی کتاب نہیں ملتی تو کہا جائے گا ان کے علم عقائد سے محتاط اقوال تمام کتب عقائد میں درج کر دیے گئے ہیں اب ان کے نام سے علیحدہ کتابی شکل میں نہ بھی ہوں تو بھی ان کے مدون اول ہونے میں فرق نہیں آتا اسی طرح اصول حدیث کے مدون اول شعبہ بن حجاج متوفی ۱۹۱ھ اور یحییٰ بن سعید قطان متوفی ۱۹۸ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کو مانا گیا ہے (قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون ص ۷۷) مگر ان کی ان کی مستقل کتابیں اس عنوان سے آج دنیا میں نہیں ملتیں تو ان کے مدون اول ہونے میں فرق نہیں آئے گا اسی طرح علم صرف ابوالاسود دہلی کے شاگرد معاذ بن مسلم فرما متوفی ۱۸۷ھ نے وضع کیا (قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون ص ۱۱۶) مگر ان کی صرف یہ کتاب ان کے نام پر نہیں ملتی نیز علم نحو کا مدون ابوالاسود دہلی ہے (قرۃ العیون ص ۱۱۸) مگر اس کے نام سے کوئی نحو کی کتاب نہیں ملتی اور علم معانی کا مدون اول جعفر بن یحییٰ برکی متوفی ۱۸۷ھ ہے (قرۃ العیون ص ۱۲۳) مگر علم معانی میں

اس کے نام کی کوئی کتاب نہیں ملتی تو کیا آپ ان تمام حضرات کے ان علوم کے مدون اول ہونے کا انکار کر دیں گے؟ قطعاً نہیں بلکہ یہ کہیں گے کہ بعدہ اولوں نے اپنی کتب میں ان کے اصول درج کر لئے ہیں ان کے نام سے علیحدہ شائع ہونا ضروری نہیں۔ بالکل اس طرح امام صاحب کے شاگردوں نے اپنی کتب میں امام صاحب کے تمام مدونہ مسائل لے لئے اور وہ کتب فقہ میں ہم تک متواتر چلے آ رہے ہیں۔

آخر یہ بات آپ ہی بتائیں کہ کسی فن کے مدون اول کے لئے اسکے نام سے کتاب کا شائع ہونا قرآن نے ضروری قرار دیا ہے یا حدیث نے؟ اگر آپ اس بارہ میں کوئی حدیث یا حدیث پیش نہیں کر سکتے اور قطعاً پیش نہیں کر سکتے تو ہم آپ کا یہ وسوسہ "عطائے توحید" تو "کہہ کر آپ کو واپس کرتے ہیں۔

نوٹ: واضح رہے کہ ایسا وسوسہ اہل دنیا کسی فن میں بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ مثلاً طب کا موجد اول وہ ہونا چاہیے جس کی آج کل کتاب طب بازار میں ملے سب سے پہلا حساب دان وہ ہونا چاہیے جس کی حساب کی کتاب بازار میں ملتی ہو۔ سب سے پہلا کسٹروہ ہونا چاہیے جس کی اس فن کی کتاب بازار میں دستیاب ہو۔

حافظہ ۵: اس وقت علم عقائد کی سب سے پہلی کتاب امام صاحب کی ملتی ہے فقہ اکبر اور حدیث کی پہلی کتاب بھی امام ابو حنیفہؒ کی ملتی ہے کتاب الآثار جس کے راوی امام صاحب کے شاگرد ہیں (۱) امام محمد (۲) امام ابو یوسف (۳) امام زفر (۴) حسن بن زیاد وغیرہ اس لحاظ سے "ہو صایا امام اعظم" بھی چسپ ہو چکی ہے۔

سوال نمبر 2: ہم مقلد امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے ہیں تو فقہ حنفی میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتویٰ کیوں دیا جاتا ہے؟

جواب: صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا حنفیت کے خلاف نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ سب حنفی قاضی اس قول کے مطابق فیصلہ کرے جس کے قائل امام صاحب کے شاگردوں میں

سے صاحبین و علمبرہ ہوئے ہیں تو یہ فیصلہ امام صاحب کی رائے کے خلاف نہیں ہے لیکن اس جزئیہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام صاحب کے شاگردوں کے اقوال امام صاحب کے مذہب سے خارج نہیں ہیں اس لئے کہ فقہاء نے ان سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے جو قول بھی کیا ہے وہ امام صاحب سے ہی منقول ہے (رد المحتار ج ۳/ص ۳۶۲)

شرح عقود رسم المحدثی میں ہے کہ امام صاحب کا ہر شاگرد آپ کی کسی روایت کو لے کر اس کو ترجیح دیتا تھا جیسا کہ اس بات کو رد مختار میں نقل کیا ہے۔ ولو البیہ کی کتاب البرہانیات میں ہے کہ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ میں نے کوئی ایسا قول نہیں کیا کہ جس میں میں نے امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہو مگر وہ بھی امام صاحب کا ہی مرجع قول ہوگا تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ان کے برخلاف راست پر نہیں پٹے۔

(شرح عقود رسم المحدثی ص ۸۰، ص ۸۱)

اور حادنی القدسی کے آخر میں ہے کہ جب کوئی شخص امام صاحب کے شاگردوں میں سے کسی کا قول لے گا تو یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ وہ امام صاحب کے قول کو لیتے والا ہوگا اس لئے کہ امام صاحب کے تمام بڑے شاگردوں جیسے ابو یوسف اور محمد اور زفر اور حسن رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے کسی مسئلہ میں کوئی قول نہیں لیا مگر وہ ہماری امام ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے۔ اور اس بات پر انہوں نے سخت سخت تسمیہیں کھائیں تو اس وقت فقہ (حنفی) میں کوئی جواب اور مذہب سوائے امام ابو حنیفہ کے نہیں ہوگا خواہ وہ کسی رنگ میں ہو اور امام صاحب کے غیر کی طرف سے صرف مجازاً اتھا قانست (بعض مسائل کی) کی گئی ہے (شرح عقود رسم المحدثی ص ۸۱) اویہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حضرت عمر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غمگینوں کے مسجدوں میں آنے پر ایسی سختی سے پابندی لگائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سختی نہیں فرمائی تھی تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر حضور اکرم ﷺ اس صورت حال کو دیکھ لیتے جو غمگینوں نے پیدا کر دی ہے تو حضور اقدس ﷺ

اور غمگینوں کو مسجد سے روک دیتے (بخاری ص ۱۲۰)

معلوم ہوا کہ حالات کی تبدیلی سے حضرت عمر کی سختی حجاج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھی نہ کہ مخالف اسی طرح صاحبین کے اختلاف احوال کی بنا پر بعض امام صاحب کے مسائل کو ترجیح دی کہ اگر امام صاحب کا سابقہ ان حالات سے پڑنا تو وہ بھی اسی قول کو ترجیح دیتے تو یہ مسئلہ بالکل مزاج امام کے موافق ہوگا۔

والی نمبر 3: اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ چاروں امام حق پر ہیں تو صرف امام ابو حنیفہ کی طرف کیوں کرتے ہو باقی کی کیوں نہیں کرتے؟

بایں کے برحق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ انکی اتباع بھی کی جائے جیسے ایک لاکھ لاکھ ہزار کے قریب انبیاء کرام برحق ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آدم علیہ السلام کے اپنے ہر (حضرت حوا جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں) سے نکاح کیا تھا اور اب اپنے جز (اولاد) سے نکاح کیا جائے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں کھائی کا بہن سے نکاح درست تھا تو ان کو برحق ہی ماننے والے بھی بہنوں سے نکاح کر دیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں بیک وقت دو بہنیں تھیں تو ان کو برحق ماننے والے بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھیں۔ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں برحق ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی عبادت کا دن ہفتہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کا دن اتوار تھا جیسا کہ ہمارا عبادت کا دن جمعہ ہے اب کوئی آدمی کہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے برحق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم ہفتہ کو یہودیوں کے عبادت خانہ میں اور اتوار کو یہ مسیحیوں کے گرجا میں جایا کرو۔ اسی طرح ان پیغمبروں کے برحق ہونے کا مطلب کوئی یہ نہیں کرتے کہ روزانہ ایک ایک نماز یہودیوں اور مسیحیوں کے قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھا کرو تاکہ پتہ چل جائے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برحق سمجھتے ہو یا نہیں۔ سارے نبی برحق ہیں مگر اتباع ہم اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی کریں گے اس طرح چاروں ائمہ برحق ہیں لیکن تقلید ہم امام ابوحنیفہؒ کی کریں گے۔ قرآن پاک کی وہ قراءتوں کے برحق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر آیت کو دس قراءتوں میں پڑھیں بلکہ ان کے برحق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس جس علاقہ میں جو جو قراءت تو اترا یا شہرت سے بچتی ہے اس کے مطابق قراءت کریں اور باقی قراءتوں کا انکار نہ کریں جیسے یہاں غیر مقلدوں کی ایک ہی متواتر قراءت یعنی قاری عام کوئی کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں باقی قراءتوں پر پڑھتے تو ان کو پورا قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اس طرح ہم سنہ رسول ﷺ کی متواتر قراءت فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ (اور ہمیں پورا ثواب ملتا ہے)

سوال 4: اصول الشاشی ص ۷۵ پر ہے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے قول پڑھتے تو انہیں دیا جائے گا حالانکہ وہ کثیر الروایات صحابہ میں سے ہیں۔

جواب: قرآن پاک میں لیستفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم (تاکہ کچھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم جبکہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف) (توبہ ۱۲۳)۔ اس آیت میں غیر فقہاء کو فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اولین مخاطب اس آیت کے صحابہ کرام ہیں، تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دو گروہ تھے فقہاء غیر فقہاء اور غیر فقہاء کو فقہاء کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا اس طرح ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلہم الذین یتنبطونہ منہم (الآیۃ) (اگر اس کو روک دینے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں) (نساء ۸۳) اس آیت کریمہ میں اہل استنباط (فقہاء) کو تحقیق قرار دے کر دوسروں کو ان کی طرف معاملات لے جانے کا حکم دیا ہے۔ اور اس آیت کریمہ کے مصداق اولین صحابہ کرام ہیں معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض اہل استنباط تھے اور بعض نہیں، غیر اہل استنباط کو اہل استنباط کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حاصل فقہ غیر فقہ (ترمذی ص ۳۸۰) یعنی بہت سے فقہ کے عاملین غیر فقہ ہوتے ہیں۔ اور فرمایا اب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ (ترمذی ص ۳۸۰) کہ بہت سے حامل فقہ (روایات کو یاد کرنے والے) روایات کو اس شخص تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقہاء ہیں۔ اور اس تقسیم کو صحابہ کرام نے بھی تسلیم کیا چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعرئی نے فرمایا لا یستلونی مادام ہذا الحیو فیکم (بخاری ج ۲ ص ۹۹) یعنی جب تک یہ عالم (عبداللہ بن مسعودؓ) تم میں موجود ہیں مجھ سے مسئلہ نہ پوچھا کرو۔ حافظ ابن قیم متوفی ۷۵۰ھ نے بھی صحابہ کرام کے دو گروہ قرار دیئے ہیں بعض کا فتویٰ چلتا ہے اور بعض کا نہیں۔ کل صحابہ ان کا فتویٰ چلتا تھا ان کی تعداد ۱۵۱ ذکر کی ہے جس میں سے سات صحابہ۔ عمر بن الخطابؓ۔ علی بن ابی طالبؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ کو کثرت سے فتویٰ دینے والے شمار کیا ہے اور جن کے فتاویٰ متوسط تعداد کے ہیں ان کی تعداد بیس (۲۰) ہے اور جن حضرات کے فتاویٰ بہت ہی کم ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض بعض کے تو صرف دو ایک مسائل میں ہی فتوے ہیں ان کی تعداد ۱۲۳ شمار کی ہے (اعلام الموقعین مترجم ص ۷۷-۸، ج ۱)۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۹ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ صحابہ کرام کے دو گروہ تھے بعض مجتہدین بعض مقلد اصول الشاشی کے مصنف نے بھی راویان حدیث کی دو قسمیں ذکر کی ہیں: (۱) معروف بالعلم والاجتہاد جیسے خلفاء اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہم (۲) جو حافظ اور عدالت میں تو مشہور ہیں نہ کہ اجتہاد و فتویٰ میں ان کی مثال حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے دی ہے پھر اس دوسری قسم کا حکم بیان کیا ہے کہ ان کی روایت اگر قیاس کے موافق ہو تو اس پر عمل کے لازم ہونے میں کوئی فخر نہیں اور اگر ان کی روایت قیاس کے مخالف

ہو تو قیاس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

خیانت: محض نے مطلق یہ قول ذکر کیا ہے کہ حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا حالانکہ کتاب میں ان کے قول کا ذکر نہیں انکی روایت کی بات ہے پھر اگر ان کی روایت تو اترا یا شہرت کے درجہ کی ہو تو اس کے انکار کو علی الترتیب کفر اور بدعت کہا ہے (ص ۷۴) اور اگر کفر واحد ہو اور قیاس کے موافق ہو تو بھی اس پر عمل کو لازم قرار دیا ہے صرف خبر واحد مخالف قیاس کا وہ حکم ذکر کیا ہے جو محض نے اعتراض میں نقل کیا ہے تو گویا نقل میں ۳/۴ حصہ خیانت کی اور ۱/۴ حصہ میں بھی یہ تلمیح کی کہ یہ نہیں بتایا گیا یہ مسلک صرف احناف کا نہیں بلکہ صحابہ گرام کا ہے کیونکہ علامہ شاشی نے اس کی مثال میں حضرت ابن عباس کا حضرت ابو ہریرہ کی خلافت قیاس ٹھہرنا واحد کو رد کرنے کا ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے جب یہ خبر واحد نقل کی کہ آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو حضرت ابن عباس نے صرف قیاس سے معارضہ کیا کہ کیا اگر آپ گرم پانی سے وضو کریں تو آپ کو دوبارہ وضو کرنا پڑے گا تو حضرت ابو ہریرہ کا موش ہو گئے اور حضرت ابن عباس نے اس کو صرف قیاس سے رد کیا ہے اگر ان کے پاس کوئی خبر ہوتی تو اس سے معارضہ کرتے (اصول الشاشی ص ۷۵) پھر حاشیہ پر اس کی وجہ بھی تحریر کی تھی کہ غیر فقیہ کی روایت میں دو وجہ سے شبہ پایا جاتا ہے ایک خبر واحد کے ہم تنگ متصل ہونے میں اور دوسرا نقل میں غلطی کا شبہ، کیونکہ صحابہ گرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان حدیث کا بالمعنی نقل کرنا عام طور پر پایا جاتا تھا اور یہ احتمال ہے کہ غیر فقیہ نے اس کو اپنے الفاظ میں نقل کیا ہو اور یہ الفاظ ان معانی کو ایسا ادا نہ کر سکے ہوں جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نے ادا کیا تھا تو اس سے خبر واحد کے متن میں بھی شبہ ہو جائے گا اور قیاس میں صرف ایک شبہ ہوتا ہے کہ قیاس کی علت جس صفت کو بنایا ہے واقع میں وہ علت ہے یا نہیں تو ایک شہدائی دلیل دوسرے شہدائی دلیل پر راجح ہوگی۔

مخالفت: مصنف نے یہ کہہ کر کہ وہ اجتہاد و فتویٰ میں معروف نہ ہوں ایک اور دلیل کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تمام آیات و احادیث کا تقاضا بھی یہ ہے کہ غیر معروف کو معروف کے برابر نہ کیا جائے بلکہ اس کو ترک کیا جائے۔

حقیقت حال: اصل اس حوالہ سے غیر مقلدین کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ گرام کی عزت و بائیس قربان کرنے والے گروہ کو اس طرح بدنام کیا جائے کہ ان کے دل میں صحابہ گرام کی عظمت نہیں اور ہماری (غیر مقلدین کی) بغض صحابہ والی عبارات کی طرف لوگوں کی توجیہ نہ ہو، ہم غیر مقلدین کی بعض عبارات بلا تبصرہ نقل کرتے ہیں تاکہ عوام سمجھ جائیں کہ ان کے دل میں عظمت صحابہ کس درجہ کی ہے (۱) قول صحابی حجت نہیں (عرف الجادی ص ۳۸) (۲) اقوال صحابہ حجت نہیں (ایضاً ص ۴۴) (۳) آثار صحابہ سے استدلال درست نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو ان آثار کے مطابق عبادت کرنے والا بنایا ہے (ایضاً ص ۸۰) (۴) اصول میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قول صحابی حجت نہیں اور اگر حجت ہے تو اصحاب صحابہ میں لیکن یہ بھی ان کے ہاں ہے جو حجت اجماع کے قائل ہیں (عرف الجادی ص ۱۰۱) (۵) حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ اور ان کے بعد والوں کا اجتہاد کسی پر حجت نہیں ہے (ایضاً ص ۲۰۲) (۶) اور اجتہاد صحابہ امت میں سے کسی پر حجت نہیں ہے (عرف الجادی ص ۲۰۷) (۷) بعض صحابہ کے اقوال سے استدلال کچھ مفید نہیں کیونکہ ہم ان کے اقوال کے مطابق عبادت کرنے والے نہیں ہیں (عرف الجادی ص ۲۰۳) (۸) حضرت عمر کے بارہ میں لکھا ہے "روایت کی طرح ان کی روایت ہم پر واجب اتعمیل نہیں ہے" ممکن ہے کہ وہ درست نہ ہو (شیخ محمدی ص ۱۱) (۹) ان جہاں کم فاسق بنیا فنیسوا ولید ان متقبہ کے بارہ میں نازل ہوئی اس طرح الفمن کان مؤمناً حکمن کان فاسقاً (الآیۃ)

ہانا ہا ہے کہ یہ ساری کفریہ امر مروج قول کے مطابق ہے، اور علیہ کاران قول (معروف ہا) ہر طرف ہا کی تسمیہ کے غیر مطلقاً، روایت صحابی کے قول کرنے کا ہے۔

کی وجہ سے فاسق کی خبر میں سوچ بچار کی جائے گی اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بعض صحابہ فاسق تھے جیسے ولید اور ایسا ہی معاویہ، عمرو، مغیرہ اور سمرہ کے بارہ میں کہا جاتا ہے (نزل الا برار ج ۳ ص ۹۳) (۱۰) معاویہ اور ان کے بعد ملوک و امراء ہیں ائمہ اور خلفاء نہیں (نزل الا برار ج ۱ ص ۷) (۱۱) خلفائے راشدین کا خطبہ میں ذکر خلف صالحین سے منقول نہیں اس لئے اس کا ترک بہتر ہے (نزل الا برار ج ۱ ص ۱۵۳) (۱۲) جو شخص شخصین (حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو یا حضرت علیؑ کو سب سے (گالی دے) اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور وہ کافر نہیں ہوگا (نزل الا برار ج ۲ ص ۳۱۸) (۱۳) مولوی صاحب (مولوی عبدالحق بخاری) نے ہمارے سامنے کہا کہ عائشہؓ علیؑ سے لڑی اگر بغیر توبہ مری تو مرد مری (کشف المحجوب ص ۴۲) اور یہ بھی دوسری مجلس میں کہا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا ان کو ہر ایک کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں (کشف المحجوب ص ۴۲)

سوال 5: ڈاکٹر صاحب نے کہا امام اعظم ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ سے ملاقات کی ہم ان کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کی ملاقات ثابت نہیں اکمال فی السماء الرجال مشکوٰۃ ص ۶۲۳ میں ہے امام صاحب نے چار صحابہ کا زمانہ پایا ہے اور ان میں سے کسی سے ملاقات ثابت نہیں۔

جواب: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں جس شخص نے امام صاحب کی تابعیت کی نفی کی ہے وہ یا بہ قصور تلاش کے یا بوجہ تعصب شدید کے ہے (اقامہ الحججہ ص ۱۲ بحوالہ فتح المسین ص ۲۶۳) ابن جوزی نے العلل المستاہیہ میں لکھا ہے امام صاحب نے نہیں سماعت کی کسی صحابی سے بلکہ حضرت انسؓ کو دیکھا ہے (فتح المسین ص ۲۶۳) علامہ شمس الدین ڈوسی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں جب حضرت انسؓ کو فخر شریف لائے تو آپ نے نفی دفعہ نہیں دیکھا (تذکرۃ الصحفا مترجم ج ۱ ص ۱۳۷) حافظ ابن حجرؒ متوفی ۷۹۷ھ نے اپنی کتاب "الخیرات الحسان" میں چھٹی فصل کا عنوان ہی یہ باندھا ہے "ان صحابہ کے بارہ میں جن کو امام ابوحنیفہؒ نے پایا ہے" (الخیرات الحسان ص ۴۷) پھر فرماتے ہیں یہ بات پایہ صحت کو پہنچ چکی ہے جیسا کہ ڈوسی نے کہا کہ امام

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین میں حضرت انسؓ کو دیکھا اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے حضرت انسؓ کو کئی مرتبہ دیکھا وہ سرخ خضاب لگاتے تھے اور اکثر محدثین اس رائے پر قائم رہے کہ تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی ہو اگرچہ اس کی صحبت (شاگردی) کا اس کو صحیح نہ ملتا ہو، تابعی کی اس تعریف کو ابن صلاح کی طرح امام نوویؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے اور اس سے سندوں سے یہ بات آئی ہے کہ امام صاحب نے حضرت انسؓ سے تین احادیث روایت کی ہیں (الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ العمان ص ۴۷)

پھر فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن حجرؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام کی ایک اس جماعت کو پایا ہے جو آپ کی ۸۰ھ میں پیداؤش کے بعد کوفہ میں تھی لہذا آپ تابعین کے طبقہ میں شمار ہوئے ہیں اور یہ (تابعیت کی فضیلت) آپ کے جمعہ ائمہ کیے شام میں اوزاعی، بصرہ میں دونوں حماد اور کوفہ میں ثوری اور مدینہ میں امام مالک اور مصر میں سیف بن سعد میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوئی (الخیرات الحسان ص ۲۸) اس کے بعد ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس بنا پر امام ابوحنیفہؒ ان تابعین کی ذوات بابرکات میں داخل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کا قول واللذین تبعوہم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ واعدلہم تحت تحری نحتھا الالہار خالذین فیہا ابدأ ذلک الفوز العظیم شامل ہے (ترجمہ: اور جو ان (مہاجرین و انصار) کے پیرو ہوئے تنگی کے ساتھ اللہ راضی ہو ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ جہی ہیں نیچے ان کے گہریں اور ہا کریں گے انہیں میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی (الخیرات ص ۲۸) پھر ابن حجرؒ نے ۱۶ صحابہ سے ملاقات اور بعض سے روایات کے مثبت منفی اقوال نقل کر کے فرمایا کہ محدثین کا قاعدہ ہے اتصال کا راوی ارسال وانقطاع کے راوی پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس زیادتی علم ہے۔ اس اصول سے علامہ یعنی کے قول (کہ امام صاحب کا صحابہ کرام سے سماعت ثابت ہے) کی تائید ہوتی ہے: اس بات کو اچھی طرح ذہن میں محفوظ رکھ کیونکہ یہ بڑی اہم

بات ہے (الخیرات الحسنان ص ۵۵) حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳۹) علامہ صدر الامم موفقی بن احمدؒ کی متوفی ۵۶۸ھ نے اپنی کتاب میں مستقل باب باندھا ہے جس میں امام صاحب کی صحابہ کرام سے ملاقات بلکہ روایات کو ذکر فرمایا ہے اس باب کے آخر میں حضرت علاء کے واسطے سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سات صحابہ سے ملاقات کی اور ان میں سے ہر ایک سے حدیث سنی (مناقب موفقی ج ۱ ص ۳۵)۔ علامہ کردری متوفی ۸۴۷ھ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں اللہ تعالیٰ کے قول والذین اتبعوہم باحسان والی آیت میں داخل ہیں (مناقب کردری ص ۳ و ۵) علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی حمیش الصحیفہ میں اور خطیب نے تاریخ بغداد میں تابعیت امام رحمۃ اللہ علیہ کو تسلیم کیا ہے مسند امام اعظمؒ میں سات روایات امام صاحب کی صحابہ کرام سے بلا واسطہ منقول ہیں۔

حدیث نمبر ۱: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ ۹۶ھ میں نے اپنے والد محترم کے ساتھ حج کیا اس وقت میری عمر ۱۶ سال تھی جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک عظیم حلقہ دیکھا میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا یہ کس کا حلقہ ہے تو انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن الحارث بن جزاء الزبیدی کا حلقہ ہے میں آگے بڑھا تو میں نے ان کو سنا فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی تقابہت حاصل کرے اللہ تعالیٰ تمام مقاصد میں اس کی کفالت فرمائیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی عطا فرمائیں گے جہاں اس کا وہم و گمان نہ ہوگا (مسند امام اعظم ص ۲۰)

حدیث نمبر ۲: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے

کوئی مسجد بنائے اگر بھٹ بھر کے گھورے کی مثل ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں عظیم گھر بنا دیں گے (مسند ص ۳۷)

حدیث نمبر ۳: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں حضرت عائشہ بنت جبرؓ کو سنا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بڑا انکر زمین میں مٹزی ہے نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام کرتا ہوں (مسند امام اعظم ص ۱۹۳)

حدیث نمبر ۴: امام ابوحنیفہؒ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے اللہ کے رسول مجھے کوئی بچہ نہیں عطا کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہاں تو کثرت استغفار اور کثرت صدقہ سے دور ہے ان دونوں کی وجہ سے تجھے اولاد عطا کی جائے گی اس کے بعد وہ آدی صدقہ اور استغفار کثرت سے کرتا تھا حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ اس کو نو بیٹے عطا کئے گئے (مسند امام اعظم ص ۲۰۸)

حدیث نمبر ۵: امام ابوحنیفہؒ حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تنگی پر حالات کرنے والے کو تنگی کرنے والی طرح جواب ملتا ہے (مسند امام اعظم ص ۲۱۳)

حدیث نمبر ۶: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبد اللہ بن انیس ۹۴ھ میں کو فو تشریف لائے میں نے آپ کی زیارت کی اور میں نے پودہ سال کی عمر میں ان کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے کہ تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرا کر دیتا ہے (مسند ص ۳۱۵ و ۲۱۶)

حدیث نمبر ۷: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت داؤد بن الاسقعؓ کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کی تکلیف پر خوشی نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ تجھے (اس مصیبت میں) مبتلا کر دیں گے اور اس کو عاقبت دے دیں گے (مسند ص ۲۱۶)

مطالبہ! اب آپ فرمائیں کہ سواد اعظم کے قول تابعیت کو چھوڑ کر آپ نے جو صاحب

اکمال کے قول پر دعویٰ رہتا ہے اس کا آپ کو خدا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے جبکہ حدیث پاک میں سواد اعظم سے پہلے کا حکم ہے آپ آخر اس سے کیوں ٹوٹ رہے ہیں؟ قرآن پاک کی متواتر آیتوں کے مقابلہ میں کسی شاذ قرآن کو آپ قبول کریں گے یا حدیث متواتر کے مقابلہ میں آپ شاذ روایت کو ترجیح دیں گے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر تابعیت امام اعظم ابوحنیفہ کے بارہ میں جمہور کے قول کو چھوڑ کر آپ اس شاذ قول کو کیوں قبول کر رہے ہیں جس کے بارہ میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ تابعیت امام اعظم کا انکار جہالت یا تعصب پر مبنی ہے (اقامۃ الحجج ص ۱۳)

اب صاحب مشکوٰۃ کے چند حوالے نقل کر کے فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں کہ مذکورہ قول جہالت پر مبنی ہے یا تعصب پر (۱) صاحب اکمال نے ائمہ کے ذکر میں امام مالک کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ وہ زمانے، مرتبے اور محرفیت و علم کے اعتبار سے مقدم ہیں (ص ۶۲۳) اور پھر اسی صفحہ پر امام مالک کی پیدائش ۹۵ھ اور امام ابوحنیفہ کی پیدائش ۸۰ھ ذکر کی ہے، کیا ۸۰ھ میں پیدا ہونے والا زمانہ کے اعتبار سے مقدم ہے یا چند سال بعد ۹۵ھ میں پیدا ہونے والا؟ پھر صاحب مشکوٰۃ نے یہ تو آپ کے بقول بھی اعتراف کر لیا ہے کہ امام صاحب نے چار صحابہ کا زمانہ پایا ہے اور حضرت امام مالک کے بارہ میں یہ بات ذکر نہیں فرمائی تو جس نے صحابہ کا زمانہ پایا ہو یا کم پایا ہو اس کا مرتبہ مقدم ہوتا ہے یا اس کا جس نے کم از کم تیس سال کا زمانہ پایا ہو؟ پھر امام صاحب کے بارہ میں یہ فرمایا ہے کہ انہوں نے چار صحابہ کا زمانہ پایا ہے حالانکہ اسی اکمال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے (۱) حضرت عبداللہ بن جزاءؓ کا زمانہ بھی پایا ہے کیونکہ ان کی وفات امام صاحب کی پیدائش کے پانچ سال بعد ۸۵ھ میں ہوئی ہے (اکمال ص ۶۰۳) اس طرح (۲) حضرت ابوامامہؓ باہلی کا چھ سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کی وفات ۸۶ھ میں ہوئی ہے (اکمال ص ۵۸۶) (۳) حضرت مالک بن حویرثؓ کا آپ نے چودہ سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کی وفات ۹۳ھ

۱) حضرت ابوامامہ انصاریؓ کا بیس سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہے (اکمال ص ۵۸۶) (۵) حضرت عمرو بن حریثؓ کا پانچ سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کی وفات ۸۵ھ میں ہوئی ہے (اکمال ص ۶۰۷) اور (۶) حضرت ابان بن خالدؓ کا گیارہ سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ہے (اکمال ص ۵۹۸) (۷) نیز حضرت طارق بن شہابؓ کا دو سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کی وفات ۹۲ھ میں ہوئی ہے (اکمال ص ۶۰۱) (۸) اور حضرت عبداللہ بن بسرؓ کا آٹھ سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کی وفات ۸۸ھ میں ہوئی ہے (اکمال ص ۶۰۳) (۹) اور حضرت عبداللہ بن علیؓ کا ۹ سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کی وفات ۸۹ھ میں ہوئی ہے (اکمال ص ۶۰۳) اور (۱۰) حضرت عقبہ بن عبدالمطلبؓ کا سات سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کا وصال ۸۷ھ میں ہوا ہے (اکمال ص ۶۰۶) اور (۱۱) حضرت قبیصہ بن ربیعہؓ کا چھ سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کا وصال ۸۶ھ میں ہوا (اکمال ص ۶۱۳) اور (۱۲) حضرت محمود بن لبیدؓ کا ۱۶ سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کا وصال ۹۶ھ میں ہوا (اکمال ص ۶۱۸) اور (۱۳) حضرت مقدم بن معدیکربؓ کا سات سال کا زمانہ پایا ہے کیونکہ ان کا وصال ۸۷ھ میں ہوا (اکمال ص ۶۱۶) اور (۱۴) حضرت مالک بن اوسؓ کی حیات کا زمانہ آپ نے بارہ سال پایا ہے کیونکہ ان کا وصال ۹۲ھ میں ہوا (اکمال ص ۶۱۵)۔ توجہ اکمال سے اٹھارہ صحابہ کرام کا زمانہ امام صاحب کی زندگی میں ثابت ہے تو اس قول کا کیا مطلب ہوگا کہ آپ کے زمانہ میں چار صحابہ زندہ تھے؟

شیخ فقہی مسائل قرآن کے مخالف ہیں؟

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ بعض بھائی کہتے ہیں کہ فقہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے، میں نہیں مانتا بلکہ میں ایسے مسائل نگاہوں جو قرآن وحدیث کے خلاف ہیں اور فقہ میں موجود ہیں۔ مہربانی فرما کر جواب دیں۔ پھر سات سوال اس نے لکھے ہیں۔

تصہیح: ان سوالوں اور ان کے جوابات سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ

قرآن و سنت میں فقہ اور فقہاء کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ فقہ کی خدمت بیان نہیں کی گئی۔
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ
کرتے ہیں تو وہ اس کو دین کی فقاہت عطا فرماتے ہیں اور اس کو دنیا سے بے رغبت کر دیتے
ہیں اور اس کو اس کے محبوب دکھاتے ہیں۔

۲۔۔۔ مسند بزار میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی
بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین کی فقہ عطا فرماتے ہیں اور اس کے
دل میں اس کی ہدایت کی باتیں القاء فرماتے ہیں۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۶۰)

۳۔۔۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی گھرانے کے ساتھ
بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان کو دین میں فقاہت عطا فرماتے ہیں اور ان کے چھوٹے
بڑوں کی عزت کرتے ہیں۔ (دارقطنی فی الافراد من انس)

۴۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بھلائی کا ارادہ
فرماتے ہیں تو ان میں فقہاء زیادہ اور جاہل کم کر دیتے ہیں۔ جب فقہ کلام کرتا ہے تو اس کے
بیت سے مددگار ہوتے ہیں اور جب جاہل کلام کرتا ہے تو اس کو ڈانٹ دیا جاتا ہے اور جب
اللہ تعالیٰ کسی قوم سے برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان کے جاہل زیادہ اور فقہ کم کر دیتے ہیں
جب جاہل بات کرتا ہے تو اس کے بہت سے مددگار ہوتے ہیں اور جب فقہ کلام کرتا ہے تو
اس کو ڈانٹ دیا جاتا ہے۔ (عن حبان بن ابی جبلہ مسند فردوس عن ابن عمرؓ)

۵۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ
فرماتے ہیں اس کو دین میں فقہ بنا دیتے ہیں۔

(مسند احمد و بخاری من معاویہ مسند احمد و ترمذی من ابن عباس رضی اللہ عنہما) و اہل من ابن مسعود
۶۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر فقہ کے عبادت کرنے والا جی کی گدھے کی
طرح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقہ، خولہ اور جاہل ہو کر نہ مرو۔ (ابن اسنی عن ابن عمرؓ)
اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی ایسی چیز سے نہیں کی گئی جو فقہانی الدین سے افضل ہو اور
ایسا ایک فقہ شیطان پر ہزار عبادت گزار سے زیادہ سخت ہے اور ہر چیز کا ایک ستون ہے اور
دین کا ستون فقہ ہے۔ (طبرانی اوسط صحیح شعب الایمان عن ابی ہریرہؓ)

سب سے افضل عبادت فقہ ہے۔ (طبرانی عن ابن عمرؓ)
دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔ اچھا اخلاق اور دین کی فقہ۔

(ترمذی عن ابی ہریرہؓ)
فقہ کا طلب کرنا ہر مسلمان پر سخت واجب ہے۔ (رواہ حاکم عن انسؓ)

امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن جزاء الزبیدی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے جو دین میں فقہ بن گیا اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد میں اس
کی کنایت کریں گے اور ایسی جگہ سے اس کو روزی عطا فرمائیں گے جہاں اس کا وہم و گمان
میں نہ ہوگا۔ (خطیب و ابن حجار)

بہترین عبادت فقہ ہے۔ (ابو الشیح عن انسؓ)

عبادت فقہی کے ساتھ ہے اور فقہ کی مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔
(دارقطنی فی الافراد من ابن عمرؓ)

تھوڑی فقہ کثیر عبادت سے افضل ہے۔ (ابو یعلیٰ عن ابن عمرؓ)

ہر چیز کی ترقی اور تنزل ہے۔ اس دین کی ترقی یہ ہے کہ سارے کا سارا قبیلہ فقہ بن
جائے پورے قبیلے میں اس سے صلحہ ہونے والا ایک یا دو شخص ہوں اور اس دین کا تنزل یہ
ہے کہ سارے کا سارا قبیلہ غیر فقہ ہوں اس میں ایک یا دو فقہ آویسوں سے زائد کوئی نہ پایا
جائے۔ پس وہ مشہور اور ذلیل ہوں، اس پر کوئی مددگار اور نصرت کرنے والا نہ پائیں۔

(ابن اسنی و ابو نعیم عن ابی امامہؓ)

۱: اس عبادت گزار کی مثال جو فقہ حاصل نہ کرے اس شخص کی سی ہے جو رات کو عبادت بنائے اور صبح کو گراوے۔

(ابن ابی الدنیائی العلم والدیلی عن عائشہ) (منتخب از کنز العمال جلد ۱۰ کتاب العلم)

○ اسی طرح پوری امت فقہ کو خیر مانتی رہی ہے، یعنی جو اجتہاد مجتہدین ماہر شریعت ہو نہ کہ غیر ماہرین گا۔ چنانچہ امام بخاری وغیرہ محدثین اپنی اپنی کتب میں فضائل فقہ کے ابواب باندھے ہیں۔ مثلاً باب ما لا یستحی من الحق للفقہ فی الدین (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰۳) باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶) باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳) باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۸۳) باب اذا اراد اللہ بعبد خیراً فقیہ فی الدین (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۷۹) باب اختلاف الفقہاء (دارمی مقدمہ)

اسی طرح تمام محدثین کسی نہ کسی فقیہ کے مقلد ہوئے ہیں، اگر فقہ حدیث کے خلاف ہوتی تو یہ محدثین بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، عیاض وغیرہم محدثین فقہاء کی تقلید نہ کرتے، پھر جن لوگوں نے ساری زندگی فقہ اور حدیث پڑھنے پڑھانے میں گزار دی، مثلاً علامہ زبلی، حافظ ابن حجر، عینی، قسطلانی، ابن ہمام، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ اسحاق صاحب، شاہ عبدالغنی صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت شاہ ابیند، حضرت مدنی، سیدانور شاہ صاحب کشمیری، حضرت بخاری، حضرت تھانوی، حضرت موان، خیر محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ یہ وہ جہاں علم ہیں جن کی حدیث اور فقہ دونوں پر کامل نظر تھی۔ انہی علوم کو پڑھتے پڑھاتے انہوں نے اپنی عمر ختم کر دی۔ انہوں نے تو کبھی یہ نہ کہا کہ فقہ حدیث کے خلاف ہے اور آج کل کے جاہل جو نہ فقہ سے واقف ہیں نہ حدیث سے وہ کہتے ہیں کہ فقہ حدیث کے مخالف ہے، حالانکہ ان کی رائے محدثین و فقہاء کے مقابلہ میں ایسی ہے

اسے مریض کی رائے ڈاکٹروں کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہو، جس طرح اہل فن میں مریض کی رائے بے وقعت ہے اسی طرح آپ کی رائے فقہاء اور محدثین کے مقابلہ میں شریعت کی نظر میں بے وقعت ہے۔

اب فقہ کے بارہ میں اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض نمبر ۱:..... الہدایۃ کالقرآن کہ ہدایہ قرآن کی طرح ہے۔ کیا یہ ہدایہ جو مخلوق کی کہی ہوئی ہے وہ خالق کی کلام سے کیسے مقابلہ کر سکتی ہے؟ (مقدمہ ہدایہ)

الجواب:..... سوال کا حاصل یہ ہے کہ تشبیہ میں تقابل ہوتا ہے اور خدا اور مخلوق کی مثال ہوتی اشیاء میں یہ تشبیہ والا تقابل قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ سائل پر لازم تھا کہ:

اس تشبیہ کو ثابت کرنا کہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے، اکت یا علم بیان کا نہیں، اور اہل حدیث کے اصول اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے مطابق یہ بات قرآن پاک کی صریح آیت یا حدیث صریح مرفوعہ غیر عارضہ سے ثابت کرنا مگر یہ بات سناں نے ثابت کی اور نہ کوئی ثابت کر سکا ہے۔ ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً تو یہ اس کا پہلا جھوٹ ہو گیا کہ اس نے علم لغت و علم بیان کے تشبیہ والے مسئلہ کو فقہ کا مسئلہ کہا۔

قرآن پاک کی صریح آیت یا حدیث صحیح صریح سے یہ ثابت کرنا کہ بے شک اور مشابہہ میں تقابل ہوتا ہے، مگر یہ بات ثابت کرنے سے بھی پوری غیر مقلدیت عاجز رہے گی۔ (انشاء اللہ) تو یہ دوسرا جھوٹ ہوا۔

۳۔ خدا اور مخلوق کی بنائی ہوئی چیزوں میں یہ تقابل یعنی تشبیہ ناجائز ہے، اس کو بھی کسی آیت یا حدیث سے کوئی ثابت نہیں کر سکتا، تو اس دعویٰ مخالفت فقہ و قرآن وحدیث کی بنیاد ان تین جھوٹوں پر ہوئی اور قرآن پاک میں لعنة اللہ علی الکاذبین "کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔" تو فقہ پر اعتراض کرنے کے لئے آپ کو تین لعنت کی خندقیں عبور کرنا پڑیں اور

پھر بھی خائب و خاسر لوٹنا پڑا۔

وضاحت: تشبیہ لغت میں ایک چیز کے دوسری چیز سے اشتراک معنوی کا نام ہے، اس میں مشبہ اور مشبہ بہ کا کوئی تقابل مقصود ہوتا ہے نہ مساوات کلیہً مثلاً زید شیر کی طرح ہے۔ اس میں زید اور شیر میں نہ تقابل مقصود ہے نہ تمام صفات وغیرہ میں اشتراک کہ کوئی غیر مقلد دیکھے کہ شیر کی چار ٹانگیں ہیں، زید میں بھی چار ٹانگیں تلاش کرنا شروع کر دے، شیر کی دم ہے، تشبیہ کی وجہ سے اب زید کی دم بھی تلاش کرنا شروع کر دے، بلکہ صرف بہادری میں اشتراک بیان کرنا مقصود ہے، پھر اس بہادری میں بھی مساوات مقصود نہیں بلکہ اکثر مشبہ میں وہ صفت پر نسبت مشبہ بہ کے کمزور ہوتی ہے اور بعض اوقات غیر مشہور کو مشہور تر کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ دیکھئے قرآن پاک کی آیت مثل نوره کمدشکوۃ کا ترجمہ محمد جونا گڑھی غیر مقلد نے یہ کیا ہے: "اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قدیل میں ہو۔" (ترجمہ جونا گڑھی مع تفسیر صلاح الدین یوسف صفحہ ۸۷) تو کیا غیر مقلدین یہ شور مچائیں گے کہ نور خداوندی جو غیر مخلوق ہے اس کو مخلوق کے بنائے ہوئے اور چراغ سے کیوں تشبیہ دی اور یہ مقابلہ کیسے صحیح ہے؟ تو سب کہیں گے جناب محترم صاحب حق تشبیہ کے معنی سے باخبر نہیں، اسی طرح اگر کوئی کہے کہ درود ابراہیمی میں روزانہ کسا صلیت علی ابراہیم میں صلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوة علی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دے کر پانچ وقت کی نمازوں میں مساوات یا تقابل کیا جا رہا ہے تو یہی جواب دیا جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام کے "اشہر" ہونے کی وجہ سے یہ تشبیہ دی ہے۔ تشبیہ من کل الوبہ نہیں ہوتی، اسی طرح ان الہدایۃ کالقرآن میں سب سے پہلے کتب ہے۔ یعنی جس طرح قرآن پاک نے کتب سماویہ کو منسوخ کر دیا اسی طرح چرایہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ اس سے پہلے فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتب کی جگہ ایسے

لہنے لے لی جیسے قرآن پاک نے کتب سماویہ سابقہ کی جگہ لے لی۔

خلاصہ یہ: کتب شہرت و مقبولیت عامہ میں تشبیہ ہے نہ کہ کسی اور چیز میں۔ البتہ یہ "میں" "وجہ شہرت" قوی ہوتی ہے یہ نسبت مشبہ بہ کے، اس لئے سابقہ کتب سماویہ کی شہرت و مقبولیت ختم ہو گئے اور کتب فقہ حنفیہ کا صرف مدلول منسوخ ہوا نہ کہ ناسخ۔

اعتراض نمبر ۲: قدوری صفحہ ۲۲ پر ہے کہ اگر تشبیہ کی مقدار کے اندر کوئی ایسا عمل کیا جو متافی نماز ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے۔ مثلاً جان بوجہ کرم سلام لانا یا گوز لگانا۔

جواب: معترض پر ضروری تھا کہ اس مسئلہ کے خلاف کوئی آیت یا حدیث صحیحہ صحیح غیر معارض پیش کرنا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ فقہ اور حدیث دونوں کے بارہ میں رسالت سے کام لیا ہے۔

سببیں نمبر ۱: قدوری اور فقہ کا یہ مسئلہ تشہد کے بعد کا ہے جبکہ اس نے تشہد کی مقدار کے اندر لکھ کر قدوری اور امام صاحب پر دو جھوٹ بولے ہیں۔ قدوری میں بعد از اعدا قدر الشہد کے الفاظ ہیں اور اسی حالت کے ساتھ مذکورہ مسئلہ کا تعلق ہے۔

سببیں نمبر ۲: عام غیر مقلدین کی عادت کی طرح مسائل نے یہ مسئلہ وہاں سے نقل کیا جہاں اس کی تفصیل نہیں تھی حالانکہ قدوری نے یہی دو ورق پہلے نماز کا مسنون طریقہ بیان کیا ہے کہ دوسرے قعدہ میں التیمات پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور اعدایہ ماثورہ اور الفاظ قرآن کے مشابہہ جو دعا چاہے مانگے اور ایسے الفاظ سے دعائیں لگے جو لوگوں کی کلام کے مشابہہ ہے، پھر اپنی دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ بولے اور سلام پھیرے۔ پھر اپنی بائیں جانب اسی طرح سلام پھیرے۔ (قدوری صفحہ ۲۷) یہ نماز کا مسنون طریقہ ذکر کیا ہے۔ معترض نے اس کی طرف نظر التفات نہیں

فرمانی، البتہ جہاں خلاف سنت طریقہ ذکر تھا وہاں فوراً توجہ مبذول ہوئی۔ واضح ہو کہ نماز کے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ نماز باطل نہیں ہوتی، فریضت ساقط ہو جاتی ہے خواہ وہ فریضت مسنون طریقے سے ساقط ہو یا مکروہ طریقے سے، فقہاء دونوں صورتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں واضح طور پر فقہ اخیرہ میں درود اور دُعا کو مسنون لکھا ہے۔ (الدر المختار مع الشامیہ جلد ۱ ص ۷۷) اور لفظ سلام کو واجب لکھا ہے۔ (الدر المختار مع الشامیہ جلد ۱ ص ۲۶۸) اور شامی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ دونوں سلام اس طرح واجب ہیں کہ ان الفاظ پر قادر اگر کوئی ایسے الفاظ کہہ دے جو (اس کا مفہوم ادا کرنے میں) اس کے قائم مقام ہوں تو بھی واجب ادا نہیں ہوگا۔ (رد المحتار جلد ۱ ص ۲۶۸) اور واجب کا حکم یہ لکھا ہے کہ اس کے چھوڑنے سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی، البتہ جان بوجھ کر چھوڑنے کی صورت میں وجوباً لوٹائی جائے گی اور سہواً اگر واجب ترک ہو تو سجدہ سیکرنا پڑے گا ورنہ اس صورت میں بھی نماز کو لوٹانا واجب ہے، اگر ان دونوں صورتوں میں نماز کو نہ لوٹایا تو یہ شخص فاسق ہوگا۔ (الدر المختار مع الشامیہ جلد ۱ ص ۲۵۶) اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سلام کو چھوڑنے والے نماز دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور در مختار میں صراحتاً یہ حکم بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اگر التحیات کی مقدار بیٹھنے کے بعد عمداً ایسا عمل کر لیا جو نماز کے منافی ہے تو نماز پوری ہو جائے گی، بغرض نماز کے پورا ہونے کی وجہ سے، اہل سلام والے واجب کے ترک کی وجہ سے نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔ (الدر المختار جلد ۱ ص ۲۰۶)۔ پھر اس شخص نے درود اور دُعا والی سنتیں بھی چھوڑی ہیں اور ترک سنت اگر عمداً ہو تو کریمت سے کم برائی شمار ہوتی ہے۔ (الدر المختار جلد ۱ ص ۲۷۳) اور نماز دوبارہ پڑھنا مستحب ہے۔ (الشامیہ جلد ۱ ص ۲۷۳) بشرطیکہ حقارت سے سنت کو چھوڑنا نہ ہو اور اگر سنت کو حقیر سمجھ کر چھوڑا تو کافر ہو جائے گا۔ (رد المحتار جلد ۱ ص ۲۷۳)

سبب ۲:..... معترض نے تعدد الحدیث کا معنی "گوز لگا دیا" کیا ہے، گوز کی عربی ضراط ہے، حدیث کا معنی نجاست حکم یہ ہے یعنی بے وضو ہونا اس کی مختلف حدیثیں۔ مثلاً (۱) قبۃ بقرہ ہنسنا۔ (۲) زخم یا چھوڑے سے پہننے کی مقدار خون یا پیپ کا۔ (۳) عمل قلیل سے موزے کو اتار دینا۔ (۴) جان بوجھ کر ٹیک لگا کر سو جانا وغیرہ۔ یہ معلوم نہیں کہ غیر مقلدین حدیث کی مختلف صورتوں کو چھوڑ کر صرف گوز کی طرف کیوں جاتے ہیں، کوئی طبعی تعلق ہے یا بعض فقہ و فقہاء کا اثر ہے۔ اب اس فقہ کے مسئلے کا حل یہ نکلا کہ صحیح طریقہ نماز پورا کرنے کا یہ ہے کہ التحیات کے بعد درود پڑھے، پھر دعا مانگے، سلام پھیرے، اور اگر کسی نے اس صحیح طریقہ کو چھوڑ کر التحیات کے بعد جان بوجھ کر منافی عمل کر لیا تو اگرچہ فریضت ساقط ہو جائے گی مگر درود پاک اور دُعا کو چھوڑنے کا گناہ ہوگا اور واجب سلام کے چھوڑنے کا بھی گناہ ہوگا اور ترک واجب کی وجہ سے نماز دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا، اگر نماز دوبارہ نہ پڑھی تو فاسق و فاجر ہوگا۔ (اس کی گواہی عدالت میں مستحبت ہوگی) امامت گرانے کا اہل نہ ہوگا، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اس کی آذان مکروہ ہوگی۔ یہ سب اُس وقت ہے جب سنت وغیرہ کی تحقیر اور استہزاء مقصود نہ ہو ورنہ کافر ہو جائے گا۔

مخالفت قرآن و حدیث:..... معترض کا اس مسئلہ کو قرآن کے مخالف کہنا سو بھٹ ہے کیونکہ قرآن پاک میں یہ مسئلہ تقیاً یا اثباتاً کہیں مذکور نہیں، رہی حدیث تو امام صاحب کی تائید و رد ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص وضو توڑ دے اس حالت میں کہ وہ اپنی نماز کے آخر میں ہو، سلام سے پہلے تو اس نماز جائز ہوگی۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۸۶) یہ حدیث حسن ہے (امام السنن جلد ۳ ص ۱۱۸)

۴..... امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم کا مسلک یہ ہے کہ جب نمازی التحیات پڑھ لے اور سلام نہ پھیرے تو اس کے لئے اتنا کافی ہے اور انہوں نے عبد اللہ بن مسعود کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد سکھایا، پھر فرمایا کہ جب تو اس سے فارغ ہو جائے تو تونے وہ فرض جو تجھ پر لازم تھا ادا کر دیا۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۸۶) ابوداؤد شریف میں ہے کہ جب تو یہ تشہد پڑھ لے یا اس فعل کو ادا کر لے، پس تحقیق تونے پورا کر لیا اپنی نماز کو، اگر تو کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ رہ۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۹۷)

۳..... حضرت علیؑ نے فرمایا جب تشہد کی مقدار بیٹھ جائے پھر وضو ٹوٹ جائے تو اس کی نماز پوری ہوگی۔ (بیہقی و اسنادہ حسن، اعلاء السنن) یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔

(اعلاء السنن جلد ۳ صفحہ ۱۱)

۴..... حضرت حسن بصریؒ نے اس شخص کے بارہ میں جو آخری سجدہ سے سر اٹھائے، فرمایا کہ اس کی نماز کفایت نہیں کرے گی یہاں تک کہ وہ التحیات پڑھے یا التحیات کی مقدار بیٹھے۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۹۰)

۵..... حضرت عطاء فرماتے تھے کہ جب آدمی آخری تشہد پڑھ لے، السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کہہ لے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے اگرچہ اس نے اپنی دائیں یا بائیں جانب سلام نہ پھیرا ہو تو انہوں نے ایسی کلام کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ اس کی نماز پوری ہوگی یا فرمایا کہ نماز کی طرف نہ لوٹے۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۹۰) یہ سند حسن ہے۔ (اعلاء السنن جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

۶..... حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ تشہد نماز کا پورا ہونا ہے اور سلام نماز کے پورا ہونے کی خبر دینا ہے۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۸۹) رجالہ کلہم ثقاة (اعلاء السنن جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

حضرت ابراہیم نخعی اس آدمی کے بارہ میں جو امام کے پیچھے تشہد کی مقدار بیٹھے، پھر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے چلا جائے، فرماتے تھے کہ یہ فعل اس کے لئے کافی نہیں اور حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے تھے کہ جب تشہد کی مقدار بیٹھ جائے تو اس کے لئے کافی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میرا قول عطاء کا قول ہے۔ (کتاب الآثار ل محمد) رجالہ کلہم ثقاة (اعلاء السنن جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

۸..... حمید بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو سنا، فرماتے تھے کہ تشہد کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ امام محمد نے فرمایا کہ ہم بھی اسی کو لیتے ہیں کہ جب کوئی تشہد پڑھ لے تو اس کی نماز پوری ہوگی۔ پس اگر سلام پھیرنے سے پہلے نماز سے پھر جائے تو نماز اس کو کفایت کرے گی اور جان بوجھ کر اس کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ (کتاب الآثار ص ۶۷) اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن جلد ۱ صفحہ ۱۲۱) البتہ دوسری روایات جن میں نفس سلام یا وجوب سلام کا ذکر ہے جیسے تحلیلہا التسلیم تو امام صاحب نے مذکورہ بالا روایات کو فرضیت کے معنی میں لے لیا اور دوسری روایات کو وجوب کے معنی میں لیا جیسا کہ نفس مسئلہ کی وضاحت میں گزرا ہے کہ نماز واجب الاعادہ ہوگی، اس طرح امام اعظم نے اس مسئلہ کی تمام روایات پر عمل کر لیا اور غیر مقلدین نے مذکورہ بالا آٹھ روایات پر عمل نہیں کیا، تو مع

ہم الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا

اب غیر مقلدین جو اب دین کہ انہوں نے ان روایات پر خدا تعالیٰ یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روکنے کی وجہ سے عمل نہیں کیا یا امتیوں کی تقلید میں عمل نہیں کیا، اگر خداوند تعالیٰ یا نبی اقدس ﷺ نے روکا ہے تو وہ آیت یا حدیث دکھائیں ورنہ اقرار کریں کہ ہم اپنی نفسانی خواہش سے روایات کو ٹھکرادیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرما کر اسلاف کے

نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

مکرمی جناب تشیہ الرحمن صاحب (رحیم یار خان) کے سوالات کے جوابات
..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امام ابوحنیفہؒ کی بشارت۔ آپ کے سوال کا منشاء یہ
ہے کہ اطاعت کے لئے قرآن یا حدیث میں قابل اطاعت شخصیت کا ذکر ضروری ہے۔ یہ غیر
مقلدین کا ذاتی مفروضہ ہے جس کا ثبوت نہ قرآن و سنت سے ملتا ہے نہ عرف سے اور نہ ہی
غیر مقلدیت سے۔

اس سوال کا قرآن و سنت سے تعلق:

قرآن پاک یا حدیث پاک میں کہیں یہ نہیں کہ اس کی اطاعت جائز ہے جس کا
نام قرآن و سنت میں ہو، اگر قرآن و سنت میں کسی کا نام نہ ہو تو اس کو نہ مانا جائے یا اس کی
اطاعت ضروری نہ ہو، اگر کسی غیر مقلد میں بہت ہے تو کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش کرے۔
وادعوا شہداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقیں کیا جن انبیاء کا ذکر قرآن پاک
یا حدیث پاک میں نہیں آپ ان کو مانیں گے یا نہیں؟ کیا پہلے انبیاء کے تمام صحائف کا ذکر
قرآن و حدیث میں ملتا ہے، اگر نہیں ملتا تو آپ ان کا انکار کر دیں گے۔ اللہین یوحنون بسما
الزلزل الیک وما الزلزل من قبلک پر کیسے عمل ہوگا؟ قرآن و حدیث کے نام قرآن و حدیث
میں ہیں کہ ان کی قرأت کو تسلیم کیا جائے ورنہ یہ کہہ کر کہ ان کی بشارت چونکہ قرآن و حدیث
سے نہیں ملتی اس لئے ہم قرآن کو نہ ان سے اترا قرأتوں پر پڑھیں گے نہ مشہورہ غیرہ قرأتوں
پر۔ صحاح ستہ کے مؤلفین، اسما و رجال، اصول حدیث، صرف و نحو کے مؤلفین کا ذکر قرآن و
سنت میں نہیں تو کیا غیر مقلدین ان علوم کو چھوڑ دیں گے۔ اسی طرح شافی اللہ تعالیٰ ہیں، اگر
کوئی شخص یہ اصول بنالے کہ شفا حاصل کرنے کے لئے کسی ایسے حکیم یا ڈاکٹر کو تلاش کرنا
چاہئے جس کی بشارت قرآن و حدیث میں ہو تو ایسا شخص زندگی بھر علاج نہیں کرا سکے گا۔

غیر مقلدین کا طرز عمل:

جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لینے کے باٹ اور دینے کے اور
دیتے تھے اسی طرح غیر مقلدین ہم سے تو ائمہ کے بارہ میں نفس کا مطالبہ کرتے ہیں جو قابل
سنت و انجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے، البتہ روانفس کے ہاں اماموں کا منصوص ہونا
ضروری ہے اس لئے ان سے تو نفس کا سوال ہو سکتا تھا، ہم سے شیعہ کے اصول پر سوال کرنا
قلعاً درست نہیں۔ ہاں ان کو اپنے گھر کی بھی خبر لینی چاہئے کہ فتاویٰ ثنائیہ، فتاویٰ نذیریہ،
فتاویٰ ستاریہ وغیرہ کو یہ حجت ماننے ہیں۔ کیا ان کو ثناء اللہ، میاں نذیر حسین، مولوی عبدالستار
کے بارہ میں نصوص میں بشارات مل گئی ہیں کہ اب انہیں فقہ حنفی کے ماننے کے لئے امام
صاحب کی بشارت کی ضرورت ہے۔

حقیقت حال:

پوری دنیا جانتی ہے کہ ہر فن کے ماہر کی تعیین کا حق اس فن کے ماہرین کو ہوتا ہے نفس
میں اس کی کوئی بشارت ضروری نہیں۔ امام صاحب کی فتاہت اور اجتہاد پر تمام مجتہدین کا اتفاق
ہو چکا ہے اس لئے اس اجماع امت کی دلیل سے امام صاحب مجتہد ہیں، ان کے اجتہاد کا انکار
قرآن پاک کے مطابق سمیل المؤمنین کا ترک اور دخل ناز کا سبب ہے۔ (نساء ۱۱۵) اور حدیث
کے مطابق سواد اعظم سے کٹ کر جہنم میں گرنا ہے۔ (مختلوة صفحہ ۳۰) نیز اللہ تعالیٰ کے دست
الفاقت سے محروم ہو کر گمراہی میں مبتلا ہونا۔ (مختلوة صفحہ ۳۰) اور اسلام کے کڑے کو اپنی گردن
سے نکالنا ہے۔ (مختلوة صفحہ ۳۱) اور شیطان کا نوا لا بنانا ہے۔ (مختلوة صفحہ ۳۱)

بشارات:

تاہم امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) شافعی
الذہب نے فیض الصحیفہ بمناب الامام ابی حنیفہ صفحہ ۱۸ پر باب باندھا ہے

کہ تبشیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایمان ثریا ستاروں تک بلند ہو جائے تو ایک فارسی آدمی وہاں سے جا کر اسے حاصل کرے گا۔ (تمییز الصحیفہ صفحہ ۲۱) یہ روایت بخاری میں بھی کچھ الفاظ کے تغیر کے ساتھ موجود ہے اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی اس حدیث کو نقل کر کے علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام صاحب کی بشارت اور فضیلت میں ایسی صحیح بنیاد ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ (تمییز الصحیفہ صفحہ ۲۱) ابن حجر کئی متون میں ۳۷۹ھ علامہ جلال الدین کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں، علامہ سیوطیؒ کے بعض تلامذہ نے کہا ہے کہ ہمارے شیخ نے جو یقین سے یہ بات کہی ہے کہ اس حدیث سے مراد امام ابو حنیفہؒ ہیں، بالکل ظاہر ہے اس میں کسی قسم کا شک نہیں کیونکہ امام صاحب کے زمانہ میں فارسیوں میں سے کوئی شخص امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے مرتبہ کو نہیں پہنچا اور اس حدیث پاک میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح سجزہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آئندہ واقع ہونے والی چیز کی خبر دی (الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ الصنعانی صفحہ ۳۱) نیز علامہ ابن حجر کئی فرماتے ہیں کہ ان روایات سے جو امام ابو حنیفہؒ کی عظمت شان کی صلاحیت رکھتی ہیں وہ حدیث ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ۱۵۰ھ میں دنیا کی زینت اٹھالی جائے گی، علامہ شمس الائمہؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ پر محمول ہے کیونکہ ۱۵۰ھ میں ان کا وصال ہوا۔ (الخیرات الحسان صفحہ ۳۳)

علامہ سیوطیؒ کے شاگرد محمد بن یوسف دمشقی شافعی فرماتے ہیں کہ قاضی ابو القاسم بن کاس نے حسن بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ کسی نے ان سے اس حدیث کا مطلب پوچھا کہ "قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ علم خوب ظاہر نہ ہو جائے۔" تو حسن بن سلیمان نے فرمایا کہ وہ ابو حنیفہؒ کا علم اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی تفسیر ہے۔

(تذکرۃ الصنعانی، ترجمہ عقود الجمان، صفحہ ۷۶)

علامہ حوازمی نے روایت نقل کی ہے کہ کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ میں بہت سے علماء کے نام ان کی صفات اور نسب نامے کے ساتھ لکھا ہوا پایا ہوں کہ ان میں ایک شخص کا نام عثمان بن ثابت ہوگا اور کنیت ابو حنیفہ ہوگی، علم و حکمت اور دنیا سے بے رغبتی میں اس کی مثال بڑی ہی عظیم ہوگی، اپنے زمانہ کے علماء کے سردار ہوں گے، ان میں چاند ہوں گے، ہماری زندگی حاسدوں کے حسد کا شکار رہیں گے اور اسی حالت میں مر جائیں گے۔

ابو البختری سے روایت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ امام جعفر بن صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے جب امام جعفر نے ان کو دیکھا تو فرمایا ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ تم میرے دادا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو از سر نو زندہ کرو گے، ہر مصیبت زدہ کی جائے پناہ بنو گے، ہر غمزدہ کے یاد رکھ ہو گے، حیران لوگ جب حیران و پریشان ہو کر کھڑے ہو جائیں گے تو تمہارے ہمارے چل پڑیں گے اور جب گمراہ ہوں گے تو تم واضح اور صاف راستہ کی رہنمائی کرو گے۔

(تذکرۃ الصنعانی، صفحہ ۷۷)

ان روایات کو نقل کر کے علامہ محمد بن یوسف صالحی فرماتے ہیں کہ میرے شیخ جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ صحیح روایتوں کے ہوتے ہوئے ان موضوع روایتوں کی ضرورت کس جن کو بعض اصحاب مناقب نے نقل کیا ہے کیونکہ وہ واضعین حدیث سے نقل کی گئی ہیں۔

(تذکرۃ الصنعانی، صفحہ ۷۸)

امام صاحب اول اول منقبض رہتے تھے مسائل کا جواب نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ آپ نے خواب دیکھا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھودی، ہڈیاں جمع کیں اور اپنے سینے پر رکھ لیں تو فرماتے ہیں کہ میں خواب سے بیدار ہوا، بڑا غمگین، رونے لگا کہ میں قبر کھودتا ہوں حالانکہ اس کی وعیدیں بہت سخت ہیں اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھودتا ہوں۔ چنانچہ میں درس و تدریس چھوڑ کر گھر بیٹھ گیا، لوگ بیمار داری کو آئے، بعض لوگوں نے کہا نبض ٹھیک ہے کوئی بیماری نہیں۔ معاملہ کیا ہے؟ میں نے خواب بیان کیا، انہوں

خاموش ہیں، وہ بھی انہیں کے باب و دلیلز اور مدخل سے داخل ہوئے اور انہیں کو گمراہ کر دیا۔ ان سے اپنا حصہ مفروضہ کامل اور واقعی مثل شیطان کے لے گئے، پھر ملاحدہ، مرزا سیّد اور اب نکلے تو انہوں نے بھی انہی کے باب و دلیلز اور مدخل سے داخل ہونا اختیار کیا اور امت کثیرہ کو ان میں مرتد اور منافق بنا دیا، اور جب ملاحدہ نے نادر و قد چکر الو یہ نکلے تو وہ بھی ان کی دلیلز اور روزانہ سے داخل ہوئے اور ایک طبق کو انہوں نے مرتد بنا دیا اور جب یہ مولوی احمد خاتم المسیح بن نکلا تو وہ بھی انہی جہاں اہلحدیث کے باب اور دلیلز میں داخل ہو کر، کیا کیا نکتہ دہیوں میں ملاحظہ تشبیح ظاہر کر کے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی خلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو عالم کبر کر گالیاں دیں اور پھر جس قدر اہلحدیث اور اہلحدیث کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر بدعتی اور اہلحدیث اور اہلحدیث ان میں پھیلا ہے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چین پہ چین بھی نہیں ہوتے، اگرچہ علماء اور اہلحدیث ہزار ہزار وعدہ ان کو متنبہ کریں، ہرگز نہیں سنتے۔ سبحان اللہ ما اشبه الليلة بالبارحة اور سراسر کا یہ ہے کہ مذہب و عقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے عطف و مستلیم ہو گئے ہیں۔ (فہم و تدیر (کتاب التوحید والائتہ صفحہ ۲۶۲، جلد ۱)

اسی طرح مولوی محمد حسین صاحب بنا لوی فرماتے ہیں کچھ برس کے تجربہ سے ہم نے بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ باوجود بے علمی کے مجتہد اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام ہی کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض مذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو کر لیتے ہیں ان کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے، ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز، روزہ اور بیعت نہیں کر سکتے اور بعض جو کسی مصلحت و تنوی کی وجہ

نے فرمایا خیر کوئی بات نہیں، یہاں ایک معتبر ہیں جو ان سیرین کے ساتھی ہیں ان کو بلا سہولت میں۔ امام صاحب نے فرمایا میں خود چلتا ہوں۔ گئے اور خواب بنایا، انہوں نے پوچھا تم سے خواب دیکھا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے تعبیر دی کہ جو کچھ تو کہتا ہے اگر حق ہے تو اقامت سنت میں وہ کام کرے گا جو تجھ سے پہلے لوگوں میں سے کسی نے نہیں کیا اور اگر حق میں بہت گہرائی تک پہنچ جائے گا، جب میں نے یہ تعبیر سنی تو علم میں انتفک محنت کرنے لگا۔ (تذکرۃ العثمان، صفحہ ۱۳)

جواب سوال نمبر ۲:

تقلید کا معنی ماہر فن پر اعتماد ہونا ہے۔ ذاکتری، حکمت، سائنس، حساب، صرف، جہاں لغت، حدیث، اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، اسرار جہاں وغیرہ باتوں میں جس قدر ماہرین پر اعتماد کی ضرورت ہے اتنی ہی ائمہ (ماہرین شریعت) پر اعتماد کی ضرورت ہے۔ اگر مذکورہ بالا باتوں میں ان کے ماہرین پر اعتماد نہ کریں تو ہماری علمی اور جسمانی زندگی خطرہ میں ہو گی۔ ائمہ کرام پر بد اعتمادی سے ایمانی زندگی خطرہ میں ہوگی، اسی طرح اگر کسی فن کو غیر ماہر کے سپرد کر دیا جائے۔ مثلاً جولاہے کو ڈاکٹری کی دکان پر اور حجام کو مٹھائی کی دکان پر بٹھا دیا جائے تو اس فن اور دکان کی تباہی ہوگی، اسی طرح ائمہ مجتہدین کی جگہ اگر جاہلوں کو بٹھا دیا جائے تو دین کی تباہی ہوگی۔

اس حقیقت کا اعتراف غیر مقلدین نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ قاضی عبدالعزیز خانپوری فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے جموںے اہلحدیث، مجتہدین، مخالفین سلف صالحین اور حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ اس صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ اور روافض کے، جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دلیلز کفر و نفاق کے تھے اور ملاحدہ اور زنادقہ کا مدخل تھے اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہلحدیث اس زمانہ میں باب اور دلیلز اور مدخل ہیں، ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعد مثل اہل تشبیح کے دیکھو، ملاحدہ نے جو کفار ہیں

سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکالنے میں پھنسا لیتے ہیں، کفر و ارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت ہیں مگر دین و دوزخ کے لئے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری مسبب ہے۔ مگر وہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان مساجد سے ذریعہ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں۔ (اشادۃ السنۃ ۱۸۸۸ء)

مولوی محمد لکھنوی غیر مقلد اپنی کتاب رونجیری میں فرماتے ہیں:

ابلیس ہزاراں سالوں کوشش کر کے خلق پشائی
 انہماں چھت سالوں دے وچ کیتی اس تمیں دود کمانی
 ابلیس نادان بے علموں نوں وچ گمراہی پایا
 انہماں اہل علم دا کر خناس دین ایمان گویا
 اکثر غیر مقلد خالی مگر انہماں دے لگے
 جہاں اندر دین غلو یا سستی عادت پکڑی اگے
 مگر بیٹھے جمع نمازاں کر دے سڑتے عذر ورائیں
 چھت کوہاں سے پرچمن دوگانہ سستی جہاں ادائیں
 تقلید مذاہب اہلسنت پھنڈ لگے
 مگر انہماں دے اس مذہب تمیں بہترین مقلد دے دجیاں دے
 ایہ مانجھ لیا گنو یا غیظی کر دا مذہب بازی
 نہ تک مذہب تے ٹھہرے نت تلمیسیں کما دے تازی

(بحوالہ تجلیات، صفحہ ۵۱۶، ۵۱۷)

جواب سوال نمبر ۳:

نماز کے تمام اقوال و افعال مع حکم شرعی ترتیب و تفصیل سے فقہ میں ملتے ہیں۔ مثلاً
 تسلیم الاسلام میں نماز کی تمام شرائط ساڑھے تین سطروں میں لکھی ہوئی یکجامل جائیں گی۔
 اس میں..... بدن کا پاک ہونا۔ دوسرے..... کپڑوں کا پاک ہونا۔ تیسرے..... جگہ کا پاک
 ہونا۔ چوتھے..... ستر کا چھپانا۔ پانچویں..... نماز کا وقت ہونا۔ چھٹے..... قبلہ کی طرف منہ
 کرنا۔ ساتویں..... نیت کرنا۔ (تعلیم الاسلام صفحہ ۳۱-۳۲، جلد ۱)

اس آسان ترتیب سے یہ شرائط کسی ایک حدیث میں تو کجا کسی حدیث کی کتاب
 میں بھی یکجا نہیں ملیں گی۔ مثلاً بخاری شریف میں وضو کا بیان صفحہ ۲۵ پر اور نجاست حقیقی سے جسم
 کا پاک ہونا صفحہ ۳۳ پر ہے، کپڑے کی پاکی کا مسئلہ صفحہ ۳۳ پر ہے، جگہ کے پاک کرنے کا
 مسئلہ صفحہ ۳۵ پر ہے، ستر کے چھپانے کا مسئلہ صفحہ ۵۱ پر، اوقات کا ذکر صفحہ ۷۵ سے شروع ہوتا
 ہے۔ استقبال قبلہ صفحہ ۷۵ پر ہے اور نیت کی روایت اگرچہ امام بخاری نے سات جگہ ذکر کی ہے
 مگر کتاب اصولوۃ میں اس کو ذکر نہیں کیا، نیت کے علاوہ باقی جگہوں پر بھی اکثر شرطیت واضح نہیں۔

تالیف:

ایک دفعہ دونو جوان لڑکے میرے پاس آئے کہ ہم تحقیق کے لئے آئے ہیں، میں
 نے کہا کہ کس چیز کی تحقیق؟ کہنے لگے نماز کی۔ میں نے کہا خیر ہے کوئی نئی نماز نازل ہو چکی ہے،
 کہنے لگے کہ نماز تو پرانی ہے مگر ایک غیر مقلد عالم نے کہا ہے کہ تم تحقیق کر لو کہ یہ اصلی نماز ہے یا
 نئی نماز، جس کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ جو وہ صدیاں گزر گئی ہیں کسی
 تحقیق کا خیال نہیں آیا اب آپ کو چند سو برس صدی میں یہ خیال پیدا ہوا؟ کہنے لگے کہ اس
 مقلد مولوی نے ہمیں حدیثیں دکھائی ہیں کہ تم جو نماز پڑھتے ہو وہ ان احادیث کے خلاف
 ہے، تم خود تحقیق کر کے دیکھ لو۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی تعلیم کیا ہے؟ ایک نے کہا کہ میرا

فیل ہوں، دوسرے نے کہا میں کچھ نہیں پڑھا۔ میٹرک فیل سے میں نے پوچھا کہ آپ نے سکول میں کوئی عربی بھی پڑھی ہے؟ کہنے لگا ساتویں میں عربی رکھی تھی مگر مشکل لگی تو میں نے چھوڑ دی۔ میں نے کہا کہ اگر عربی عبارت آپ کو دکھاؤں تو ترجمہ کر لو گے؟ کہنے لگا نہیں، میں نے پوچھا اگر میں ترجمہ کروں تو تمہیں یہ پتہ چل جائے گا کہ کون سا ترجمہ کس لفظ کا کمر ہوں؟ کہنے لگا نہیں۔ مجھے کچھ شہد بند نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ پھر کیسے تحقیق کریں گے جب آپ عربی کے ابجد سے بھی ناواقف ہیں۔ کہنے لگا پھر ہم کیا کریں؟ میں نے کہا کہ آپ تعلیم الاسلام سے مسائل دیکھ کر عمل کریں تو دونوں بہت ہنسے، میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ ہمیں اس مولوی صاحب نے پہلے کہا تھا کہ ہم تمہیں حدیثیں دکھاتے ہیں اور وہ تعلیم الاسلام یا ہشتی زیور آپ کو پڑھائیں گے۔ ہم آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتاتے ہیں وہ آپ کو مولویوں کے پیچھے لگائیں گے اور امتیوں کی تقلید کرائیں گے۔ میں نے کہا کہ انہوں نے بھی اپنے مولویوں کے رسالے تمہیں دیئے ہیں اور اپنے مولوی کے پیچھے تمہیں لگایا ہے، خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام صرف دھوکہ دینے کے لئے لیتے ہیں۔ کہنے لگا کہ وہ تو قرآن کی آیات اور بخاری شریف کی احادیث ہمیں دکھاتے ہیں اور ہم اس وقت سو فیصد یقین رکھتے ہیں کہ چھ ماہ میں انہوں نے ہمیں امتیوں سے اور فقہ سے تو قرآن و حدیث سے جوڑ دیا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ قرآن پاک لے لو اور یہ بخاری لے لو اور ایک رکعت کے مسائل آپ بخاری سے دکھاویں۔ آپ سبحک اللہم نماز میں پڑھتے ہیں، سبحان ربی العظیم رکوع میں اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قرآن میں ذکر ہے نہ بخاری میں۔ بخاری شریف کھول کر ہنسنے لگے۔ میں نے پوچھا ہے؟ کہنے لگے یہ تو عربی میں ہے، ہم نے تو پہلے کہا تھا کہ ہم عربی نہیں جانتے، اردو قرآن اور اردو بخاری انہوں نے ہمیں دکھائی ہے۔ میں نے کہا کہ اول تو ترجمہ کرنے والے کی آپ

تقلید کی ہے، دوم آپ نے اس مترجم کو خدا یا رسول سمجھا ہے، پھر میں نے کہا چلو یہ قرآن بخاری بلکہ پوری صحاح ستہ کا ترجمہ آپ کو دینا ہوں آپ صرف نماز کی شرطیں دکھا دیں، تو مولوی دیر سوچ کر کہنے لگے کہ آپ یہ قرآن اور بخاری کا ترجمہ ہمیں دے دیں ہم غیر مقلد مولوی سے نشان لگو کر لائیں گے۔ میں نے کہا کہ معلوم ہوا کہ آپ اردو ترجمہ سے بھی تلاش کرنے میں غیر مقلد مولوی کے محتاج ہیں، اسی کو وہ لوگ شرک کہتے ہیں تو چھ ماہ میں انہوں نے آپ کو محقق نہیں بلکہ اپنا مقلد بنایا ہے اور ایسے مجتہد سے توڑا ہے جس کے مجتہد ہونے پر امت کا اجتماع ہے اور ایسے شخص سے جوڑا ہے جس کو اس کی پوری غیر مقلد جماعت بھی مولوی کو لیا، مسلمان ماننے کے لئے بھی تیار نہیں اور آپ کے سامنے اس کو خدا یا رسول ہونے کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ کہنے لگے کہ واقعی آپ نے ہمیں بہت بڑے دھوکے سے نکال دیا ہے۔

جواب سوال نمبر ۴

- ۱۔ دو چیزوں میں ٹکراؤ اور تضاد ثابت کرنے کے لئے آٹھ مشہور شرطیں ہیں۔
- ۲۔ موضوع..... یعنی محکوم علیہ کا ایک ہونا، اگر موضوع ایک نہیں ہوگا تو ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ مثلاً زید کھڑا ہے کہ زید کھڑا نہیں ہے مگر عمرو کھڑا نہیں ہے اس کا ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہاں موضوع بدل گیا ہے۔
- ۳۔ اتحاد و جمول..... چنانچہ زید کھڑا ہے، زید کھڑا نہیں، ان میں تو ٹکراؤ ہے مگر زید لینا نہیں سے پہلے جملے کا ٹکراؤ نہیں۔
- ۴۔ وحدۃ مکان..... چنانچہ زید نے ظہر مسجد میں پڑھی ہے کا ٹکراؤ اس جملہ سے تو ہے کہ زید نے ظہر مسجد میں نہیں پڑھی مگر اس کا ٹکراؤ اس جملہ سے نہیں کہ زید نے ظہر کی نماز گھر میں نہیں پڑھی۔
- ۵۔ وحدۃ شرط..... مثلاً بیٹھ کر فرض ادا کر سکتا ہے اگر قیام پر قادر نہیں، اس کا ٹکراؤ اس

جملہ سے نہیں کہ بیٹھ کر فرض ادا نہیں کر سکتا، اگر قیام پر قادر ہو کیونکہ شرط ایک نہیں۔

۵:..... وحدتِ اضافتہ:..... اگر نسبت تبدیل ہو جائے تو بھی حقیقی نکرہ نہیں ہوتا۔ مثلاً زید باپ ہے، زید باپ نہیں، اگر ایک آدمی کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہو تو نکرہ ہوگا اور اگر دو آدمیوں کے اعتبار سے ہو تو نکرہ نہیں ہوگا۔ مثلاً زید باپ ہے یعنی عمرو کا اور زید باپ نہیں یعنی بکر کا تو اتحاد نسبت کے نہ ہونے سے نکرہ ختم ہو گیا۔

۶:..... وحدۃ جزو کل:..... یہ پلاٹ میرا ہے یعنی بعض حصہ اور یہ پلاٹ میرا نہیں، یعنی کل پلاٹ۔ ان میں بھی حقیقی نکرہ نہیں کیونکہ پہلا حکم جز کے اعتبار سے اور دوسرا حکم کل کے اعتبار سے ہے۔

۷:..... اتحاد قوۃ و فعل:..... زید نمازی ہے (یعنی بالقوۃ) زید نمازی نہیں (یعنی بالفعل) ان میں تعارض نہیں۔

۸:..... اتحاد زمان:..... اگر زمانہ ایک نہ ہو تو بھی حقیقی نکرہ نہیں ہوگا۔ مثلاً علیت خرم کا زمانہ اور تھا اور حرمت کا زمانہ اور یعنی فاجتنبوہ کی آیت کے نازل ہونے کے بعد۔ تو یہ حقیقی نکرہ تو کبھی فقہ اور حدیث میں ہو ہی نہیں سکتا۔ صوری نکرہ کے لئے بھی دونوں دلیلوں کا برابر ہونا ضروری ہے۔ اعلیٰ اور ادنیٰ میں تعارض نہیں ہوتا۔ (اصول بزودی، صفحہ ۲۰۰)

ہمارے فقہاء نے تو قیاس کی صحت کی شرائط میں لکھا ہے کہ:.....

۱:..... قیاسِ نفس کے مقابلہ میں نہ ہو۔ (اصول الشاشی، صفحہ ۸۵) تو اس صورت میں اجتہادی مسئلہ اور حدیث میں تعارض کیسے ہو سکتا ہے بلکہ ہمارے فقہاء نے اس قیاس کو بالفعل رد کر دیا جو نفس سے نکرانے والا ہو۔ چنانچہ امام زفرؒ سے کسی نے پوچھا کہ نماز میں قہقہہ مارنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ تو سائل نے کہا کہ نماز میں اگر کسی پاک دامن پر قہقہہ لگائے تو وضو ٹوٹے گا؟ امام زفرؒ نے فرمایا نہیں، اس نے کہا کہ پاک دامن پر قہقہہ

۱:..... وضو ٹوٹتا تو قہقہہ سے بھی نہیں ہوتا ہے۔ تو امام زفرؒ نے فرمایا کہ چونکہ نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنا حدیثِ پاک میں آ گیا ہے اس لئے حدیث کے خلاف قیاس معتبر نہیں ہے۔ اسی طرح عورت اپنے محرم کے ساتھ حج کر سکتی ہے کیونکہ آبروریزی کا اندیشہ نہیں، اگر اسی علت کی وجہ سے کوئی قیاس کرے کہ اگر عورتوں کا گروپ ہو تو وہاں بھی اپنی عزت کی حفاظت کے ساتھ حج کر سکتی ہے تو یہ قیاس حدیث کے خلاف ہے کہ کسی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے والے عورت کے لئے ہال نہیں کہ تین رات دن سے زائد کا سفر کرے، مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کا گروپ ہو یا اس کا خاندان یا اس کا زوی رحم محرم۔ (اصول الشاشی، صفحہ ۸۵) اس لئے یہ قیاس مردود ہے۔ پھر آج تک کسی ماہر فن نے یہ نہیں کہا کہ فلاں مسئلہ فقہ کا حدیث کے خلاف ہے اگر کسی ماہر نے اعتراض کیا بھی تو اس کا جواب ہو گیا جن لوگوں نے ساری زندگی فقہ اور حدیث سے پڑھانے میں گزاری، انہوں نے تو فقہ کو حدیث سے متعارض نہیں مانا، البتہ انگریزوں نے۔ یہاں حکومتِ خفیوں سے لی تھی اور ان سے جہاد بھی احناف نے کیا تو اس احناف کو مانع کرنے کے لئے کچھ ایسے آدمی خریدے جنہوں نے فقہ حنفی کو حدیث کے خلاف کہنا شروع کیا تا کہ یہ مسلمان کہلانے والے میرا (انگریز کا) پیچھا چھوڑ کر آپس میں لڑنا شروع کر دیں اور ان کا منصوبہ غیر مقلدین کے نوموود فرقہ نے پورا کر دیا، سب سے پہلے ہری پور میں دیوان چند کھتری ساکن علی پور ضلع جو جرانوالا نے غیر مقلدیت کے رنگ میں اپنا نام غلام محمد بن الدین رکھ کر الظفر المسبین فی رد مغالطات المقلدین نامی کتاب لکھی اس میں فقہ کا قرآن و حدیث سے نکرہ ظاہر کیا۔ علمائے جرمن شریفین نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ خود گمراہ اور لوگوں کو گمراہ کر کے زمین میں فساد مچانے والا ہے اس لئے اس کی بد عملی مزین کر دی گئی ہے۔ یہ مصنف اور اس کے ساتھی شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار

رہو کہ شیطان کا گروہ ہی خسارے والا ہے۔ (فتح المبین، صفحہ ۳۹۸)

مفتی عبدالرحمن سران نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ مسلم حکمرانوں کا اور کئی گنا بڑھا دیں، ان پر اس ہنساں (گمراہ) مفضل (گمراہ کرنے والا) کو سخت سزا دینا واجب ہے، اگرچہ قتل ہی کیوں نہ ہو۔ (فتح المبین، صفحہ ۵۰۰)

جواب سوال نمبر ۵:

آپ نے پوچھا کہ صحیح فقہ کیسے معلوم ہوگی؟ تو جواباً عرض ہے کہ دنیا اور دین میں برفرن کے ماہر تحقیق سے اور غیر ماہر تقلید سے اس فن کا درست ہونا معلوم کرتے ہیں۔ وہ پہلے جواب سے معلوم ہو گیا کہ اہل فن نے فقہ حنفی کی تصدیق کی ہے، اگر یہ بات صحیح ہے کہ دراصل اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو فقہ حنفی نے ہزاروں اولیاء اللہ پیدا کئے، محدثین پیدا کئے، اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

جواب سوال نمبر ۶:

امام صاحبؒ کی کتاب الاثار حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہے عقائد الفقہ الاکبر سب سے پہلی کتاب آج بھی ملتی ہے، وصالیہ امام اعظمؒ بھی مترجم ملتی ہے بہت بڑا جھوٹ ہے کہ امام صاحبؒ کی کوئی کتاب نہیں۔ (فظہ واللہ اعلم)

جماعت المسلمین کے مساویں اور ان کے جوابات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد الحمد والصلوة عرض ہے کہ ایک جہی ساز کا چھوٹا سا کتابچہ ملا جس کا نام اصلاح عقیدہ ہے۔ شائع کرنے والی جماعت المسلمین ممان ہے مگر مؤلف کا نام نہ کور نہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہماری جماعت اور تنظیم کا نام المسلمین ہے اور ہمارا فرقہ وارانہ گروہوں سے کوئی تعلق نہیں، مگر کتابچہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں مانتے، بلکہ اس جماعت سے ہو کر گزرنے والے ایک شخص سید وقار علی نے ان کے خلاف ایک کتابچہ لکھا کہ جماعت المسلمین یا جماعت الکفیر۔ اس میں یہ بات ثابت کی کہ جماعت المسلمین کے لوگ اپنے امیر مسعود احمد کو اس طرح مانتے ہیں جس طرح نبی کو مانا جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ”ہم کسی غیر نبی غیر رسول غیر معصوم شخص کو وہ درجہ، وہ مقام سے دیتے ہیں کہ جو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے مخصوص ہے۔ ہم اس کی کوئی عقیدت و محبت میں ڈوبتے چلے پاتے ہیں۔ اس کی ہر بات کو بلا سوچے سمجھے بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے سحر میں ایسے گرفتار ہو جاتے ہیں کہ یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہ کرنا کرتے کہ جو کچھ یہ صاحب بیان کر رہے ہیں کیا ہمارے دین کا مجموعی حکام بھی اسے قبول کرتا ہے یا نہیں۔ کیا ہمارے اسلاف نے بھی دین کی یہی تعبیر بیان کی تھی کہ جو کچھ آج ارشاد فرمایا جا رہا ہے؟ کیا انہوں نے بھی ان آیات و احادیث پر اسی طرح قائل کیا تھا کہ جس طرح

آج ہم سے عمل کرہ ایجا جا رہا ہے؟ کیا انہوں نے ان آیات و احادیث کی یہی تاویل و تفسیر و تشریح کی تھی کہ جس طرح سے آج کی جا رہی ہے؟..... تو پھر طرح طرح کی گمراہیوں اور ضلالتوں، ذلتوں اور حماقتوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ "جماعت المسلمین یا جماعت الشیعہ میں" اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ جماعت المسلمین مسعود احمد کو نبی کا درجہ دیتی ہے۔ اسی طرح مذکورہ کتاب میں لکھا ہے کہ یہ جماعت اپنے آپ کو مسلم اور دوسروں کو غیر مسلم سمجھتی ہے اور پوری امت کی نمازوں کو باطل قرار دیتی ہے اور اپنی جماعت کے علاوہ دوسروں کے جنازے، حتیٰ کہ مصوم بچوں کے بھی جنازے نہیں پڑھتے اور غیر جماعت المسلمین کی لڑکیوں کے نکاح اپنے سے اور اپنی لڑکیوں کے نکاح غیر جماعت والوں سے حرام سمجھتے ہیں (خلاصہ جماعت المسلمین یا جماعت الشیعہ ص ۱۲) نیز یہ بات مشاہدہ کی ہے کہ اپنی جماعت کے غیر کو یہ لوگ سلام نہیں کرتے۔ ان کی جماعت کا آدمی فوت ہو جائے تو دوسرے مسلک کے مولوی سے جنازہ نہیں پڑھواتے، خود پڑھانا نہ آئے تو بغیر جنازہ کے اس کو دفن کر دیتے ہیں اور پھر چند دن بعد ہاہر سے ان کا آدمی آ کر قبر پر جنازہ پڑھاتا ہے۔ پورے والہ ریتی پورہ محلہ کے کچھ آدمی کراچی جا کر اس جماعت میں داخل ہوئے۔ والہس آ کر انہوں نے اپنی بیویوں کو کہا کہ تم مشرکات ہو، اس لئے ہمارے نکاح تم سے جائز نہیں۔ اگر تم ہماری جماعت میں داخل ہو جاؤ تو نکاح باقی رہ سکتا ہے، ورنہ تم اپنے والدین کے پاس چلی جاؤ۔ چنانچہ ان کو اسی بنا پر گھروں سے نکال دیا۔ سید وقار علی نے اپنی کتاب میں یہ اشارات بھی کئے ہیں کہ یہ لوگ ان خارجیوں سے تعلق رکھنے والے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کو کافر کہا تھا اور حضرت علیؑ نے ان کو قتل کیا تھا۔ یہ اپنے علاوہ تمام لوگوں کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں۔ قیامت کے قریب جب ذنباں ظاہر ہوگا تو یہ لوگ اس کے ساتھ مل جائیں گے۔ واضح رہے کہ اس جماعت کا بانی مسعود احمد نبی، ایس ہی پہلے غیر مقلدین کی جماعت غریباہ اہل حدیث کا رکن تھا اور یہ غریباہ اہل حدیث انگریز کے دور ۱۳۱۳ھ میں بنی۔ اس کا بانی

اہل ابواب دہلوی تھا، جس کو بقول پروفیسر محمد مبارک غیر مقلد کے انگریز نے اپنا آلہ کار اس طرح بنایا کہ موصوف کو اس کا احساس تک نہ ہوا (آئینہ غرباہ اہل حدیث ص ۸) نیز اس کی کتب احادیث پر بھی نظر نہیں تھی" (آئینہ غرباہ ص ۱۲) اس نے تحریک جہاد کو افرادی و مالی احسان کا بیچپایا (خلاصہ آئینہ غرباہ ص ۱۳) اس نے شرکیہ منتر سے علاج کو جائز لکھا۔ اس کی وجہ سے موصوف پر مشرک ہونے کا فتویٰ لگایا گیا (آئینہ غرباہ اہل حدیث ص ۱۴) اس غریباہ اہل حدیث نے مقلدین کو تو مشرک کہا ہی تھا مگر پروفیسر مبارک کہتے ہیں "غرباہ اہل حدیث اپنے علاوہ دوسرے اہل حدیث کو ایلیس و مردود سمجھتی ہے۔ پھر پروفیسر نے ان کے یہ شعر نقل کئے ہیں۔

کیا ایلیس نے جھگڑا آدم کی اقامت پر
اقتداء آدم میں داخل ہو جائے جس کا جی چاہے
بڑا عالم تھا یہ لمٹوں بھی اپنے زمانے کا
امامت سے پھرے مردود بن کر جس کا جی چاہے (آئینہ غرباہ ص ۱۱)

مولوی عبدالباق محمد یلوی بانی جماعت غرباہ کے بارہ میں فرماتے ہیں "مولوی صاحب موصوف کے جنونِ امامت نے رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کی کہ وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ حق گو اور ذی علم سمجھنے لگے اور امام وقت کا یعنی خلیفہ کا دعویٰ کر بیٹھے اور اپنی نسبت یہاں تک کہا کہ جو امام وقت کی بیعت بغیر کے سرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا اور جو امام وقت کی اجازت بغیر زکوٰۃ دے گا تو اس کی زکوٰۃ قبول نہ ہوگی اور ایسے ہی امام وقت کی اجازت بغیر طلاق نکاح بھی درست نہیں اور جو اس وقت مدعی امامت ہوگا وہ واجب التخل ہے۔ کیونکہ میں امام وقت ہوں (مقاصد الامتہ ص ۲) پروفیسر محمد مبارک صاحب فرماتے ہیں "جماعت غرباہ اہل حدیث کی بنیاد صرف محدثین کی مخالفت کے مقصد کے لئے رکھی گئی تھی۔

صرف یہی مقصد نہیں بلکہ تحریک مجاہدین یعنی سید احمد بریلوی کی تحریک کی مخالفت کر کے انگریزوں کو خوش کرنے کا مقصد نہیں تھا۔ (علماء احناف اور تحریک مجاہدین ص ۴۸) نیز فرماتے ہیں اس بنیاد پر جماعت غرباء اہل حدیث باقی جماعت ہے جس کا جماعت اہل حدیث سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ پوری جماعت مع امام کے واجب القتل ہے۔ فسوس سید احمد شہید کی تحریک کا مایاب ہو جاتی تو ضرور جماعت غرباء اہل حدیث کو مع امام کے قتل کیا جاتا جس طرح سید امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو کذاب اور اس کے ساتھیوں کو کفر کر دیا تھا۔ جس طرح مسلمانوں کو کذاب کی جماعت کی حمایت کرنے والے جرم تھے اسی طرح وہ علماء جو جماعت غرباء اہل حدیث کے جلسوں کو رونق بخشتے ہیں وہ بھی جرم ہیں۔ (علماء احناف اور تحریک مجاہدین ص ۵۳)

تو جماعت المسلمین کے باقی اسی جماعت کا دودھ پی کر جوان ہوئے۔ چونکہ اس جماعت میں امیر کا نظام چلتا تھا تو ان کے دل میں بھی امیر بننے کی آہنگ پیدا ہوئی، تو انہوں نے پہلے اپنی ذیلی جماعت اور پھر ۱۳۹۵ھ میں مستقل جماعت المسلمین کے نام سے جماعت بنائی اور یہ کہنا شروع کیا کہ ہماری جماعت کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رکھا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ اور فریب ہے۔ جیسے مرزا انیسویں نے ۱۹۳۷ء میں ایک شہر ربوہ نامی آباد کیا اور لوگوں کو دھوکا دینا شروع کیا کہ اس شہر کا نام قرآن میں دو جگہ آیا ہے اور قرآن سے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۵ اور مومنوں کی آیت نمبر ۵ دکھاتے ہیں، مگر وہاں جماعت المسلمین والے بھی کہتے ہیں مرزا انیسویں کے ربوہ اور قرآن کے لفظ ربوہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح ہم جماعت المسلمین والوں کو کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت ہو مستاکم المسلمین اور تمہاری جماعت المسلمین میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جیسے آپ کیٹھن مسعود احمد کی جماعت حزب اللہ کو آیت الا ان حزب اللہ هم المفلحون کا مصداق

رکھیں ایسے اسی طرح ہم قرآنی آیت میں المسلمین کا مصداق آپ کی جماعت کو قرار نہیں دیتے۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ جب یہ نام اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا تو مسعود احمد کو یہ نام رکھنے کی اور پھر حکومت سے رجسٹریشن کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ خدا پر اعتماد نہیں تھا۔ واضح ہو کہ تاریخ المسلمین میں جماعت کا رجسٹریشن نمبر ۶۶۰۶۵/۳۱۶۳ درج کیا گیا ہے۔ پھر اصلاح علیہ و میں بھی تمام مسلمانوں کو مشترک قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے ہماری امت مسلمہ کی اکثریت کا بھی یہی حال ہے کہ اولیاء اللہ اور بزرگوں کو مرنے کے بعد دنیاوی قبروں میں زندہ مانتی ہے (ص ۴) اس عقیدہ کو پیش نظر رکھ کر یہ لکھا ہے کہ جتنی قومیں بھی اللہ کے غضب کا شکار ہوئیں ان کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ اللہ کو ماننے کے ساتھ ساتھ دوسری ہستیوں کو بھی اللہ کا شریک و ہم نامی تھیں (ص ۴)

قبر و نبوی:

پہلی عبارت میں دنیاوی قبروں کے لفظ سے لکھنے والے نے یہ اشارہ کیا ہے کہ دنیاوی قبر کے علاوہ بھی کوئی قبر ہے۔ دوسرے رسالوں میں جماعت المسلمین اور کیٹھن مسعود کی کتابی دور حاضر کے غیر مقلدین اور اشاعت التوحید والسنہ (مماقی ٹولہ) نے یہ قرآن و سنت کے خلاف نظریات پھیلانے کی مہم شروع کر رکھی ہے کہ قبر سے مراد یہ قبر نہیں ہوتی بلکہ مقام مسلمین یا جہنم ہے جہاں روحیں ٹھہرتی ہیں، حالانکہ قرآن و سنت میں قبر سے مراد زمین والی قبر ہی ہوتی ہے اور عرف میں بھی اسی کو قبر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مصباح اللغات میں ہے القبر انسان کے دفن کرنے کی جگہ، جمع اس کی قبور ہے (ص ۶۵۴) بقم الفاظ القرآن میں ہے: القبر مقر الميت و جمعه قبور۔ یعنی میت کے قرار کی جگہ قبر ہے، اس کی جمع قبور آتی ہے (ص ۳۳۱ ج ۲) اسی طرح امام راغب فرماتے ہیں قبر میت کے رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں (مضمرات ص ۳۹۰) علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں: قبر انسان کے دفن کرنے کی جگہ ہے،

اس کی جمع قبول آتی ہے (قاموس ص ۴۱۳) قرآن پاک میں ہے کہ آپ کسی منافق کا جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں (توبہ آیت ۸۴) یہاں قبر سے مراد یہی گڑھا ہے نہ کھجین۔ کیونکہ حضور ﷺ جنازہ کے بعد اسی ذیئوبی قبر پر کھڑے ہوتے تھے کہ علیین یا کھجین پر اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھائیں گے ان کو جو قبروں میں ہیں (سورہ فتح آیت ۷) تو قیامت میں انہی قبروں سے مردے اٹھیں گے نہ کہ علیین اور کھجین سے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جب کہ قبروں کو اٹھیڑا جائے گا (انفطار ۲۴۰) کیا پس نہیں جانتا انسان جب اکھاڑا جائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں (العاویات ۹)

ان آیات میں قبروں سے مراد یہی قبریں ہیں۔ پھر محدثین نے جو کتب احادیث میں ابواب باندھے ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبر یہی زمین ہے اور کوئی نہیں۔ مثلاً بخاری کا باب کہ آدمی کا عورت کو قبر کے پاس جا کے کہتا کہ حجر کہ۔ اسی طرح باب زیارة القبور، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور (قبروں پر مساجد بنانے کی کراہت کا باب) باب الصلوة علی القبر (ص ۱۷۸) (یعنی قبر پر نماز جنازہ کا باب) باب بناء المسجد علی القبر ص ۱۷۹ (یعنی قبر پر مسجد تعمیر کرنے کا باب) باب من یدخل قبر المرأة ص ۱۷۹ (اس شخص کا بیان جو عورت کی قبر میں داخل ہو) باب دفن الرجلین او الثلاثة فی قبر واحد، باب الاذخروا الحشیش فی القبر ص ۱۷۹، باب هل یمخرج الميت من القبور، باب اللحد والشق فی القبر ص ۱۸۰، باب الجورید علی القبر ص ۱۸۱، باب موعظة المحدث عند القبر ص ۱۸۲، باب قبور النبی ﷺ و اہل بکرت و عمرو ص ۱۸۶۔ اسی طرح مسلم شریف کے درج ذیل ابواب باب جعل القطیفة فی القبر، باب الامر بتسویة القبر، باب النهی عن تجصص القبر، باب النهی عن الجلوس علی القبر، باب ما یقال عند دخول القبر، باب استیدان النبی ﷺ ربہ عزوجل فی زیارة قبر امہ۔ اسی طرح ابوداؤد شریف میں

ابواب کے علاوہ یہ ابواب ہیں۔ باب جمع الموتی فی قبر والقبر یعلم، باب تعصیق القبر، باب کراہیة القعود علی القبر، باب الاستغفار للمیت عند القبر، باب المشی فی الحداء بین القبور۔ اسی طرح ترمذی میں ہے باب ما جاء ما یقول اذا ادخل المیت قبره، باب ما جاء فی کراہیة الوطی علی القبور۔ ان تمام ابواب اور ان کے تحت ذکر کردہ احادیث سے روز روشن کی طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ قبر سے مراد زمین کے ہاں بھی نہیں زمین قبر ہے۔ تو عذاب و ثواب قبر میں بھی یہی مراد ہوگی۔ مگر جماعت المسلمین والوں نے یہاں آ کر ایک قبر غیر زمینی گھڑی اور دین میں اپنی طرف سے اضافہ کیا اور سارے جماعت المسلمین والے اس مفہوم کے موجد (مسعود احمد) کی تقلید شخصی کر رہے ہیں اور اپنے اصول کے مطابق شریعت سازی کے شرک میں مبتلا ہیں، مگر عوام کو یہی کہتے ہیں کہ صرف ہم مسلم ہیں اور اس زمینی قبر کو ماننے والے غیر مسلم ہیں مگر یہ بات بھی ان کی محض فریب ہے، کیونکہ اس زمینی قبر کے انکار کرنے میں ان کے ساتھ ممانی، شیخین مسعود عثمانی کا فرقہ اور اہل حدیث (غیر مقلدین) کے دوسرے فرقے بھی شامل ہیں۔ مگر جماعت المسلمین کے ہاں اس کے باوجود وہ بھی غیر مسلم ہیں۔ تو لے دے کے بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ جو مسعود احمد بی ایس بی کو اس کے نئے نظریات میں امیر (ابام) نہ ماننے دو غیر مسلم ہے۔

خدا کی قبر:

مثلاً مشہور ہے کہ دروغ گورا حافظ نہ باشد۔ یعنی جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ یہ بھی کچھ کہتا ہے کبھی کبھو۔ تو اب تک یہ زمینی قبر کا انکار کرتے تھے مگر اب خدا کی بھی زمینی قبر مان لی، کیونکہ جب یہ لکھ دیا کہ زمینی قبر میں انبیاء و اولیاء کی حیات ماننا شرک ہے اور آج تک حقیقت مسلم ہے کہ شرک خدا تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرنا ہے تو حیات فی العمر کے شرک ہونے کا واضح مفہوم یہ ہوگا کہ زمینی قبر میں خدا زندہ ہے۔ اگر غیر خدا کو بھی

اس زمینی قبر میں زندہ مانا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ لغوی باللہ تعالیٰ منہ لو بیت کہاں سے کہاں تک پہنچاوی۔ خیر ان کے تو سارے نظریات ہی وہابیات قسم کے ہیں۔ البتہ اگر کوئی صاحب عقل و شعور ان میں ہو تو وہ ہمیں ان سے یہ سوالات حل کرا کے دے (۱) اللہ تعالیٰ کی زمینی قبر قرآن سے ثابت ہے یا حدیث سے، واضح آیت یا حدیث بیان کریں۔ (۲) وہ قبر کس جگہ ہے؟ (۳) جماعت المسلمین نے خدا کا جنازہ پڑھ کے دفن کیا یا بغیر جنازہ پڑھے دفن کر دیا۔ (۴) خدا کے دفن کرنے کے بعد کائنات کا کلام جماعت المسلمین کے سپرد ہے یا کسی اور کے، اس کا نام بتایا جائے؟ (۵) خدا تعالیٰ کی زمینی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ (۶) زمینی قبر میں حیات خداوندی ماننے کی صورت میں ان آیات کا انکار تو لازم نہیں آئے گا وهو معکم این ما کنتم (حدید/۳) فانما یولوا فہم وجہ اللہ (بقرہ/۱۱۵) ما یکون من نجوی للثلثة الا هو رابعہم ولا خمسۃ الا ہو سادسہم (الآیہ مجادلہ/۷) ولحن القرب الیہ منکم ولكن لا تتصرون (واقفہ/۸۵) ولحن اقرب الیہ من جبل المورید (ق/۱۶) واذا سالک عبادی عنی فانی قریب (بقرہ/۱۸۶)

نوٹ: واضح رہے کہ سماع موقی کو شرک اور کفر کہنا یہ بھی شریعت سازی ہے۔ قرآن پاک کی ایک آیت یا ایک حدیث ایسی پیش نہیں کر سکتے کہ اللہ یا اللہ کے رسول نے اس کو شرک کہا ہو۔ پاکستان بننے کے بعد اس مسئلہ کو شرک کہا جانے لگا جس پر دلائل شرعیہ موجود ہیں۔ مثلاً (۱) حضرت یزید بن عازبؓ نے حضور ﷺ سے کہا سے سوال قبر سے پہلے بعد درودِ وحہ ہی جسدہ کے الفاظ نقل فرمائے ہیں (مشکوٰۃ ص ۲۶) کہ میت کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے (ایضاً تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۳، ج ۲) جب جسم میں روح لوٹے گی تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ لوٹے گی اور سماع بھی اس کے لوازمات میں سے ہے۔ لہذا اس حدیث سے سماع ثابت ہوا۔ (۲) امام بخاری نے باب باندھا ہے الحدیث یسمع خلق النعال

بیت جوتیوں کی آواز سنتی ہے اور حضرت انسؓ کی مرفوع روایت اس بارہ میں ذکر فرمائی (مس ۱۷۸/ج ۱) (۳) اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے لکھنا بدر کے بارہ میں فرمایا کہ ما انتم باسمع منہم ولكن لا یحییون (بخاری ج ۱، ص ۱۸۳) کہ تم ان سے زیادہ سنتے والے نہیں لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔ (۴) اسی طرح حضور ﷺ نے اہل قبور کو سلام کرنے کی تعلیم دی (مسلم ص ۳۱۲، ج ۱) اگر مردے سنتے ہیں تو سلام حاضر کے صیغہ سے کرنے کا کیا فائدہ۔ (۵) حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس وقت وصیت کی کہ میری قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد اتنی دیر میری قبر کے ارد گرد پتھر نہ بچھنی اور اٹ کے ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کرنے میں لگتی ہے۔ میں تم سے مانوس ہوں گا اور میں غور کر سکوں گا کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دوں (مسلم ص ۶۷، ج ۱) (۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا میں اس کو ستوں گا اور جو دور رہ کر درود پڑھے گا وہ مجھ کو پہنچایا جائے گا (مشکوٰۃ ص ۸۷) (۷) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ضرور بالفرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اس حال میں کہ وہ حاکم ہوں گے، امام اور منصف ہوں گے اور حج یا عمرہ کے لئے راستہ چل کر میری قبر کے پاس آئیں گے جہاں تک کہ مجھ کو سلام کریں گے اور میں ان کو جواب دوں گا (جامع صغیر ص ۱۳۰) (۸) حضرت ابوامدؓ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ جب تمہارا کوئی مسلمان (بھائی فوت ہو جائے تو تم اس پر مٹی برابر کرو، پھر تم میں سے ایک آدمی قبر کے سر ہانے کھڑا ہو جائے، پھر کہے کہ اے فلانی کے قفلانے بیٹے۔ پس تحقیق وہ سنتا ہے اور جواب میں دیتا، پھر (دوبارہ) کہے اے فلانی کے قفلانے بیٹے تو وہ مردہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے۔ پھر یہ اے فلانی کے قفلانے بیٹے تو وہ مردہ کہتا ہے کہ اللہ تجھ پر رحم کرے تو میری رہنمائی کر لیکن

تسمیں اس کی بات کا شعور نہیں ہوتا، پھر اس کو کہے کہ تو اس کلمہ شہادت کو یاد کر جس پر تو خدا سے نکلا ہے: اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا عبده ورسوله اور اس کو بھی یاد کر کہ تو اللہ پر رب ہونے کے اعتبار سے اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے پر اور قرآن کے امام ہونے پر راضی رہا، الخ (شرح الصدور ص ۴۴) (۹) حضرت عائشہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ کوئی مسلمان آدمی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت نہیں کرتا کہ اس کے پاس بیٹھے مگر وہ قبر والا اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کو جواب دیتا ہے (شرح الصدور ص ۸۴) (۱۰) حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ کوئی شخص اپنے اس مومن بھائی کی قبر سے نہیں گزرتا کہ جس کو دنیا میں پہچانتا ہو، پھر اس کو سلام کرے مگر وہ قبر والا اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے (شرح الصدور ص ۸۴) (۱۱) حضرت ابو زرینؓ کو حضور ﷺ نے قبرستان والوں کو سلام کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا وہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا سنتے ہیں مگر جواب کی طاقت نہیں رکھتے (یعنی ایسا جواب جس کو عمومی طور پر جن اور انسان سن سکیں) (شرح الصدور ص ۸۴) جماعت المسلمین ان تمام روایات کو ماننے والوں کو غیر مسلم اور مشرک کہتے ہیں اور انکا انکار کرنے والوں کو مسلم اور مؤحد۔ اس کتابچے کے ص ۱۲ پر واقع سبیل من الہاب کا ترجمہ کیا ہے کہ اس شخص کے راستے کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہے، واضح ہو کہ سبیل کا معنی مذہب ہے۔ اس آیت سے تھلید شخصی کا وجوب ثابت ہوتا ہے جماعت المسلمین جس کی مشرک ہے۔ ص ۱۴ پر ہے کہ طاغوت سے مراد وہ مولوی، پیر اور سیاست دان ہیں جو کفر و شرک کرنے میں اور کھلم کھلا لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔ جماعت کے بانی مسعود احمد آجمنانی نے بھی اپنی امارت کے عنوان سے شرک کر لیا ہے کہ جو اس کی امارت کو نہیں مانتا تھا اس کو غیر مسلم کہتا تھا وہ بھی اس طاغوت کی تفسیر میں داخل ہوگا یا نہیں؟ نیز اس کتابچے میں لکھا ہے کامیاب

کے وہ جو اپنی نمازوں میں خشوع اور عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ یہاں یہ نہیں بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں رفیع یدین نہیں کرتے البتہ جماعت المسلمین اس آیت کی مخالفت کر کے بقول خود غیر مسلم بن گئی۔

نیز اس رسالہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، نبی کی وجہ سے نہیں (ص ۲۰) اس عبارت میں آخری جملہ جس کی تردید کی جارہی ہے وہ ایک مشہور حدیث ہے: لو لاک لما خلقت الافلاک۔ یعنی اگر آپ نہ ہوتے اس افلاک (یعنی کائنات) کو پیدا نہ کرتا۔ اس حدیث کو آیت کریمہ کے متضاد سمجھ کر حدیث کی تردید کر رہا ہے، حالانکہ پوری امت نے یہ آیت اور حدیث بیان کی مگر ان میں اختلاف نہیں کیا مگر جماعت المسلمین نے اس آیت اور حدیث میں پہلے تضاد بیان کیا پھر حدیث کا انکار کر دیا تو اصل میں اس فرق کا مقصد ہی انکار ہے۔ اس حدیث کے معنی ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مستغنی نے اس کو موضوع کہا ہے مگر اس کا معنی صحیح ہے، اور وہی نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آیا کہ لائے تو انہوں نے کہا اے محمد! لو لاک لما خلقت الجنة و لو لاک لما خلقت النار (یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت و جہنم کو پیدا نہ کرتا) اور ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا (موضوعات کبیرہ ص ۱۰۱) باقی الفاظ صحیح سے مشہوم کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شان رسول اللہ ﷺ ایک مردہ احد کی شان نہیں، بلکہ ایک عالم بہتہ امنیہ ہے۔ اور صورت بشری اور بشری عالم منہبط ہے ہر موجودات کا۔ تو گویا آنحضرت ﷺ غایۃ الغایات ہیں اور ظہور کے الفاظ ہیں (لغوش الحرمین ص ۳۸) نہ کثیدہ الفاظ میں آپ نے اسی حدیث کے مفہوم کو

تعلیم القرآن والسنة پشاور کے شائع کردہ

وساوس کے جوابات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

برادرانِ اسلام! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن پاک کے ذریعے دین کی تکمیل کی اور ہمارے لئے دینِ اسلام کو پسند فرمایا۔ مگر اسی قرآن پاک میں اس کی تشریح کا حق اپنے پیغمبر ﷺ کو دے دیا۔ لتین للناس ما نزل الیہم تاکہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے، آپ اُسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔ (۴۳/۴۳، انجیل) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا اور فیصل قرار دیا۔ وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط (۴۲/۴۲) لتحکم بین الناس بما اراک اللہ (۱۰۵/النساء) فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکمواک فیما شجر بینہم (۴۵/النساء) مگر ایک گروہ جس کا وجود انگریز کے دور سے پہلے نہیں تھا وہ قرآن کی محبت کا نام لے کر جو ام میں یہ دوسو سے پھیلائے لگا کر دیکھو اگر نبی اقدس ﷺ کو فیصل یا حکم اور شارح مان لیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کامل نہیں، بلکہ ناقص ہے۔ اور یہ بات تکمیل دین والی آیت کے منافی ہے۔ بالکل اسی طرح ایک گروہ جو انگریز کے دور میں معرض وجود میں آیا، انگریز کے دور سے پہلے نہ ان کی کوئی مسجد نہ مدرسہ نہ جماعتی تشکیل نہ کوئی کتاب نہ تاریخ میں ان کا ذکر۔ انہوں نے محبت حدیث کا لیبل لگا کر ائمہ مجتہدین کی اتباع کو اتباع رسول ﷺ کے خلاف اور شرک فی الزمات قرار دیا۔ حالانکہ پوری امت کا اجماع تھا کہ امام نبی سے ہونے والا ہوتا ہے، توڑنے والا نہیں ہوتا۔ جس طرح رسول خدا سے جوڑتے ہیں، توڑتے

بیان فرمایا۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں: "ووصلی علی افضل البرایا صلوا الیہم الذی لولاه ما اخرجت الدنیا من العدم یعنی ہم اس افضل الخالق شفیع الامم درود بھیجتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو دنیا ہی نہ ہوتی (خط در جواب ملا بغدادی در تذکیر الاخوان ص ۳۶۴) مولانا بلیاوی فرماتے ہیں: لولاه لما خلق السموات والارضین کہ اگر حضرت ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا نہ فرماتے (ضیاء الخجوم ص ۲) اس رسالہ میں ایصالِ ثواب کا بھی انکار کیا ہے جو غلط ہے۔ قماوی عالمگیری میں ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو پہنچائے خواہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ وغیرہ جیسے حج اور تلاوت قرآن اور اذکار اور نیویں، شہیدوں اور ولیوں اور صالحین کی قبور کی زیارت ہو یا مردوں کی تکفین اور جرم کی نیکیاں اس میں شامل ہیں (ص ۲۵۷، ج ۱)

نہیں۔ قرآن پاک میں خدا کی اطاعت کا بھی حکم ہے۔ رسول اقدس ﷺ کی اطاعت کا بھی اور ائمہ مجتہدین کی اطاعت کا بھی مگر عوام کو گمراہ کرنے کے لئے دونوں گروہ غلط قسم کے سوالات عوام میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح فکر کا ایک ورق "مقلدین کے لئے لمحہ فکریہ" کے عنوان سے جامع تعلیم القرآن والسنۃ بیرون صحیح پشاور کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ جس میں امام اعظم ابوحنیفہ کی تقلید پر بائیس سوالات کئے گئے ہیں جن کے جواب حسب قول ہیں۔ دوسرے نمبر: امام صاحب پیغمبر تھے یا عالم دین۔ اگر پیغمبر تھے تو کیا دلیل ہے۔ اگر مجتہد تھے تو ان کی تقلید کس نے واجب کی؟

الجواب: امام صاحب مجتہد ہیں۔ پوری امت نے آپ کو مجتہد مانا ہے اور اجماع امت دلیل شرعی ہے۔ اور مجتہد کی اتباع کا حکم قرآن پاک سے ہے۔ واتبع سبیل من الذاب وغیرہ آیات۔

دوسرے نمبر: ۳۲: آیا امام صاحب کا نام قرآن میں ہے، حدیث میں ہے، کلمہ طیبہ یا آمت باللہ میں آیا ہے؟

الجواب: جس طرح بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ محدثین کے نام قرآن میں نہیں۔ نیز قاری، عاصم اور قاری حنفی کے نام قرآن میں نہیں۔ مگر اجماع امت کی وجہ سے ہم ان کی کتب اور قرآنوں کو مانتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ائمہ مجتہدین کے ناموں کا قرآن و حدیث یا ایمان مفصل میں ہونا ضروری نہیں۔ آپ اصول حدیث میں ابن حجر وغیرہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ کیا ان کے نام آپ کو قرآن و حدیث اور ایمان مفصل میں مل گئے ہیں۔ صرف، نحو اور لغت وغیرہ فنون میں ان فن والوں کے نام آپ کو قرآن پاک، حدیث اور ایمان مفصل میں مل گئے ہیں کہ آپ ان کو مانتے ہیں۔ جس طرح یہاں بھی اجماع امت کی وجہ سے آپ ان فنون اور ان کے ماہرین کو مانتے ہیں، بالکل اسی طرح ہم اجماع امت

کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کو مجتہد مانتے ہیں۔ امین اللہ پشاوری اپنا نسب قرآن و حدیث یا ایمان مفصل میں دکھائے، یا اعلان کرے کہ میں اپنے باپ یاد رکھیں کہ ایسے لوگوں سے فقہ تو شاید بعد میں چھوٹے، اپنا نسب پہلے چھوٹ جائے گا۔ امین اللہ کبھی یہ اعلان نہیں کرے گا کہ عدالتوں میں جتنے گواہ پیش ہوتے ہیں ان کے نام نہ قرآن میں ہیں، نہ حدیث میں اور نہ ایمان مفصل میں۔ اسی طرح جنہوں کے نام بھی اگر قرآن و حدیث اور ایمان مفصل میں ہوں گے تو ہم ان کے فیصلے مانیں گے، ورنہ ہم اعلان بغاوت کریں گے۔ پتا ہے کہ ایسے اعلان سے تو بین عدالت کا کس پتلے گا۔ امین اللہ اپنے نکاح کے گواہوں کے نام اپنی شرائط کے مطابق قرآن و حدیث سے یا ایمان مفصل میں ہوں، دکھائے، ورنہ اعلان کرے کہ میرا نکاح نہیں ہے۔ شادی بھی اُس عورت سے کرے جس کا نام قرآن و حدیث اور ایمان مفصل میں ہو۔ ورنہ ایسی بیوی کو چھوڑ دے، مگر ہمیں یقین ہے کہ فقہ کو ان لوگوں سے چھڑانے والے کبھی اپنے دوسروں کے مطابق بیوی کو نہیں چھوڑیں گے، تو ان شاہد اہل ایمان بھی ان دوسروں سے متواتر شریعت کی عملی صورت یعنی فقہ حنفی کو نہیں چھوڑیں گے۔ واضح رہے کہ جس طرح قرآن پاک کی متواتر قرآۃ ان علاقوں میں قرآۃ عاصم کوئی اور روایت قاری حنفی کوئی کی ہے، اگر کوئی ایسے دوسروں سے اس قرآۃ کا انکار کر دے تو وہ قرآن کے انکار کو لازم کرنے والا ہے۔ اسی طرح ان علاقوں میں دین اسلام فقہ حنفی کی شکل میں مدون ہو کر آیا ہے۔ اور کوئی فقہ اس علاقے میں نہیں۔ لہذا یہاں فقہ حنفی کے انکار سے قرآن کا انکار لازم آئے گا۔ تو یہ غیر مقلدین حقیقت میں ایسے دوسروں سے دین و ایمان پر اٹھانا چاہتے ہیں۔

۵: آیا امام صاحب کی تقلید پر تمام امت متفق ہے؟

الجواب: شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ الباقہ میں فرمایا ہے کہ امت کے قابل اعتماد لوگوں کا

مذہب اربعہ کی تقلید کے جائز ہونے پر اجماع ہے (ص ۱۵۴)۔ یعنی مذہب اربعہ میں سے جس پر بھی عمل کریں اُس نے پورے دین پر عمل کیا اور دوسرے ائمہ بھی امام اعظمؒ کو اپنا پیر مانتے ہیں۔ البتہ غیر مقلدین کی کسی جماعت پر امت مسلمہ کا تو کیا غیر مقلدین کا بھی اجماع نہیں۔ ہر ایک دوسرے کو کافر تک کہتا ہے۔ اب غیر مقلد کو سوچنا چاہئے کہ بغیر اتفاق امت کے اور بغیر اُن کی جماعتوں کے قرآن و حدیث کلمہ طیبہ اور آمنت باللہ میں مذکور ہونے کے امت کے بالاتفاق ٹھکرادینے کے کیوں کسی جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح امام بخاریؒ کی کتاب پر پوری امت کا اتفاق نہیں۔ ابن ابی حاتم نے خطاً البخاری لکھی۔ دارقطنی نے سازھے چار سو کے قریب رجال بخاری پر جرح کی ہے۔ امام ترمذیؒ اور مسلمؒ نے بھی بعض شروط وغیرہ میں اُن کی مخالفت کی ہے۔ کیا اس اختلاف کی بنا پر بخاری شریف سے آپ دستبردار ہو جائیں گے۔

وسوسہ نمبر ۶، ۷: آیا امام صاحبؒ کے بارے قبر و حشر میں سوال ہوگا؟

الجواب: قبر اور حشر میں جس طرح فرشتوں اور قرآن پاک اور دوسری آسمانی کتابوں اور حضور اقدسؐ کے علاوہ دوسرے رسولوں اور خود قیامت کے بارہ میں اور اچھی بری تقدیر کے بارہ میں اور بعثت بعد الموت کے بارہ میں ختم نبوت کے بارہ صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے کے بارہ میں اور اصحاب صحابہ سے کے بارہ میں بھی سوال نہیں ہوگا، اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں بھی سوال نہیں ہوگا۔ اگر قبر اور حشر میں امام صاحبؒ کے بارہ میں سوال نہ ہونے کی وجہ سے اُن کا انکار ضروری سمجھا جاتا ہے تو پھر ذرا میدان میں آ کر تمام مذکورہ بالا چیزوں کا انکار کریں جن کا سوال قبر وغیرہ میں نہیں ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے اوصاف میں سے صرف صفت ربوبیت کا سوال ہوگا۔ من ربک۔ تو جناب باقی صفات کا انکار کریں۔ خدا تعالیٰ کے خالق کل جہاں ہونے کا سوال نہیں ہوگا۔ اس لئے آپ کھلم کھلا اعلان کریں کہ خدا خالق کل جہاں

کلیں ہے۔ ربوبیت کے بارہ میں بھی ربوبیت خاصہ کا سوال ہوگا۔ من ربک؟ تیرا رب من ہے؟ ربوبیت عامہ کا سوال نہیں ہوگا۔ اس لئے جناب سب غیر مقلدین کے ساتھ مل کر اعلان کریں کہ ہم کبھی خدا کو رب العالمین نہیں مانیں گے، سب غیر مقلدین اپنے آباؤ اجداد کا اس لئے کھلم کھلا انکار کریں کہ ان کا سوال نہ قبر میں ہونا ہے نہ حشر میں۔ اگر ایسے وسوسوں سے کسی سے فتنہ خفی چھڑوانی ہے تو اُس سے پہلے آپ کو مذکورہ بالا اشیاء کا انکار کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی آپ کو سوچنا ہوگا کہ لشکر طیبہ، جمعیت اہل حدیث، جماعت اہل حدیث، غرباء اہل حدیث، اہل حدیث، یکتہ فورس، تحریک محمدی، جماعت المسلمین وغیرہ، آپ کی جماعتوں کا ذکر نہ قرآن اور حدیث میں نہ کلمہ طیبہ اور آمنت باللہ میں اور نہ ان کا سوال قبر و حشر میں ہونا ہے۔ اس لئے ذرا اپنے وسوسوں کے مطابق غیر مقلدین سے ان تمام جماعتوں سے اظہار برأت کر لیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ اپنے اصولوں پر پہلے اپنیوں کو عمل کراتے ہیں، پھر دوسروں کو اور یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے لینے اور دینے کے ایک باٹ ہیں۔ اور یہ بات نہیں کہ اپنیوں کے لئے اور اصول ہوں اور دوسروں کے لئے اور اصول ہوں۔

وسوسہ نمبر ۸: امام صاحبؒ نے اپنی کس کتاب میں یہ کہا ہے کہ اے لوگو! میری تقلید کرو اور میری بات مانو؟

الجواب: یہ سوال بھی پہلے سوالات کی طرح لغو ہے اور قرآن و سنت کی روح کے خلاف ہے۔ نہ قرآن میں یہ حکم ہے، نہ حدیث میں اور نہ ہی عرف میں کہ کسی صفت کے ثبوت کے لئے صاحب صفت کا اپنا اقرار ضروری ہے۔ کیا آپ کے نزدیک صحابیؓ بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کہے انا صحابی۔ میں صحابی ہوں۔ خلیفہ راشد ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان سے کہے کہ میں خلیفہ راشد ہوں؟ کیا کاتب وحی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کہے میں کاتب وحی ہوں۔ کیا قاری عاصم کی قرآء کو ماننے کے لئے ضروری ہے کہ

اقدس ﷺ کا بھی یہ فرمان ہے کہ حکم شرعی کا استنباط کرنے والے سے اگر خطا واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور ایک اجر عطا فرماتے ہیں۔

مسو نمبر ۹: امام صاحب نے کئی کتابیں لکھی ہیں؟ ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے قرآن کی تفسیر یا حدیث کی شرح تفسیر میں کئی کتابیں لکھی ہیں؟ اگر وہ تو پوری وضاحت کے ساتھ لکھو؟
الجواب: یہ اعتراض منکرین حدیث سے غیر مقلدین نے لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر نبی اقدس ﷺ نے خود کوئی کتاب حدیث لکھی ہے تو ہم احادیث کو مانیں گے۔ اگر انہوں نے خود نہیں لکھی بلکہ تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں تو ہم ان کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ کیا یہ اللہ یا اللہ کے رسول کا حکم ہے کہ اگر جس نے کتاب لکھی ہو، اس کی اطاعت کرنا اور جس نے کتاب نہ لکھی ہو اس کی اطاعت نہ کرنا اگر قرآن و سنت میں کہیں یہ شرط نہیں تو آپ اپنی طرف سے یہ شرط لگا کر شرک کا دروازہ کیوں کھول رہے ہیں۔ اور کیا اگر آپ کی شرط دلچیز کر شیعہ میدان میں آجائیں کہ خلفائے ثلاثہ کی کتابیں حدیث یا تفسیر کی ہکھاؤ، ورنہ ان کی اطاعت چھوڑو، تو آپ اپنے اختراعی اصول پر کتنا ماتم کریں گے۔ اور اگر کوئی کہہ دے کہ آپ بخاری و دیگر کتب حدیث میں ان راویوں کی روایات لیں جنہوں نے حدیث یا تفسیر کی کتابیں لکھی ہوں اور جنہوں نے کتابیں نہیں لکھیں ان کی روایت حدیث کا اعتبار نہیں تو آپ یقیناً اپنے خانہ زاد اصول کو چھوڑیں گے نہ کہ کتب احادیث کو، اسی طرح دنیا نے کوئی ایسا بے وقوف نہیں دیکھا ہوگا جو یہ کہے کہ میں تو اس شخص کو بیچ مانوں گا جس نے قانون کی کوئی کتاب لکھی ہو، اور میں حکیم یا ڈاکٹر اس کو مانوں گا جس نے ڈاکٹری یا طب کی کتاب لکھی ہو۔ میں اس باورچی کی بچی ہوتی روئی کھاؤں گا جس نے کھانوں کی کتاب لکھی ہو۔ میں ہرگز اس علوانی کی مصافحہ نہیں کھاؤں گا جس نے مصافحوں پر کتاب نہ لکھی ہو۔ اس حجام سے حجامت نہیں ہواؤں گا کہ جس نے فن حجامت پر کتاب نہ لکھی ہو اور بجلی کا کام ہرگز اس شخص سے نہیں

کراؤں گا جس نے اس فن پر کتاب نہیں لکھی ہوگی۔ تمام غیر مقلدین اپنے اس اصول کو انتہائی فنون میں پہلے عام کریں تاکہ لوگ ان کو پاگل خانے میں داخل کروائیں اور شریعت کو یہ ان کے خانہ زاد اصولوں سے زخمی بلکہ شہید نہ ہو۔ خیر اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی اگر کوئی غیر مقلد اپنی اس بات پر اڑا رہے تو پھر سن لے کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے تمہیں السیوطیہ میں باب باندھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سب سے پہلے شریعت کو مدون کرنے والے ہیں۔ اور سب سے پہلے انہوں نے کتاب الشرائع اور کتاب الفرائض لکھی اور اس کے تحت لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے جوہر شریعت میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کی ہے (ص ۱۲۹)۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ نے موطا کی توہب میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کتب حدیث کے سب سے پہلے مدون ہیں۔ چنانچہ آج بھی ان کی سب سے پہلی حدیث کی کتاب، کتاب الآثار کے نام سے ملتی ہے۔ جس کی روایت آپ کے اور بہت سے شاگردوں کی طرح قاضی ابویوسف اور امام محمدؒ نے بھی کی ہے۔ اسی طرح علم عقائد میں سب سے پہلی کتاب امام ابوحنیفہؒ کی "فہم اکبر" ہے جو آج بھی ملتی ہے۔ اسی طرح امام اعظمؒ نے جو وقتاً فوقتاً اپنے شاگردوں کو وصیتیں کی ہیں وہ بھی آج کل وصایا کے نام سے ملتی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے کتاب الفرائض لکھی (شمیض السیوطیہ ص ۱۳۰) ابویسلمان جوڑ جانی فرماتے ہیں کہ مجھے احمد بن عبد اللہ قاضی بصرہ نے کہا کہ ہم علم شریعت کی بے سیرت اہل کوفہ سے زیادہ رکھنے والے ہیں۔ میں نے کہا علامہ کے لئے انصاف بہت عمدہ شے ہے۔ اس فن کو وضع ہی امام ابوحنیفہؒ نے کیا، تم نے اس فن میں کچھ کی زیادتی کی ہے اور اچھی عبارات سے اس کی تعمیر کی ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ سے قبل اپنی اور اہل کوفہ کی شریعت کو لا کر دکھاؤ۔ تو قاضی صاحب خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں بہ جسم ہمتا ہوں کہ حق کو تسلیم کر لینا زیادہ اچھا ہے۔ یہ نسبت ناحق جھگڑے کے (شمیض

الصحیحہ ص ۱۳۰) لیجئے آپ تو کتاب کو روٹتے تھے وہ تو فنون کے سوجد ہیں۔ حافظ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ شاگردوں کو مسائل لکھوایا کرتے تھے۔ اسی لئے ان کی کتب ابوحنیفہ ہوئی۔ کیونکہ حنیفہ عراقی زبان میں دوات کو کہتے ہیں۔ تو وہ تمام مسائل کتب امام بنی کہلائیں گے۔

دوسرے نمبر ۱۰: صحابہ کرام مقلد تھے یا غیر مقلد۔ اسی طرح تابعین، تبع تابعین اگر مقلد تھے تو انہ (اربع) میں سے کس مذہب کے مقلد تھے یا غیر مقلد تھے؟

الجواب: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرۃ العینین میں فرمایا ہے کہ صحابہ کرام دو گروہ تھے: مجتہد اور مقلد۔ اسی طرح شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے، اور ان میں سے ہر ایک، ایک ایک علاقے کا مقتدا بن گیا۔

(بیۃ اللہ بالاندلس ص ۱۳۶، ج ۱)

حدیث معاذ "میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مسئلہ قرآن و سنت میں نہ ملے؟ تو حضرت معاذ نے عرض کیا اجتہد بوالہی کہیں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا تو اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا اٹخ۔ تو اس حدیث سے پتہ چلا کہ حضرت معاذ "صوبہ یمن میں اپنے اجتہاد کی بنا پر بھی فیصلے کرتے رہے۔ مگر کوئی حدیث یا تاریخ سے ایک آدمی بھی پورے صوبہ یمن میں غیر مقلد ثابت نہیں کر سکتا جس نے کہا ہو کہ اے معاذ "! ہم قرآن و سنت کے فیصلے تو مانیں گے مگر آپ کی رائے کو نہیں مانیں گے، بلکہ سارا صوبہ یمن حضرت معاذ " کی تقلید شخصی کرتا رہا۔ باقی صحابہ کرام دوسرے مجتہد صحابہ کرام کی تقلید کرتے تھے۔ جو انہ کرام بعد میں ہوئے ان کی اقتداء کا اسی طرح سوال غلط ہے جیسے کوئی منکر قرآن کہے کہ صحابہ کرام نے قاری عاصم، ابن کثیر، عقی، تابع، مدنی، حمزہ، کسائی وغیرہ میں سے کسی کی قرآء پر قرآن نہیں پڑھا۔ لہذا میں بھی ان کی قرآء پر قرآن نہیں پڑھوں گا۔ تو قرآن سے ہاتھ دھو

لئے گا۔ اسی طرح کوئی منکر حدیث یہ کہے کہ صحابہ کرام نے نہ بخاری پر ہی نہ مسلم نہ ترمذی نہ ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ تو ہم بھی یہ نہیں پڑھیں گے، تو یہ غلط ہے۔ اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ صحابہ نے نہ حنفی تھے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی، لہذا ہم بھی ان کا انکار کرتے ہیں، غلط ہے۔ صحابہ کرام احادیث کو مانتے تھے، وہی بعد میں مرتب ہو گئیں۔ اسی طرح وہ فقہ کے فتاویٰ کو مانتے تھے، ائمہ کرام نے انہیں کو مرتب کر دیا، تو جیسے امام بخاری نے محنت کر کے جن احادیث کو مرتب کیا بخاری کی محنت کی وجہ سے ان کو بخاری کی طرف نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح فقہاء نے صحابہ کرام کے فتاویٰ کو جمع کیا تو ان کو اگر فقہ حنفی کہہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ باقی صحابہ کرام کا دوسرے صحابہ کرام کی تقلید کرنے کی بہت سی مثالیں ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابوموسیٰ الاشعری نے فرمایا کہ جب تک تمہارے درمیان عبداللہ بن مسعود ہیں، مجھ سے سوال نہ کیا کرو۔ (ص ۹۹، ج ۲)

اسی طرح قرۃ العینین میں ہے کہ نبی اقدس کے بعد جب خلافت کے مسئلہ پر کچھ منکر اہوا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ آخروقت میں حضور اکرم ﷺ نے ابوبکر کو مصلے کا امام بنا دیا تھا تو جب دین کا امام حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکر کو بنا دیا تو ہم دنیا کی امامت بھی ان کے سپرد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ حضرت عمر کا اجتہاد تھا، سب صحابہ کرام نے ان کی تقلید شخصی کی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام نے بالخصوص حضرت عمر نے حدیث سے استدلال کیا کہ کلمہ گو سے قتال ممنوع ہے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کر کے منکرین کو مرتد قرار دیا اور جہاد کا پختہ ارادہ فرمایا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ بالا قیاس میں) حضرت ابوبکر کا شرح صدر فرمایا ہے۔ تو میں نے جان لیا کہ یہ قتال حق ہے (بخاری ص ۱۰۸۲) اس اجتہاد صدیقی میں سب صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر کی تقلید شخصی کی، نیز جمع

قرآن کے لئے بھی حضرت عمرؓ کا شرح صدر ہوا۔ اور سارے صحابہ کرام نے آپ کی شرح قرآن میں تقلید کی۔ (بخاری ص ۷۳۵)

دوسرے نمبر ۱۱: پچھٹی صدی تک پوری امت کا کونسا مذہب تھا یا فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار شرح طحاوی جلد ۱ ص ۵۱ میں لکھا ہے کہ یہ سب علماء غیر مقلد تھے۔ تو آیا یہ سب گمراہ تھے؟

الجواب: سوال نمبر ۱۰ سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام کے زمانے میں تہلیل پائی جاتی تھی۔ قرآن پاک میں لستفہموا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم میں فقہاء کی طرف رجوع کا ذکر ہے۔ ولو ردہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ (آیہ ۱) میں بھی اہل استنباط کی طرف رجوع کا ذکر ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (آیہ ۱) میں بھی فقہاء کی اطاعت کا حکم ہے۔ واتبع سبیل من اناب الی اللہ کے بارے میں مذہب کی اتباع کا حکم ہے۔ فاستنزلوا اہل الذکر سے بھی تہلیل ثابت ہوتی ہے۔ اب طحاوی کا قول پیش کرنا تقلید ہے یا اثرانہ پہلی صورت میں پیش کرنے والے مشرک ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ ہے: الیٰ حدیث کے دو اصول۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ طحاوی کو خدا کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں یا رسول کی حیثیت سے۔ پہلی صورت میں شرک فی التوحید اور دوسری میں شرک فی الرسالت لازم آئے گا۔ اور اگر احناف کو الزام دینا ہے تو یاد رکھیں کہ الزام کا درجہ آخری ہوتا ہے، جب تحقیقی دلائل نہ ہوں۔ پھر الزام مقابل کے مسلمات سے دیا جاتا ہے۔ ہم امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں نہ کہ امام طحاوی کے اور فقہ حنفی کا مفتی یہ قول بطور الزام آپ پیش کر سکتے ہیں۔ شاذ اقوال اور غیر مفتی یہ سے الزام قاطع ہے۔ جب ہم امام ابوحنیفہ کی وجہ سے بڑے بڑے ائمہ یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کو چھوڑ چکے ہیں، جو یقیناً طحاوی سے بڑے ہیں، تو ایک مقلد کا قول آپ ہمارے سامنے کیسے پیش کر سکتے ہیں۔

دوسرے نمبر ۱۲: ایک شخص امام ابوحنیفہ، امام شافعی کے نام سے بالکل واقف نہیں اور نہ کسی ان کا نام سنا اور وہ قرآن وحدیث پر عامل ہے تو یہ بتائی ہے یا گمراہ دلیل سے جواب دو؟

الجواب: اپنے علاقے کے معروف عمل کو اختیار کرنا قرآن وسنت کے اعتبار سے ضروری ہے۔ یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر قرآن نے مومنوں کی علامت اور یامرون بالمنکر وینہون عن المعروف منافقوں کی علامت بتائی ہے۔ مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں بھی یہی ہے کہ غیر معروف حدیثوں کو پھیلانے سے قنہ اور گمراہی پھیلنے کی۔ آپ بھی ذرا بتائیں کہ اگر ایک آدمی امام بخاری، امام مسلم وغیرہ محدثین اور ان کی کتب سے ناواقف ہے اور صرف فقہ حنفی کے معروف عمل کے مطابق اپنی عبادت کرتا ہے تو وہ گنہگار ہو گا یا نہیں؟

دوسرے نمبر ۱۳: آیا ایک امام مثلاً امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے؟ اگر ہے تو انہوں نے کوئی آیت یا حدیث پیش کی ہے، جس میں فرمایا ہو کہ امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنا واجب ہے؟

الجواب: وجوب تقلید کے دلائل ماقبل میں گزر چکے کہ اہل استنباط اور فقہاء کی اتباع کی ہوتی ہے اور اتباع امت والی دلیل شرعی سے امام ابوحنیفہ کا فتیہ ہونا ثابت ہے۔ اس لئے ان کی تقلید کی جاتی ہے۔ کیا غیر مقلدین کی تمام جماعتوں اور صحاح ستہ وغیرہ والوں کے نام آپ قرآن وسنت سے مل گئے ہیں؟

دوسرے نمبر ۱۴-۱۵: کیا قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی وجوب کسی شے کا ثابت ہوتا ہے؟ اگر تقلید اتنی ضروری ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو کیوں نہ بیان کیا؟ اور اسی طرح رسول اللہ نے کن وجوہات کی بنا پر یہ اہم امر چھوڑ دیا ہے؟

الجواب: بخاری ومسلم وغیرہ کتب حدیث کے احرام کا وجوب قرآن وحدیث سے ثابت ہوا ہے یا کسی اور دلیل سے؟ تقلید کا قرآن وحدیث میں مذکور ہونا پہلے گزر چکا ہے۔

وسوسہ نمبر ۱۶: آیا نبی کے وصال پر ملال کے وقت دین الہی کامل تھا یا ناقص؟ اگر کامل تھا تو تقلید کی کیا ضرورت اور امام صاحب نے کس نقصان کو پورا کیا، اسے بیان کرو۔ اگر دین الہی ناقص جانتے ہو تو پھر آیت کریمہ: **اليوم اكملت لكم دينكم** الخ کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: اصول کے اعتبار سے قرآن پاک کامل ہے۔ اس میں تکمیل دین کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ احادیث اور فقہ میں فروعات ذکر کی گئی ہیں۔ جس طرح قراء سب سے قبل قرآن صحاح ستہ تکمیل دین کے منافی نہیں، اسی طرح فقہ بھی منافی نہیں۔ فقہ کے اندر جو مسائل ہوتے ہیں قرآن و سنت سے ہی ماخوذ ہوتے ہیں۔ اس لئے اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے: **القياس مظهر لا مثبت**۔ کہ قیاس کے ذریعے قرآن و سنت کی تہ میں چھپے ہوئے مسائل کو ظاہر کیا جاتا ہے نہ کہ اپنی طرف سے مسائل بنائے جاتے ہیں۔ جس طرح حساب ایک مکمل فن ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جمع و تفریق کے اصول کامل ہیں۔ مگر ہر شخص کے پیش آمدہ حساب کے سوالات کا حل حساب کی کتاب میں نہیں ہوتا۔ اگر خود حساب دان ہے تو اپنا مسئلہ خود حل کرے گا۔ ورنہ کسی جاننے والے سے حل کرائے گا۔ تو اس طرح ہر شخص کا اپنے جزوی سوالات کے جوابات معلوم کرنا تکمیل حساب کے منافی نہیں۔ اسی طرح فقہی جزئیات کا حل بھی تکمیل اصول دین کے منافی نہیں۔ اگر یہ بات ذہن میں نہیں ٹپکتی تو آپ ہی بتلائیں کہ کیا اللہ کے نبی ﷺ نے آخری وصیت میں صحاح ستہ قراء سب سے ماننے کا حکم دیا تھا اور ان کا ماننا تکمیل دین کے منافی تو نہیں؟

وسوسہ نمبر ۱۷: آیا قرآن وحدیث تمام عالم کے لئے بالعموم اور بالخصوص مسلمانان عالم کے حل کے لئے ناقص ہے؟

الجواب: جس طرح اللہ تعالیٰ نے اصول شفاء تمام جہان کے لئے کامل بنائے ہیں،

ان ماہرین بلا واسطہ خود ماہر ہونے کی وجہ سے دوا سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور جاہل اور اکثر کے واسطہ سے شفاء حاصل کرتے ہیں۔ اب کوئی کہے کہ یہ اصول مریضوں کے حق میں ناقص ہیں تو یہ غلط ہوگا۔ اسی طرح ائمہ کی اتباع سے دین پر عمل کرنے سے دین میں نقص کم نہیں آتا۔

وسوسہ نمبر ۱۸: آیا رسول اللہ نے ساری امت کو امام صاحب کے حوالے کیا ہے اور کیا بعض مسائل کی تکمیل ان کے لئے چھوڑی تھی؟

الجواب: جس طرح اللہ تعالیٰ نے امت کو سات قاریوں کے حوالہ نہیں کیا، مگر قرآن کا حکم دیا، اب قرآن اگر ہمیں قاری عاصم کوئی سے ملی تو ہم اس کو لے لیں گے۔ اسی طرح پورے اسلام میں داخل ہونے کا شرعی حکم ہے۔ وہ ہمیں امام ابوحنیفہ سے ملا تو لے لیا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تکمیل قاریوں پر اور نبی پاک ﷺ نے اپنی سنت کی تکمیل صحاح ستہ پر نہیں چھوڑی، اسی طرح تکمیل دین امام ابوحنیفہ پر نہیں چھوڑی مگر پورے دین پر عمل کرنے کی مسائل فرعیہ کے اعتبار سے یہ ایک صورت ہے، جس طرح قرآن سات قراءتوں کی صورت میں اور حدیث صحاح ستہ کی صورت میں دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، آپ ہی بتائیں کہ کیا خدا تعالیٰ نے سات قاریوں کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ بعض قرآن کی تکمیل ان قاریوں پر چھوڑ دی ہے۔ یا اللہ کے نبی نے امت کو بخاری وغیرہ کے سپرد کیا تھا کہ کچھ دین کی تکمیل میں بخاری پر چھوڑ رہا ہوں۔

وسوسہ نمبر ۱۹: آیا نبی ﷺ نے وقت وصال امام صاحب کی تقلید کا حکم کیا تھا یا قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی وصیت کی تھی؟ (انصاف آپ کے سپرد)

الجواب: فقہ قرآن و سنت کی کامل تعبیر ہے، اس کے منافی نہیں۔ اس پر عمل کرنے والا قرآن و سنت پر ہی عامل ہے۔ اور قرآن و سنت پر عمل کا حکم آپ ﷺ نے دیا ہے۔ کیا اللہ

کے نبی نے "بلوغ المرام" وغیرہ کا حکم دیا تھا اور صحاح ستہ کی وصیت کی تھی۔ (فما ہر
جو ابکم فہو جو ابنا)

وسوسہ نمبر ۳۰: قرب قیامت میں جب امام مہدیؑ ظاہر ہوں گے اور بیسی آسمانوں
سے اتریں گے تو یہ دونوں کون سے مذہب کے مقلد ہوں گے؟

الجواب: امام مہدیؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن سے قرآن اور صحاح ستہ پر جہیں گے ان سے
فقہ بھی پڑھ لیں گے۔ آپ بتائیں کہ قرآن اور حدیث وہ فرما اہل حدیث سے پڑھیں گے
بیعت اہل حدیث یا جماعت اہل حدیث یا لہذا لہذا یا تحریک مجاہدین سے؟ وہ دنیا میں آکر
خود مجتہد ہوں گے۔ مجتہد کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں ہوتی، البتہ بعض اہل کشف کا قول ہے کہ
ان کا اجتہاد امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کے موافق ہوگا، واللہ اعلم۔

وسوسہ نمبر ۳۱: امام صاحب کے دو شاگردوں (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) نے اپنے
استاد کے مذہب کے دو حصوں کی مخالفت کی ہے۔ تو آیا وہ ان کی مخالفت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے؟
الجواب: معلوم نہیں یہ قول شاذ آپ نے فقہ حنفی کے متواتر مسائل کے مقابلہ میں کس
دلیل سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ متواتر قرآنوں کے مقابلہ میں قرآنہ شاذ بھی مترک ہوتی
ہے۔ کیونکہ اس قول شاذ کا تقاضا تو یہ ہے کہ فقہ حنفی میں ہر دو اختلافی مسئلوں کے بعد تیسرا
مسئلہ اتفاق آئے گا۔ آپ فقہ کی کسی کتاب کو کھول لیں، آپ پر نصف النہار کے سورج کی
طرح اس کا جھوٹ واضح ہو جائے گا۔ متاخرین کی کتب میں سے اس وقت عالمگیری کا ص ۳۰
میرے سامنے ہے۔ اس میں پچیس مسائل مذکور ہیں۔ صرف ایک مسئلہ میں قاضی صاحب
کے اختلاف کا اشارہ لگتا ہے۔ جبکہ آپ کے بقول ۱۳ مسائل اختلافی ہونے تھے۔ اسی طرح
کتب حنفیہ میں سے اس وقت امام محمدؒ کی کتاب الآثار بندہ کے سامنے ہے، جس میں
امام محمدؒ نے دو سو چھیالیس مسائل کے ابواب باندھے ہیں۔ اور صرف پچیس مسائل میں امام

صاحب سے مخالفت ذکر کی ہے۔ اگر آپ کے بقول دو تہائی میں مخالفت ہوتی تو کم از کم ایک
سوتوے مسائل میں مخالفت ہونی چاہئے تھی۔ پھر مخالفت کی نسبت نقل کرنے والوں کے
اقوال بھی مختلف ہیں۔ علامہ شامی نے ثلث کا قول ذکر کیا ہے اور پھر صاحب درمختار کا قول ذکر
کیا ہے کہ امام صاحب کا ہر شاگرد آپ ہی کی روایت کو لے کر اس کو دلیل سے ترجیح دیتا تھا۔
پھر علامہ شامی فرماتے ہیں: یعنی امام صاحب کے شاگردوں میں سے کسی کا کوئی قول امام
صاحب کے اقوال سے خارج نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ولوالجیہ کی کتاب البنیات میں ہے کہ
قاضی ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے کوئی قول ایسا نہیں کیا جس میں امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت
ہو، مگر یہ بھی وہی قول ہے جس کے امام صاحب قائل رہے ہیں۔ اسی طرح کا قول امام زفر نقل
کر کے فرماتے ہیں: فہذا اشارة الى انہم ما سلکوا طریق الخلاف (یعنی یہ اشارہ
ہے کہ امام صاحب کے شاگرد، امام صاحب سے اختلاف کے راستہ پر نہیں چلے ہیں)

(شامی ج ۱ ص ۳۷)
یہی بات علامہ شامی نے رسم الحقی میں ذکر کی ہے۔ پھر ان کا اختلاف بھی صرف
فروع میں ذکر کیا گیا ہے۔ اصول میں بالکل کسی نے اختلاف نقل نہیں کیا اس کو تسلیم کرنے کی
صورت میں بھی یہ مجتہد فی المسائل ہوں گے۔ اور مجتہد پر دوسری مجتہد کی تقلید ضروری نہیں
ہوتی۔ آپ کا یہ اعتراض بالکل ایسا ہے جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں۔ عورتوں کے مسجد
میں آنے کے مسئلہ میں حضور اکرم ﷺ کے شاگردوں نے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
مخالفت کی ہے۔ ہم ان کو بھی سمجھاتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے خود تسلیم کر لیا تھا کہ اگر آج خود
نبی اقدس ﷺ ہوتے تو یہ پابندی لگا دیتے، کیونکہ پہلے جیسے حالات نہیں رہے۔ تو معلوم ہوا
کہ حضرت عمرؓ کی سختی مزاج نبویؐ کے مطابق تھی۔ اسی طرح امام صاحب کے شاگردوں نے
حالات کے بدلنے سے امام صاحب کے ہی کسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ ان کی
مخالفت نہیں موافقت ہے۔

وسوسہ نمبر ۲۲: آیا وہ لوگ جو قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں، بے ادب ہیں یا نہیں، یا وہ لوگ جو پوری امت میں سے ایک عالم کے پیچھے چلتے ہیں، اور دوسرے علماء کو تویل گردانتے ہیں اور اس کی بات پر اعتبار نہیں کرتے اور ہر مسئلہ میں ان کی خطا کی طرف تیسرے کرتے ہیں۔ مقلدین حضرات امام صاحب کی تمام باتیں مانتے ہیں یا کچھ مانتے ہیں، یا کچھ نہیں۔ اگر تمام مانتے ہیں تو ان کے فرامین میں سے منجملہ یہ بات بھی ہے کہ حرام علی من لم یعرف دلیلہ۔ ان یفتی بکلامی رفی رواۃ لا یحل لاحد ان یأخذ بقولنا ما لم یعلم من ابن احنبلنا (میزان للشعرانی ج ۱ ص ۵۵) اب حضرات مقلدین خود سوچیں کہ آیا وہ امام صاحب کی اس بات پر عمل کرتے ہیں کہ نہیں؟ یا امام صاحب کی تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں، اور متاخرین کی بات مانتے ہیں؟

الجواب: اس سوال کا مدار اس مفاظ پر ہے کہ مقلد قرآن وحدیث کو نہیں مانتے اور غیر مقلد قرآن وحدیث کو مانتے ہیں۔ تو جو ایسا عرض ہے کہ ہم قرآن وسنت، اجماع، قیاس، چاروں دلیلوں کو مانتے ہیں۔ اور غیر مقلد قرآن وسنت کا نام لیتے ہیں مگر ان میں سے اجماع اور قیاس والی آیات اور احادیث کو نہیں مانتے۔ ان میں بھی اصل میں ان کی توجہ نفس کا دخل ہوتا ہے۔ چند اختلافی احادیث کو لے کر امت میں فتنہ برپا کرتے ہیں۔ ہم قرآن وسنت پر فقہاء کی فتاویٰ کی روشنی میں چلتے ہیں۔ علماء کی توہین کوفتنہ میں قریب یہ کفر کہا گیا ہے۔ البتہ غیر مقلد تمام ائمہ سے استہزاء تک کرتے ہیں۔ ان کی تقریریں اور تحریریں بلکہ یہی سوالات کا انداز بھی اس پر شاہ عدل ہے۔ امام صاحب نے اپنے فردغ میں اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والوں کو یہ کہا تھا کہ حرام علی.... الخ اور لا یحل لاحد جائش آدمی کو یہ نہیں کہا تھا بلکہ عوام کے لئے ان کا وجوب تقلید کا قول کفارہ کے حوالہ سے پیچھے گزر چکا ہے۔ (فتاویٰ والذوالعلم بالصواب)

چند شبہات کے جوابات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد:

چند دن ہوئے ایک طالب علم جو کسی مسجد میں امامت کرواتے ہیں چار صفحات پر فقہ کے چند حوالہ جات لے کر آئے اور بتایا کہ غیر مقلدین نے یہ اوراق ہمارے نمائندوں میں تقسیم کئے ہیں، جس کی وجہ سے ہمارے حنفی دوست پریشان ہیں کہ غیر مقلدین کا مسلک فقہ حنفی کی کتب سے ثابت ہے اور غیر مقلدین بھی ان فقہی حوالوں سے اپنی تائید ظاہر کر کے اپنے حق پر ہونے کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ بندہ نے ان اوراق کو دیکھا تو مسائل کے اڑبیس ۳۸ نمبر دیئے تھے اور شروع میں لکھا تھا کہ مختلف مسائل دینیہ میں حدیث کی تائید فقہ حنفی کی روشنی میں اور آخر میں لکھا تھا: بانور ذھبیۃ الفقہ، تالیف محمد یوسف بے پوری۔ ان اڑبیس نمبروں میں سے آخری پانچ نمبروں میں صرف امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات ذکر کی ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان پانچ محدثین کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات سے کن حدیثوں کی تائید ہوتی ہے۔ اگر ان حدیثوں کو محمد یوسف بے پوری یا ان کی تقلید شخصی کرنے والا آدمی تحریر کر دیتا تو دعویٰ مدلل ہو جاتا۔

واضح رہے کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ہم قرآن وسنت کے علاوہ کسی امتی کے قول کو حجت نہیں سمجھتے، کیونکہ امتیوں کے اقوال کو ماننا شرک فی الرسالہ ہے۔ مگر محمد یوسف بے پوری نے اور اس کی تقلید شخصی میں بیٹے الفرقان والوں نے مذکورہ مسائل کوفتنہ حنفی سے چرمانے کی کوشش کی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس سے آپ شرک فی الرسالہ کے مرتکب

تو نہیں ہوئے؟ اگر آپ اس کو ہم پر الزام کے طور پر پیش کرتے ہیں تو الزام مجاہدات میں ہوتے ہیں جو اکثر اہل باطل کا شیوہ ہے اور اس سے تحقیق حق متصور نہیں ہوتی۔ پھر الزام کے لئے مسلمات محکم کا تذکرہ ضروری ہے اس لئے جب تک مذکورہ مسائل کا مفتی یہ ہوتا ثابت نہ کریں الزام درست نہیں ہو سکتا اور اس میں یوسف بے پوری اور اس کے مقلد بیت الفرقان والے سو فیصد ناکام رہے ہیں کیونکہ کسی ایک مسئلہ کا بھی مفتی یہ ہونا ثابت نہیں کیا۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے منکرین حدیث منکر شاذ، معلل، ضعیف، موضوع احادیث کو الزامی طور پر پیش کریں تو غیر مقلدین بھی کہیں گے کہ یہ ہمارے مسلمات کے خلاف ہے۔ لہذا اس سے ہم کو الزام دینا درست نہیں یا کوئی منکر قرآن شاذ قرأت کو الزامی طور پر پیش کرے تو وہ الزام درست نہیں۔ اسی طرح ان مسائل کے متعلق مسائل کی تعداد کے مطابق آیات یا احادیث پیش کرنا ضروری تھا تاکہ پتہ چل جائے کہ ان آیات و احادیث سے غیر مقلدین کا مسلک ثابت ہے۔۔۔ پھر احادیث کے بارہ میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ احادیث کس درجہ کی ہیں؟ صحیح لذات یا حسن لذات، صحیح لغیرہ یا حسن لغیرہ ہیں اور ان احادیث کے مقابلہ میں کوئی آیات یا ایسی احادیث نہیں جو ان احادیث کے ہم پلہ یا اس سے اعلیٰ ہو۔ نیز وہ حدیث خیر القرون میں متروک العمل بھی نہ ہو۔ اور متواتر عمل کے خلاف بھی نہ ہو۔ لیکن نہ تو محمد یوسف بے پوری نے ان چیزوں کے بیان کرنا الزام کیا ہے نہ بیت الفرقان والوں نے، بلکہ کتب فقہ کے حوالوں کے نقل کرنے میں بھی انتہائی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے چنانچہ ان مسائل کو حسب الترتیب ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱: (۱) عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہوتا ہے (در مختار ج ۱ ص ۱۶، ہدایہ ج ۱ ص ۲۵، منیہ ص ۶۸)۔ یہ حوالہ حقیقۃً الفقہ سے نقل کیا ہے اور حقیقۃً الفقہ میں پہلے بریکٹ میں مذہب صاحبین پھر بین القوسین مطابق حدیث لکھا تھا اس کو نقل نہیں کیا۔ کیونکہ

اس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ امام صاحب کا یہ مسلک نہیں ہے، پھر در مختار کی عبارت و وقت العصر عند الی قبیل الغروب میں منہ کی تفسیر کا مرجع مشکین ہے۔ جیسا کہ شامی نے ذکر کیا، تو در مختار کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ عصر کا وقت سائے کے دو مثل تک پہنچنے سے غروب سے تھوڑی دیر پہلے تک ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ در مختار کی طرف مثل اول سے عصر کے اول وقت کی نسبت سو فیصد جھوٹ ہے جو بیت الفرقان والوں نے محمد یوسف بے پوری کی اندھی تقلید میں تحریر کر دیا ہے۔ پھر ظہر کے آخر وقت میں کچھ در مختار میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی تھی مگر شامی نے اسکی اس طرح تردید کر دی ہے کہ "اولاں دونوں طرف برابر ہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا ضعف ظاہر نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کے دلائل بھی قوی ہیں جیسا کہ مطولات اور منیہ کی شرح کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

بجز الرائق میں کہا ہے کہ امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول کی طرف رجوع بغیر کسی ضرورت کے نہیں کیا جائے گا مثلاً امام صاحب کی دلیل کا ضعف ہونا یا ان کے خلاف تعامل کا پایا جانا جیسے مزارعت کے مسئلہ میں اگرچہ مشائخ اس بات کی تصریح بھی کر دیں کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ اس مقام میں ہے ۱۲ شامی ص ۳۵۹ ج ۱ بلکہ اس مسئلہ میں علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ اگر مشکین تک تفسیر میں جماعت چھوٹنے کا خطرہ ہو تو جماعت کو چھوڑنا اولیٰ ہے (ایضاً ص ۳۵۹ ج ۱) پھر ہدایہ کا حوالہ نقل کرنے میں بھی گڑبڑ کی ہے کیونکہ عصر کے اول وقت کے بارہ میں فرمایا کہ "عصر کا اول وقت دونوں قوموں کے مطابق جب ظہر کا وقت خارج ہو جائے۔" معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ نے پہلے دو قول نقل کئے ہیں اور وہ وہی امام صاحب اور صاحبین والے قول ہیں۔ پھر صاحب ہدایہ کا طریقہ یہ ہے کہ قول راجح کو پہلے اور قول مرجوح کو بعد میں ذکر کرتے ہیں اور ذکر اولیٰ کے وقت قول مرجوح کی دلیل کو پہلے اور قول راجح کی دلیل کو بعد میں لکھتے ہیں جیسا کہ مولانا

عبداللہ صاحب نے مقدمہ میں تحریر کیا ہے۔ تو اب اس اصول کے مطابق صاحب ہدایہ نے دو مثل کے قول کو نقلاً مقدم اور استدلالاً مؤخر کر کے اس کے رائج اور مثل اول کے قول کے مرجوح ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر امام ابوحنیفہ کے استدلال میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے والی روایت بھی ذکر فرمائی اور فرمایا کہ ایک مثل ظہر کا یعنی وقت ہے اور دوسری مثل میں ظہر کے وقت ختم ہونے کا شک ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ مثل ثانی ظہر کا وقت ہے نہ کہ عصر کا۔ پھر صاحب فتح القدیر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ صاحبین کے مستدل حدیث جبریل کے جو حدیث بھی اوقات کے بارہ میں متعارض ہوگی اس کو حدیث جبریل کے لئے ناخ قرار دے کر معتبر مانا جائے گا۔ کیونکہ حدیث جبریل احادیث اوقات میں سب سے مقدم ہے۔ اور باقی احادیث مؤخر ہیں۔ اب چوتھا مارکیٹ والے غیر مقلد حمیوسف کے وکیل صفائی بن کر ہمیں یہ سمجھا دیں کہ ہدایہ کا ایک قول مرجوح نقل کرنا اور رائج کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا یہ خدا یا خدا کے رسول ﷺ کے حکم سے کیا ہے؟ پھر یہ بھی حکم خدائی یا فرمان مصطفائی تھا کہ مشلین والے قول کی حدیث نقل نہ کرنا۔

اسی طرح مدیہ السسلی سے بھی امام صاحب کے رائج قول کو ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی علمی ہدایاتی ہے جس کے بغیر غیر مقلدین کا مذہب قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ پھر فقیر نے شرح منیہ میں مشائخ احناف کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ عصر کو مشلین کے بعد اور ظہر کو مثل اول میں ادا کر لیا جائے تاکہ دونوں نمازیں بالاتفاق درست ہوں۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک بھی مشلین کے بعد عصر کا وقت رہتا ہے۔ چنانچہ نواب نور الحسن متوفی ۱۳۳۶ھ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سورج کے زور نہ ہونے تک عصر کا وقت بیان کیا ہے (عرف الجادی ص ۱۸) اور وحید الزمان نے یہ وقت عصر بلا کراہت اور اس کے بعد غروب تک کراہت وقت عصر کو کہا ہے۔ (کنز الحقائق ص ۱۷) نزل الابرار میں بھی یہی وقت لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ عصر کا

بندیدہ وقت دو مثل تک ہے (نزل الابرار ص ۵۶ ج ۱)۔۔۔۔۔ اقتدار احمد سہبانی غیر مقلد نے بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عصر کا وقت ظہر کے بعد سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے (صلوۃ الرسول ص ۱۰)۔۔۔۔۔ حکیم صادق سیالکوٹی متوفی ۱۹۸۶ء نے لکھا ہے: "اور وقت عصر کا ہے جب تک کہ نہ ہو آفتاب زور۔" (صلوۃ الرسول ص ۱۳۳)۔۔۔۔۔ مولوی محمد یونس دہلوی غیر مقلد فرماتے ہیں: "عصر کی نماز میں یہاں تک تاخیر کی کہ نماز عصر کے پڑھنے کے بعد کوئی کہتا تھا کہ آفتاب زور پڑ گیا۔ (وستورائلی ص ۸۰)۔۔۔۔۔ مفتی عبدالرحمن بھی لکھتے ہیں کہ عصر کا وقت زروئی آفتاب سے ماقبل تک ہوگا (صلوۃ الرسول ص ۳۶)۔ ائمہ شیعہ الرحمن زید نقل فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نماز عصر پڑھتے تھے اور آفتاب بلند (زروی کے بغیر روشن) ہوتا تھا الخ (نماز نبوی ص ۹۹)

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ سورج کے زور ہونے سے پہلے غیر مقلدین کے ہاں نماز بلا کراہت جائز ہے، آؤ دو مثل سایہ کے بعد سورج کے زور ہونے سے پہلے جس وقت تمام احناف کی مساجد میں عصر ہوتی ہے یہ وقت بالاتفاق صحیح ہے۔ مگر غیر مقلد اس امت کے اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اختلافی وقت میں اذان اور نماز پڑھنے کو کارثواب سمجھتے ہیں، بلکہ مرد و سنت کو زندہ کرنا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے اشتکار سے امت کو بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

لطیفہ: بورت وال شہر میں بعض سرکاری آدمیوں نے یہ کوشش کی کہ اذانوں اور نمازوں کے اوقات اس طرح متعین کر دیئے جائیں کہ ایک ہی وقت میں تمام مساجد میں اذان اور جماعت ہو تاکہ سرکاری طور پر بازار بند ہو جائے اور سب بازار والے مسجد میں جا کر نماز پڑھیں۔ غیر مقلدین نے باقی نمازوں میں تو اس تجویز کو قبول کیا مگر عصر کے بارہ میں قبول کرنے سے انکار کیا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب حنفی صاحب مدظلہ نے وائل سے جاہرت کیا

کہ ہمارا وقت اتفاقی ہے اور آپ کا اختلاfi۔ ہمارے وقت میں آپ کی نماز بلا کراہت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو تسلیم کرنے میں امت کی شیرازہ بندی ہے، مگر جس فرقہ کی بنیاد ہی امت میں انتشار پیدا کرنے کے لئے ہے، ان کو یہ تجویز بالکل پسند نہ آئی۔

مستدلات امام اعظم ابوحنیفہؒ:

(نوٹ) واضح ہو کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مستدلات آیات و احادیث کافی ہیں، ان میں سے بعض کا ذکر کرتا ہوں۔ (۱) حافظ ابو بکر احمد بن علی البصاص متوفی ۳۰۷ھ فرماتے ہیں کہ مشتمین کے قول پر اللہ تعالیٰ کے قول اقم الصلوٰۃ طرفی النہار سے استدلال کیا جاتا ہے، کیونکہ نماز جتنی وقت غروب کے قریب ہوگی وہ طرف نہار کے اطلاق کے زیادہ مناسب ہوگی۔ (۲) اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ وقت نماز غروب آفتاب تک ہے، تو مشتمین بہ نسبت مثل اول غروب آفتاب کے قریب ہے۔ (۳) حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا: تمہارا مقررہ وقت بہ نسبت ان لوگوں کے وقت کے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں ایسے ہے جیسے عصر سے سورج کے غروب ہونے تک ہے اور تمہاری مثال اور تم سے پہلے دو کتاب والوں (یہود و نصاریٰ) کی مثال مثل اس شخص کے ہے جس نے مزدور مزدوری پر لئے۔ تو اس نے کہا کہ کون ہے جو میرے لئے صبح سے دوپہر تک کام ایک قیراط پر کرے تو یہودیوں نے عمل کیا۔ پھر اس نے کہا کون میرے لئے دوپہر سے عصر تک ایک قیراط پر عمل کرے گا۔ تو عیسائیوں نے عمل کیا۔ پھر اس شخص نے کہا کہ کون میرے لئے عصر اور مغرب کے درمیان دو قیراط پر عمل کرے گا، تو تم نے عمل کیا تو یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے کہ ہمارا کام زیادہ اور مزدوری کم ہے تو اس شخص نے کہا کہ میں نے تمہاری مقررہ اجرت سے کوئی کمی کی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ یہ میرا فضل ہے جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ اس حدیث پاک میں عصر سے مغرب تک کے عمل کو زوال سے عصر تک کے

مثل سے قلیل کہا گیا ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ عصر مشتمین کے بعد شروع ہو۔ اگر ایک مثل سے شروع ہو تو زوال سے عصر تک کا وقت قلیل ہوگا (احکام القرآن ص ۲۶۹)۔ (۴) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے (بخاری ص ۷۷)۔ (۵) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے (بخاری ص ۷۶)۔ (۶) انہیں الفاظ سے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بھی ہے (بخاری ص ۷۶)۔ (۷) حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے مؤذن نے ظہر کی اذان کا ارادہ فرمایا تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کر، یا فرمایا انتظار کر، انتظار کر اور فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے۔ پس جب سخت گرمی ہو تو نماز مؤخر کر کے ٹھنڈی کرو۔ حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا (بخاری ص ۷۶) اور دوسری روایت میں ہے کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا (بخاری ص ۸۸)۔ (۸) حضرت صفوانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اقدس ﷺ کو سنا فرماتے تھے۔ ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے (ابن ابی شیبہ ص ۳۵۹ ج ۱)۔ (۹) ابو بکر بن ابوسوی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد بھی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم دیتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۳۵۹ ج ۱)۔ (۱۰) یزید بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ حضرت ابوحنظلہؓ نے مکہ میں ظہر کی اذان کہی تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ اے ابوحنظلہؓ! کیا یہ تیری آواز ہے جو میں نے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں، میں نے آپ کو سنانے کے لئے یہ آواز محفوظ کی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا اے ابوحنظلہؓ! تو سخت گرم زمین میں ہے۔ پس نماز کو ٹھنڈا کر اور خوب ٹھنڈا کر (ابن ابی شیبہ ص ۳۵۹ ج ۱)۔ (۱۱) عبداللہ بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ بھی ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۳۵۹ ج ۱)۔ (۱۲) حضرت قیس فرماتے ہیں کہ عمومی طور پر یہ بات کہی جاتی تھی کہ ظہر کو

خضدا کرو، کیونکہ جہنم کے دروازے کھل جاتے ہیں (ابن ابی شیبہ ص ۵۹، ج ۱)۔
 (۱۳) حضرت منذر بھی حضرت عمرؓ کے ظہر کو خضدا کرنے کا حکم نقل فرماتے ہیں (ابن ابی شیبہ
 ص ۵۹، ج ۱)۔ (۱۴) حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نماز کو خضدا کر کے
 پڑھنے کا حکم دیتے تھے (مصنف عبدالرزاق ص ۵۳۲، ج ۱)۔ (۱۵) ابن سیرین فرماتے ہیں
 مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ظہر کو خضدا کرو، کیونکہ گرمی کی سختی جہنم کے جوش
 سے ہے (عبدالرزاق ص ۵۳۲، ج ۱)۔ (۱۶) حضرت طاؤس فرماتے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا
 گرمی میں ظہر کو خضدا کرو۔ (عبدالرزاق ص ۵۳۳، ج ۱)

ان روایات سے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا استدلال اس طرح ہے کہ موسم
 گرمی میں ایک مثل کے بعد خضدا ہوتی ہے۔ نیز صلوان کی وجہ سے ٹیلوں کا سایہ عام طور پر
 اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب دوسری چیزوں کا سایہ تقریباً ایک مثل ہو جاتا ہے۔ تو جب نیلا کا
 سایہ ایک مثل ہوگا تو دوسری اشیاء کا سایہ دو مثل کے قریب ہوگا۔ تو جب اس میں ظہر پڑھی تو
 عصر لاحق اس کے بعد ہوگی۔

دوسرا مسئلہ شرح وقایہ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ صحیح حدیث سے اذان کے
 کلمے دو دو بار اور تکبیر کے ایک ایک بار (شرح وقایہ ص ۸۰)

الجواب: یہ مسئلہ بھی محمد یوسف جے پوری کی اندھی تقلید میں لکھا گیا ہے، جس کا اصل
 جواب تو مولانا علی کا ذمہ ہے، کیونکہ شرح وقایہ میں یہ مسئلہ بالکل نہیں اگر کوئی غیر مقلد
 جرات کر کے شرح وقایہ کی عربی عبارت پیش کرے اس کو منہ مانگا انعام دیا جائیگا بلکہ واقعہ یہ
 ہے کہ شرح وقایہ میں اس کی تردید ہے چنانچہ شرح وقایہ میں ہے "ہلا لحن و ترجیع" کہ
 اذان بغیر حن اور ترجیع کے کہی جائے گی یعنی شہادتین کو دو بار (ایک مرتبہ آہستہ اور ایک مرتبہ
 بلند آواز سے) نہیں کہا جائیگا۔ (ص ۱۵۲)، اور آگے لکھا ہے والا قامة مثلہ کہ اقامت
 اذان کی مثل ہے اور ساتھ ہی امام شافعیؒ کی اکبری اقامت کی تردید کی ہے (ص ۱۵۳)۔ تو

ایک ہی سانس میں اس قدر سبوت بلانا موجودہ دور کے غیر مقلدین کا حوصلہ ہے، اللہ تعالیٰ
 ان کو ہدایت عطا فرمائے۔

اسل مسئلہ کلمات اقامت:

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے درج ذیل احادیث سے یہ مسئلہ لیا ہے۔ (۱) حدیث عبد اللہ
 بن زید و اقام مشی کہ فرشتے کو دوہری اقامت کہتے دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
 کی تصویب فرمائی اور حضرت بلالؓ کو اذان و اقامت کہنے کا حکم دیا تو آپ نے دوہری
 اقامت کہی (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۱، ج ۱، ص ۲۳۲، ج ۱، ابو داؤد ص ۵۳) (۲) حلیفہ
 راشد حضرت عمرؓ نے مذکورہ بالا خواب کی مثل خواب دیکھا یعنی فرشتے کی دوہری اقامت تھی
 (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳، ج ۱، مصنف عبدالرزاق ص ۳۶۲، ج ۱) (۳) حضرت ابو محمد ورجہؓ کو جو
 طوونبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت سکھائی وہ سترہ کلمے تھے یعنی دوہری اقامت (ابن
 ابی شیبہ ص ۲۳۱، ج ۱، ابن ماجہ ص ۵۲) (۴) ربیع بن قیس فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے
 تھے کہ اذان اور اقامت دوہری ہے اور حضرت علیؓ ایک ایسے مؤذن کے پاس آئے جو اکبری
 اقامت کہتا تھا تو آپ نے فرمایا تیری ماں مر جائے تو نے اس کو دوہرا کیوں نہیں کہا (ابن ابی
 شیبہ ص ۲۳۳، ج ۱) (۵) حضرت سلمہ بن الاکوع بھی دوہری اقامت کہتے تھے (ابن ابی شیبہ
 ص ۲۳۳، ج ۱) (۶) حضرت ابو العالیہ بھی فرماتے تھے کہ جب تو اقامت کہے تو اس کو دوہرا
 کہہ (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳، ج ۱)۔ (۷) ابراہیم نخعی فرماتے تھے کہ دوہری اقامت کہنا مت
 پہنچو (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳، ج ۱)۔ (۸) حجاج بن ارطاة سے ہے کہ ابو اسحاق نے کہا کہ
 حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تمام شاگردوہری اذان اور دوہری اقامت کہتے
 تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳، ج ۱)۔ (۹) حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضرت بلالؓ دوہری
 اذان اور دوہری اقامت کہتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳، ج ۱)۔ (۱۰) محدث عبد الرزاق

فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو منیٰ میں اذان کہتے سنا۔ اور اقامت بھی مثل پہلی حدیث کے الفاظ کے پوری کہی (مصنف عبد الرزاق ص ۳۶۲ ج ۱)۔ (۱۱) اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ دوہری اذان اور دوہری اقامت کہتے تھے (الح)۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۳۶۲ ج ۱)۔ (۱۲) مسلم اہلبین فرماتے تھے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت علیؓ کے مؤذن کی اذان سنی تھی کہ وہ اقامت دوہری کہتا تھا۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۳۶۳ ج ۱)۔ (۱۳) فطر فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد کے سامنے اکہری اقامت کا بیان ہوا تو آپ نے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جس کو امراء نے ہٹا کر لیا ہے، ورنہ اقامت تو دوہری دوہری ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۳۶۳ ج ۱)۔ (۱۴) عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ ہم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن زید الانصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے خواب میں ایک آدمی کو جو ایک ٹوٹی دیوار پر کھڑا تھا تو اس نے دوہری اذان اور دوہری اقامت کہی۔ (تہذیب ص ۳۲۰ ج ۱)۔ (۱۵) امام صفیٰ حضرت عبد اللہ بن زید انصاری سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان کو سنا تو آپ کی اذان اور اقامت دوہری تھی، (الجبہ النقی مع البہقی ص ۳۲۳ ج ۱)۔ (۱۶)

ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوہری اذان اور دوہری اقامت کہتے تھے۔ (الجبہ النقی مع البہقی ص ۳۲۳ ج ۱)۔ (۱۷) حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ دوہری اذان اور اقامت کہتے تھے، (الجبہ النقی ص ۳۲۳)۔ (۱۸) امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کا دوہری اقامت پر قائم رہنا متواتر آثار سے ثابت ہے۔ امام محووفی نے قیاس صحیح سے بھی اس کی تاکید کی ہے کہ اذان میں جو کلمے دو بار آتے ہیں تو دوبارہ پہلے سے نصف ہوتے ہیں تو ہم نے اقامت کے

اذان کی کلمات اللہ اکبر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کو دیکھا کہ یہ اقامت کے کلمات اذان کی مثل ہیں۔ معلوم ہوا کہ باقی کلمات بھی اذان کی مثل ہوں گے۔

ان دلائل کو ذرا ایک نظر پر ملاحظہ کریں کہ دوہری اقامت فرشتے سے حضرت عبد اللہ نے سنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ اقامت حضرت بلالؓ نے کہی حضرت عمرؓ نے یہی اقامت خواب میں دیکھی، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اس کو ترک کرنے والے کیلئے بدعا دیتے ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ امراء نے دوہری اقامت میں تخفیف کی ہے۔ معلوم ہوا کہ خیر القرون میں معروف دوہری اقامت تھی بالخصوص ان علاقوں میں تو جب سے زمین آیا ہے فقہ حنفی ہی متواتر العمل ہے تو اس متواتر العمل کے خلاف منکر عمل کو رواج دینا فتنہ اور گمراہی کا سبب ہے۔

اکہری اقامت:

واضح ہوا کہ ہم نے اکہری اقامت والی روایات پر بھی اس طرح عمل کیا ہے کہ طرقات تو اکہری تھیں، ہوں البتہ سانس پہ نسبت اذان کے اکہری ہوں یعنی اذان میں مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر پر دو سانس لے گا مگر تکبیر میں یہاں تک ایک سانس سے لے گا اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ پر اذان میں دو سانس اور تکبیر میں ایک سانس لے گا۔ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ پر اذان میں دو سانس اور اقامت میں ایک سانس ہوگا اسی طرح حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ پر اذان میں دو اور اقامت میں ایک سانس ہوگا علی حد القیاس اکہری اقامت میں اکہری سانس مراد ہوں گے۔ شارح بخاری حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقہ نے اکہری اقامت والی روایت کا یہ مفہوم بیان فرمایا ہے کہ اقامت میں اقامت سے مراد خاص وہ فجر کی اقامت ہے جس سے پہلے حضرت بلالؓ اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کی دوہری

اور حجر کی اذانیں تھیں تو شبہ ہو سکتا تھا کہ اذان میں دو ہوئی ہیں تو اقامتیں بھی دو ہونی چاہئیں اور اس شبہ کے ازالے کیلئے آپ نے فرمایا کہ اقامت دو ہری اذان کے بعد اکہری یعنی ایسا مرتبہ ہی ہوگی دو ہری کہنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ دونوں اذانیں حجر کی نہیں بلکہ ان میں سے ایک حجری کی اذان ہے۔ لیکن یہ وہ ایسے مفہوم ہیں کہ ان کے اعتبار سے ہم نے دو ہری اور اکہری اقامت والی تمام روایات پر عمل کر لیا مگر کس قدر افسوس ہے کہ ہم ان تمام روایات پر عمل کر کے بھی اہل حدیث نہیں اور غیر مقلدین دو ہری اقامت کی تمام روایات متواتر و چھوڑ کر بھی الحمد بیٹ ہیں۔

مسئلہ الحمد بیٹ:

مولوی وحید الزمان غیر مقلد فرماتے ہیں کہ حدیث میں آنے والے کسی بھی طریقہ اذان یا اقامت کو تو وہ کفایت کرے گی (نزل الابرار ص ۵۸) نیل الابرار میں ہے کہ دو ہری تکبیر کی احادیث ایک تو زیادتی پر مشتمل ہیں تو اس کی طرف رجوع لازم ہے۔ (بحوالہ ہدیہ السعدی ص ۵۲ ج ۳)۔ نیز وحید الزمان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح سات قرأتوں میں اختیار دیا ہے جس قرآن پر چاہے قرآن پڑھ لے اسی طرح اکہری اور دو ہری تکبیر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عشاہی ہے کہ خواہ یہ کہہ لے یا یہ کہہ لے (ہدیہ السعدی ص ۵۲ ج ۲) انواب نور الحسن غیر مقلد لکھتے ہیں جیسے اکہری اقامت کے دلائل آئے ہیں اسی طرح دو ہری اقامت کے دلائل بھی ہیں پھر وہ نظر بعد فرماتے ہیں کہ ان اہل میں تقدیم و تاخیر معلوم نہیں اس لئے دونوں قسم کے دلائل کو عموماً جمع کرنا ہی بہتر ہے اور زائد کلمات پر عمل صحیح سند سے ثابت ہے پس اس صورت پر اقامت دو ہری ہی چاہئے سوائے آخر میں لا الہ الا اللہ کے یہی قول اصول کے تقاضا کے موافق ہے۔ (عرف الجاہد ص ۲۳ ص ۲۵)۔ اب بیت الفرقان والوں سے درخواست ہے کہ ان علاقوں میں اتفاق اور اتحاد کی صورت یہی ہے

کہ دو ہری تکبیر صدیوں سے یہاں عمل آ رہی ہے اور روایات سے بھی اور آپ کے غیر مقلدین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اسی پر عمل کو جاری رہتے ہیں۔

مخالب:

اگر آپ کو یہ صورت پسند نہیں تو آپ اپنے دعویٰ کے مطابق کہ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی بات کو حجت نہیں سمجھتے۔ (۱) کوئی ایک آیت یا صحیح صحیح حدیث پیش کریں جس میں دو ہری تکبیر کی ممانعت ہو۔ (۲) نیز یہ واضح کریں کہ اختلاف روایات کے وقت آپ نے اکہری اقامت کو ترجیح خدا یا رسول خدا کے قول سے دی ہے تو اس کو پیش کریں اور اگر کسی امتی کی رائے سے ترجیح دی ہے تو امتی کی رائے مان کر لیا آپ مشرک نہیں ہوئے؟ (۳) کلمات تکبیر کے اکہرا کہنے کے الفاظ اگر کسی مرفوع حدیث میں ہوں تو بیان کریں؟ صرف اتنا اقامت (اکہرا کہنا) سے کلمات کا اتنا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ اس سے اقامت کے سانس اکہرے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا کہ پہلے مفہوم کا اثبات اور دوسرے کی نفی نقل فرمائیں۔

نوٹ: ہم تو اختلاف روایات میں جب نبوی فیصلہ نہ ہو تو مجتہد کے قول پر عمل کرتے ہیں اور دلیل شرعی ہے آپ بلا دلیل اکہری اقامت کو آخر کیوں ترجیح دیتے ہیں۔ (۴) اکہری اقامت کہنے سے کتنا ثواب ملتا ہے جو دو ہری اقامت کہنے والوں کو نہیں ملتا؟ جواب آیت یا حدیث سے دیں۔

حلیفہ: ایک دفعہ میں ادا کو الہ تحصیل چھوٹنی میں جمع پڑھانے گیا تو ایک آدمی مجھے کہنے لگا کہ ابھی چند دن ہوئے چند غیر مقلد مجھے ٹی وی پر ج دکھانے لے گئے اور عرفات میں جب اقامت ہوتی تو خاص طور پر ہم حنفیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو یہاں اکہری اقامت ہو رہی ہے یہ ہماری اقامت ہے معلوم ہوا کہ ہمارا مسلک حرم والوں کا مسلک ہے اور حنفیوں کا

مسک حرم والوں کے خلاف ہے۔ اس بات سے ہم خفی لوگ بڑے پریشان ہیں۔ میں نے کہا کہ واقعی انہوں نے آپ کوئی وی دکھایا ہے تو اس نے کہا بالکل دکھایا ہے اور اس میں رفیع یدین بھی دکھاتے تھے کہ دیکھو وہ حاجی رفیع یدین بھی کرتے ہیں اور کہتے تھے کہ ہمارے مسک مکہ اور مدینہ والا ہے تمہارا مسک کوفے والا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو اکثر الدعوتہ وغیرہ رسائلوں میں یہ مضمون شائع کرتے ہیں کہ نبی و بیعتا حرام ہے۔ لعنت ہے۔ فحاشی ہے پھیلنے کا ذریعہ ہے اور نبی و بیعتا حرام کی اکثر خبریں الدعوتہ میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ فلاں فلاں جگہ ہمارے لشکریوں نے نبی و بیعتا حرام دیکھے یا توڑ دیے اور آپ کہتے ہیں کہ ہمیں خود انہوں نے نبی و بیعتا حرام دکھایا تو اس نے کہا کہ جی میں اور بہت سے آدمی پیش کر سکتا ہوں جن کو انہوں نے نبی و بیعتا حرام دکھایا بلکہ وہ تو ہمارے چک ۸۸ کی مسجد میں مناظروں اور تقریروں کی واپس کیٹیس دکھاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قول اور فعل ایک دوسرے کے مطابق نہیں، کہنے لگا کہ جی یہ بات تو واضح ہے۔ میں نے کہا کہ حرمین شریفین کے ائمہ حنبلی ہیں۔ چنانچہ محمد بن عبد اللہ اسماعیل (امام حرم) فرماتے ہیں۔ "اصا بکو لہم حنابلہ فنعم۔ ہم علی مذهب امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ الذی اجمع العلماء علی تسمیۃ امام اہل السنۃ۔ یعنی ائمہ حرمین شریفین کا حنبلی ہونا صحیح بات ہے کیونکہ وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں جن کے امام اہلسنت ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ (خطابین سبیل ۱۰-۶-۱۳۱۳، از شرعی فیصلہ ص ۲۱۸)۔

میں نے کہا کہ وہ تو غیر نبی کی طرف مذہب کی نسبت کر کے اور امام کی تقلید کر کے مشرک ہو گئے تو ان کی رفیع یدین یا اکبری تکبیر کہنی تو غیر مقلدین کے ہاں ابو جہل کے اعمال جیسا ایک عمل ہوا عجیب بات ہے کہ وہ اس پر خوش ہو رہے ہیں کہ مشرکین مکہ سے ان کے عمل کی تائید ہو رہی ہے، آپ آج ہی جا کر ان سے پوچھیں کہ حضرت جی! آپ کا دعویٰ تو ہے کہ ائمہ حرم کے وہ اصول اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ تو اس دن آپ نے جو حضرت نبی

نبی میں ہمیں دکھائے تھے وہ خدا تھے یا رسول؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر ہم سے آپ نے کتنا ادا ہوا کہ کیا۔ کہ خدا اور رسول کے نام سے پندرہ سو صدی کے مشرک کے پیچھے لگا دیا جو خدائی اور نبوی صلاحیت تو کیا اجتہادی صلاحیت سے بھی محروم ہے اور خیر القرون کے اس مجتہد سے ہم کو توڑنا چاہا ہے جس کے مجتہد ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ نبی و بیعتا حرام میں جو آپ نے دکھا سب رفیع یدین کرنے والے تھے یا نہ کرنے والے بھی تھے تو اس نے کہا بہت سے نہ کرنے والے بھی تھے بلکہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے والے بھی تھے انہوں نے کہا کہ جب وہاں دونوں عمل ہیں تو ترک رفیع یدین بھی حرم والی ہوئی تو وہ ایک عمل دکھاتے ہیں اور دوسرے دکھاتے کیا یہ نفسانی خواہش پر چلنا نہیں؟ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ وہاں نبی و بیعتا حرام میں انہوں نے کہیں یہ بھی اعلان کیا ہو کہ ساری دنیا کے مسلمان ہم جیسی نماز پڑھیں، اکبری تکبیر کہیں دوہری نہ کہیں وغیرہ؟ تو کہنے لگا کہ ایسا تو انہوں نے نہیں کہا اور نہ ہی ہم نے یہ دیکھا ہے کہ ان کے خلاف نماز پڑھنے والوں کو وہ روکتے ہوں۔ تو میں نے کہا کہ پھر آپ کیوں پریشان ہیں جب ان کا بھی یہی مسک ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے جس کی فقہ کے مطابق بھی کوئی مسلمان نماز پڑھے وہ درست ہے تو اسکے ہاں ہماری دوہری تکبیر درست ہے اس لئے وہ اس پر اذکار نہیں کرتے مگر ان غیر مقلدین کی حالت یہ ہے کہ:

نہ خدا ہی ملانہ وصال صتم نہ احر کے رہے نہ ادر کے رہے

نام یہ قرآن وحدیث کا لیتے ہیں نہ ان کے پاس قرآن ہے نہ حدیث نہ قول فقیر۔

ان لئے ان کے اعمال اکثر دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور ہمارے اعمال الحمد للہ اولیٰ اربعہ میں سے کسی نہ کسی دلیل سے ضرور ثابت ہیں تو دلیل والوں کو تو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ پریشان تو وہ ہوں جس کو نہ قیامت میں خدا کا سہارا ہوگا نہ رسول خدا کا اور نہ کسی فقیر کا۔

تیسرا، چوتھا، یا بچواں اور چھٹا مسئلہ:

بیت الفرقان والوں نے حقیقتہً اللہ کے حوالے سے یہ تحریر کیا ہے کہ (۳) ناف کے

یہی ہاتھ باندھنے کی حدیث با اتفاق احمد محدثین ضعیف ہے ہدایہ ج ۱ صفحہ نمبر ۳۵۰ (۳) ہے۔
 یہ ہاتھ باندھنے کی حدیث با اتفاق احمد محدثین صحیح ہے۔ شرح وقایہ ص ۹۴ (۵) ناف کے لیے ہے۔
 ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں ہے وہ قول حضرت علی سے ہے اور ضعیف ہے شرح وقایہ
 ص ۹۳ (۶) حضرت مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو
 سبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے مقدمہ ہدایہ جلد ۱ ص ۱۱۱
 ص ۳۵۱، ان چار حوالوں سے پہلے کی طرح کوئی ہزاروں حصہ بھی سچائی کا تلاش کرنے سے
 نہیں ملتا۔

اب آپ اصل عبارات ملاحظہ فرمائیں، ہدایہ میں ہے اور نکلے اپنے انہیں
 ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے کہ بے شک منہ
 دایاں بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا ہے اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف ارسال اور امام
 شافعی کے خلاف وضع علی الصدر کے مسئلہ میں ہماری دلیل ہے اور اس لئے بھی ناف کے لیے
 ہاتھ باندھنے چاہئیں کہ یہ تعظیم کے زیادہ قریب ہے اور نماز سے اصل مقصود یہی تعظیم ہے۔
 (ہدایہ مع الفتح ص ۲۸ ج ۱)۔ لیکن یہ عبارت ہدایہ کا ترجمہ ہے صاحب ہدایہ اس حدیث سے
 امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے خلاف استدلال کر رہے ہیں جو معنی حدیث کی صحیح ہے
 اور پھر دلیل عقلی سے بھی اس کو موید کر رہے ہیں کہ یہ فعل اقرب الی التعظیم ہے لیکن یہ
 الفرقان نے محمد یوسف بے پوری کی اندھی تقلید میں درج ذیل جھوٹ ہدایہ کے نام سے
 بولے ہیں (۱) تمام محدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ (۲) صاحب ہدایہ نے اس
 اتفاق کو ہدایہ میں ذکر کیا ہے۔ (۳) حضرت مرزا مظہر جان جاناں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی
 حدیث کو سبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے۔ (۴) یہ بات مقدمہ ہدایہ میں ہے۔ (۵)
 مرزا صاحب خود بھی سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ (۶) یہ بات بھی مقدمہ ہدایہ میں ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ ان جھوٹوں میں سے ایک بات بھی ہدایہ یا مقدمہ ہدایہ میں نہیں
 لکھوئی غیر مقلد ہدایہ کی عربی عبارت سے یہ مسئلہ ثابت کر دے تو اس کو اس کا مسلک زندہ
 کرنے کیلئے دریائی مینڈک، کچھو، دریائی کتا، دریائی سانپ کا ناشتہ کرایا جائے گا کیونکہ یہ سب
 خیابان غیر مقلدین کے نزدیک حلال ہیں۔ (حق آست کہ ہر میوان بحری حلال است عرف
 ہدایہ ص ۲۳۸) ہے کوئی احیاء مسلک کا شیدائی جو اس موقع کو غنیمت سمجھے۔

الطیفة: جس ہدایہ کے مقدمہ کا بیت الفرقان والوں نے محمد یوسف کی اندھی تقلید میں آخری
 حوالہ دیا ہے اسکے مصنف ۵۹۳ھ میں فوت ہوئے ہیں جبکہ مرزا مظہر جان جاناں ۱۱۱۱ھ یا
 ۱۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے تو کیا ہی کرامت ہے بیت الفرقان والوں کی کہ مرزا صاحب کے پیدا
 ہونے سے جو شخص ۵۱۸ سال پہلے فوت ہو چکا اس کی کتاب میں مرزا صاحب کے سینہ پر ہاتھ
 باندھنے کا ذکر کیا۔ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح فرمایا تھا کہ جب معاملات نااہلوں کے
 سپرد ہو گئے تو قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ بخاری ص ۱۴۔ واقعی اب دین پر غیر مقلدین نے قیامت
 برپا کر دی ہے اللہ تعالیٰ صحیح سمجھے عطا فرمائے (آمین)

دو حوالے یعنی (۳) و (۵) شرح وقایہ کے درپے ہیں شرح وقایہ میں ہے کہ اپنا
 دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔ (ص ۱۶۵ ج ۱)۔ شرح وقایہ میں نہ تو سینہ پر ہاتھ
 باندھنے والی روایت کی تصحیح ہے اور نہ ہی ناف کے نیچے ہاتھ الی پر جرح ہے بلکہ شرح وقایہ
 میں کسی روایت کو ذکر ہی نہیں کیا نہ مثبت نہ منفی تو یہ دونوں حوالے بھی سو فیصد جھوٹ پر مبنی ہیں۔
 شرح وقایہ کی وہ عربی عبارت پیش کی جائے جس کا ترجمہ بیت الفرقان والوں نے نقل کیا ہے۔
 اعتراض: ایک دوست کہنے لگے کہ آپ عربی ہدایہ اور عربی شرح وقایہ کا اُن سے مطالبہ
 کرتے ہیں۔ وہ ہمیں اردو میں الہدایہ اور شرح وقایہ اردو (نور الہدایہ) دکھاتے ہیں۔ ان
 میں واقعی یہ باتیں منقول ہیں جن کا انہوں نے حوالہ دیا ہے؟

اجواب: میں نے کہا کہ ہدایہ اور شرح وقایہ دونوں عربی میں لکھی گئی ہیں اور وہ حوالہ ہدایہ اور شرح وقایہ کا دیتے ہیں، اس لئے ہم ان سے اصل کتاب کی عبارتوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ عین الہدایہ یا ترجمہ شرح وقایہ کا حوالہ نہیں دیتے کہ ہم ان کے حوالوں کو صحیح تسلیم کر لیں۔ دیکھئے قرآن کی تفسیر کوئی عیسائی یا مرزائی لکھے تو وہ بات قرآن نہیں کہلائے گی، بلکہ عیسائی یا مرزائی کی بات ہوگی۔ اسی طرح تفسیر القرآن کی بات کو اگر کوئی قرآن کہہ کر پیش کرے تو یہ دھوکا ہوگا، کیونکہ وہ بات مودودی صاحب کی تو ہوگی قرآن اور خدا تعالیٰ کی نہیں ہوگی، بالکل اسی طرح عین الہدایہ کی بات امیر علی غیر مقلد کی ہوگی نہ کہ ہدایہ کی، اسی طرح شرح وقایہ کی تشریح وحید الزمان غیر مقلد نے کی ہے، تو وہ بات وحید الزمان کی تو ہوگی شرح وقایہ کے حوالہ سے اس کو ذکر کرنا محض دھوکا ہے۔ پھر ان شروحات اردو کی عبارات نقل کرنے میں بھی خیانت کی ہے، کیونکہ عین الہدایہ میں ہے کہ امام نووی (شافعی) نے کہا کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر ائمہ حدیث متفق ہیں۔

پھر صاحب عین الہدایہ نے لکھا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک مرفوع صحیح روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ پس (یہ) روایت صحیح ہے (عین الہدایہ ص ۳۵۰) پھر صاحب ہدایہ کے اس قول پر کہ "یہ اثر مذکور شافعی پر بھی حجت ہے بیحد پر ہاتھ باندھنے میں۔" امیر علی فائدہ لکھتے ہیں کیونکہ اس اثر سے مستون ہونا منصوص ہے، جس کی تائید بشیادت اہل علم صحابہ و تابعین موجود۔ علاوہ اس کے حدیث ابن ابی شیبہ صحیح الاسناد ہے اور اثر مذکور میں کوئی ایسا ضعف نہیں جو رفع نہ ہو حتیٰ کہ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے (عین الہدایہ ص ۳۵۰) اس سے معلوم ہوا کہ امیر علی بھی امام نووی کے اس قول کو نقل کر کے رو کر رہے ہیں تو عین الہدایہ سے بھی اس کا حوالہ پیش کرنا ایسے ہوا جیسے کوئی عیسائی کہے کہ قرآن میں ان اللہ هو المسیح بن مریم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی مسیح بن مریم ہے۔ اور ساتھ یہ نہ بتائے کہ قرآن نے اس قول کی تردید کی ہے۔ اسی طرح اردو شرح وقایہ یعنی نور الہدایہ کے حوالہ میں

کی اس غیر مقلد نے دھوکا دیا ہے، کیونکہ نور الہدایہ اردو شرح وقایہ کی عبارت یہ ہے "اور اسناد اس کی عبدالرحمن بن اسحاق کوئی ضعیف ہیں۔ ضعیف کہا ان کو احمد وغیرہ نے اور اس ضعف سے ضعف حدیث کا لازم نہیں آتا، کیونکہ الاصلیہ مقدم ہیں ان پر اور کہا بعض جہلاء نے کہ نہیں ہے کوئی حدیث مرفوع صحیح اس باب میں واسطہ حنفیہ کے اور یہ بات غلط ہے (نور الہدایہ ص ۸۵)۔ اس خط کشیدہ عبارت میں غور کریں کہ محمد یوسف جے پوری کی اس سے تردید ہوتی ہے یا استناف کی۔ پھر ابن ابی شیبہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے "یہ شاہد ہے اس حدیث علی رضی اللہ عنہ، کا پاس نہیں ہے وجہ کام کی اس شخص کے جس نے کہا کہ نہیں دلیل ہے حنفیہ کی اس مسئلہ میں۔" (نور الہدایہ ص ۸۵) اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اردو شرح وقایہ کے حوالہ لینے میں بیت الفرقان والوں نے کس قدر خیانت کی ہے۔

دلائل احتیاف:

باقی ہمارے دلائل درج ذیل ہیں:

- (۱) حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اقدس ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۰) عبدالمؤدب غیر مقلد نے صلوة الرسول کے حاشیہ پر اور وحید الزمان نے نور الہدایہ میں اس سند کو صحیح تسلیم کیا ہے۔
- (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نماز میں سنت پختلی پر پختلی ناف کے نیچے رکھنا ہے (ابوداؤد ص ۷۶، ابن ابی شیبہ ص ۳۹۱)۔
- (۳) حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ نماز میں پختلی کو پختلی پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔ (ابوداؤد ص ۷۶)
- (۴) حضرت ابراہیم نخعی فرماتے تھے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے ہو۔ (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۰)

(۵) ابوہریرہ فرماتے تھے کہ دائیں ہاتھ کی پٹیلی کا اندرونی حصہ بائیں کے ظاہر پر ناف کے نیچے رکھے (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۱)

(۶) حضرت انس فرماتے ہیں کہ تین چیزیں اخلاق نبوت سے ہیں: افطار جلدی کرنا، سحری میں فاتحہ کرنا، اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(الجواہر النجی مع اللہ ص ۳۲ ج ۲)

(۷) حضرت زید امام زین العابدین سے، وہ حضرت حسین سے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تین چیزیں تمام انبیاء کے اخلاق میں سے ہیں۔ افطار جلدی اور سحری میں فاتحہ اور پٹیلی پٹیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(مسند امام زید ص ۱۸۳)

(۸) محمد جو ناگزہمی غیر مقلد دین محمدی میں نقل کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے نماز میں اپنا بائیں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر رکھا تو رسول کریم ﷺ نے یہ دیکھ کر ان کا داہنا ہاتھ بائیں پر کر دیا اور کہا سنت نماز میں پٹیلیوں کا زیر ناف رکھنا ہے (دلائل المتحققین ص ۷ ج ۵)۔ (۹) عقبہ بن سہبان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فصل لوبک و انحر کی تفسیر میں یہ فرماتے سنا ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھے (التمہید ص ۷۸ ج ۲۰) ہم ان روایات پر اپنے امام کے مسلک کے مطابق عمل کرتے ہیں اور قول محدث مجتہد جنت شریعہ ہے، لہذا امام صاحب کا ان روایات پر عمل کرنا یہ ان روایات کی صحیح ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک دلیل صرف اللہ اور رسول ﷺ کا فرمان ہے۔ اس لئے وہ یہ بتائیں کہ ان روایات پر عمل سے خدا نے روکا ہے یا رسول اقدس ﷺ نے۔ اگر ان روایات پر وہ جرح کی سوچیں تو بھی یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ جرح خدا یا رسول سے ثابت کریں، امتی کے کسی قول کو نقل کر کے مشرک نہ بنیں۔

نوٹ: سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت پر اسلاف میں سے کسی نے عمل نہیں کیا اور ائمہ کرام میں سے بھی کسی نے اس کو مذہب نہیں بنایا (فیض الباری ص ۲۶۶ ج ۴) امام ترمذی اپنی کتاب میں ائمہ کے مذاہب نقل کرتے ہیں انہوں نے بھی سینہ پر ہاتھ باندھنے کا کسی کا مسلک ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو ترمذی ص ۶۳ ج ۱۔

○ امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے (المسئنی ص ۳۷۲ ج ۱) مولوی محمد اسحاق بھٹی نے فقہائے ہند میں لکھا ہے کہ ابوالحسن سندھی ص ۱۱۳۱ کو مدینہ کے قاضی نے اس لئے جیل بھیج دیا تھا کہ وہ رفتیہ یمن اور سینے پر ہاتھ باندھا کرتا تھا (مخلص ص ۷۵ ج ۵)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارہویں صدی ہجری تک مدینہ میں اس پر عمل کرانے والا قابل تعزیر سمجھا جاتا تھا۔ پورے والا میں تدریس کے دوران ایک دفعہ میں نے ایک طالب علم حافظ محمد ریاض سے کہا کہ تمہارے چک میں لامذہبیت کی وبا پھیل رہی ہے تم تو اس سے متاثر نہیں ہوئے؟ تو تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا کہ اور تو کچھ نہیں، الیت نماز میں اپنے چیک جا کر ہاتھ کچھ اوپر باندھتے پڑتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ تو کہنے لگا کہ وہ غیر مقلد مذاق کرتے ہیں کہ تو نے اپنے ننگ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ اس لئے شرم کی وجہ سے میں ہاتھ اوپر کر لیتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ لوگ کتنا پڑھے ہوئے ہیں؟ کہنے لگا کچھ بھی نہیں۔ میں نے کہا کہ تو نے یہاں قرآن حفظ کیا اور دو سال کتابت پڑھی ہیں۔ تیرے ساتھ اہل علم ہیں، تو ان کے عمل کو نہیں دیکھتا، چالوں سے متاثر ہو گیا ہے جو تیرے جتنا بھی علم نہیں پڑھے ہوئے۔ کہنے لگا کہ وہ مذاق کرتے ہیں۔ اس لئے میں صرف ان کے سامنے ہاتھ تھوڑے سے اونچے کر لیتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کوئی حدیث بھی بیان کرتے ہیں؟ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا کہ صرف ان کے مذاق کی وجہ سے تو نے اس عمل کو چھوڑ دیا جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سنت اور حضرت انس اخلاق نبوت میں شمار کرتے ہیں۔ کہنے لگا کہ وہ کہتے ہیں کہ ننگ پر ہاتھ رکھنے سے نماز نہیں ہوتی۔ میں نے کہا کہ یہ کوئی آیت یا حدیث ہے کہ ننگ پر

ہاتھ رکھنے سے نماز ٹکس ہوتی۔ کہنے لگا مجھے تو علم نہیں۔ میں نے کہا ان سے پوچھنا۔ پھر میں نے بتایا کہ یہ محض ان کا قیاس ہے جو سنت کے خلاف ہے۔ پھر اگر یہ بات صحیح ہے کہ تکبیر کا ہاتھ رکھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو یہ لوگ بھی رکوع میں ہاتھ کھٹنوں پر رکھتے ہیں۔ پھر ان کی نماز بھی ٹوٹ گئی۔ فرق یہ ہوا کہ بقول ان کے ہماری نماز کی مثال اس بیگنی کی ہوگی جو آگ کی ہی ٹکس نہیں، مگر ان کی آگ کی پر آولے پڑ گئے۔ پھر عورتوں کا تو سارا بدن تکبیر ہے۔ تو وہ بے چاریاں ہاتھ کاٹ کر پھینک دیں۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا کام سنتوں کا مذاق کرنا ہے۔ چنانچہ حکیم فیض عالم غیر مقلد لکھتے ہیں۔ ”یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ خلفائے نبی عباس میں سے ہارون کا ایک نماز میں ازار بند کھل گیا اور اس نے سینے سے ہاتھ نیچے کر کے ازار بند سنبھال لیا۔ نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں نے حیرانی سے ہارون رشید کے اس فعل کو دیکھا۔ قاضی ابو یوسف نے فتویٰ دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے“ (اختلاف امت کا ایہ ص ۷۸)

دیکھئے یہ غیر مقلد مخالف سنت کی آگ میں کیسے جل رہا ہے کہ قاضی ابو یوسف کے سنت والا فتویٰ کیوں بتا دیا۔ کاش کہ وہاں کوئی غیر مقلد ہوتا جو ہارون رشید کو فتویٰ دیتا کہ جناب! اگر یہ ظالم ازار گرتی تھی تو گرنے دینا تھا۔ کیونکہ ہمارے ہاں اگر ازار اور قیاس دونوں بھی اتر جائیں تو نماز درست ہوتی ہے۔ آپ نے ہاتھ نیچے کر کے اس کو سنبھالنے کی زحمت کیوں اٹھائی ہے۔

دستر عورت و آنچہ مفید شریعت باشد در ان موجود نیست..... داز پنجاور یافتہ باش کہ ہر کہ چیز سے از عورتش در نماز نمایاں شد یا در جملہ ناپاک نماز گزار و نماز صحیح است و زاعم بطلان مطالب (بدلیل عرف الجادی ص ۲۲)

پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ ہمارے احناف کے ہاں (سینہ) صدر والی روایت اگرچہ ضعیف ہے، لیکن عورتوں کے لئے یہ فعل زیادہ مضر کا کام دیتا ہے۔ اس لئے عورتوں کے

اعتبار سے ہم نے اس پر بھی عمل کر لیا۔ تو احناف کے ہاں دونوں حدیثوں پر کسی نہ کسی وجہ میں عمل ہو گیا، لیکن اس کے باوجود بھی یہ غریب عامل بالجہد یت نہیں اور غیر مقلدین ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی تمام روایات کو چھوڑ کر بھی عامل الجہد یت کہلاتے ہیں۔ یہ کیا ہی عجیب بات ہے۔ تاہم آدمیوں کے لئے اس علاقہ میں احناف کا متواتر عمل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت پر رہا ہے۔ البتہ انگریزی دور حکومت میں انگریزی نجی سے یہ عمل چلا، چنانچہ سیرت احمدی میں ہے مرزا صاحب نے فرمایا: ”شروع عمر میں بھی ہمارے ارد گرد سب خفی تھے۔ مجھے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا کبھی پسند نہیں ہوا، بلکہ ہمیشہ طبیعت کا میکان ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی طرف رہا ہے (ص ۱۰۳، ج ۱) نیز قاضی محمد یوسف پشاور (مرزائی) کی روایت ہے کہ میں نے حضرت غلام احمد علیہ السلام کو بارہا نماز فریضہ اور تہجد پڑھتے دیکھا۔ آپ نماز نہایت الطہیمان سے پڑھتے۔ ہاتھ سینے پر باندھتے (سیرت احمدی ص ۲۸، ج ۳) ان کی دوسری روایت ہے کہ جب میں پہلی مرتبہ قادیان آیا تو حضرت اقدس ان ایام میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کی افتادہ میں نماز پڑھا کرتے تھے اور مسجد مبارک میں جو گھر کی طرف کو ایک کھڑکی کی طرز کا دروازہ ہے اس کے قریب دیوار کے ساتھ کھڑے ہوا کرتے تھے۔ بحالت نماز ہاتھ سینے پر باندھتے تھے (سیرت احمدی ص ۲۶۵، ج ۳) انگریزی اہل حدیثوں نے یہاں سے یہ مسئلہ لیا ہے، ورنہ اس سے قبل عام آدمیوں میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا عمل نہیں پایا جاتا تھا۔ البتہ عورتوں میں یہ عمل متواتر چلا آتا تھا۔ اس لئے تنبیہ بالنساء کی وجہ سے بھی اس فعل کی اس علاقہ میں ممانعت ہوگی۔

لطیفہ: اس علاقہ میں جب آدمیوں میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا عمل شروع ہوا تو ایسے تھپہ بالنساء کر کے نماز پڑھنے والے کو دیکھ کر کچھ لوگ حیران ہوئے اور آپس میں تعجب سے گفتگو کرنے لگے کہ یہ کیسے عورتوں کی طرح نماز پڑھ رہا ہے، تو ایک آدمی نے سوچ سوچ کر یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے اس کو کسی آدمی نے نماز نہیں سکھائی۔ اس نے اپنی والدہ سے نماز سیکھی ہے۔ اس لئے یہ عورتوں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ اگر باپ سے یا کسی مرد استاد سے سیکھتا تو

ایسے نماز میں کھڑا نہ ہوتا۔

(۷) مقتدی فاتحہ کو دل میں پڑھ لے اور یہ بتی ہے۔ ہدایہ ج ۱ ص ۳۳۰۔ یہ مسئلہ بھی بیت الفرقان والوں نے محمد یوسف جے پوری سے لیا ہے اور ہدایہ کی طرف نسبت کرنے میں ایک فیصد بھی سچائی نہیں، مگر بیت الفرقان والوں نے تھوڑی سی اس معاملہ میں احتیاط برتی ہے کہ یوسف جے پوری نے اس مسئلہ میں ھدیۃ الفقہ صفحہ ۱۹۳-۱۹۴ پر ہدایہ کے حوالہ سے چار جھوٹ اور شرح وقایہ کے حوالہ سے بھی چار جھوٹ بولے تھے جو درج ذیل ہیں:

(۱) لا صلوة الا بفالحة الكتاب یہ حدیث سند صحیح ستواہن حبان و سنن دارقطنی وغیرہ میں مروی ہے ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱۔ (۲) ابن حمام نے مثلث القرآن والی حدیث کے راوی کو ثقہ بتا کر کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۹۔ (۳) امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی احادیث ضعیف ہیں شرح وقایہ صفحہ ۱۰۸-۱۰۹۔ (۴) حضرت ابن عمر کا اثر فاتحہ خلف امام نہ پڑھنے کا ضعیف ہے شرح وقایہ صفحہ ۱۰۹۔ (۵) حضرت علی کا قول بھی منع فاتحہ میں ضعیف ہے (باطل) شرح وقایہ صفحہ ۱۱۰۔ (۶) اذا کبر الامام فکبروا الخ حدیث ضعیف ہے۔ شرح وقایہ صفحہ ۱۱۰۔

(۷) مشرکین نے قرآن سننے سے پرہیز کیا آپس والوں سے کہتے لا تسمعوا لهذا القرآن (مت سنوا قرآن کو) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیحت کی فرمایا: واذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم تتقون (جب قرآن پڑھا جائے تو ستوا اور چپ رہو) ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۰۔ (۸) وہی جھوٹ جو (۷) نمبر کے عنوان سے بیت الفرقان والوں نے نقل کیا ہے۔ مگر بیت الفرقان والوں نے سات جھوٹ نظر انداز کر کے صرف ایک جھوٹ نقل کیا ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا آٹھوں حوالے غلط ہیں کوئی غیر مقلد ایک حوالہ بھی اصل کتابوں سے ثابت نہیں کر سکتا بلکہ اصل کتابوں میں اس مسلک کی تردید ہے چنانچہ شرح وقایہ میں ایک آیت تین احادیث اور ایک

دلیل عقلی سے اس مسئلہ کو مدلل کیا ہے کہ مقتدی قرأت نہ کرے بلکہ توجہ کرے اور خاموش رہے اور مذکورہ بالا حوالوں میں سے ایک حوالہ بھی شرح وقایہ میں نہیں، اسی طرح ہدایہ میں ہے "مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے فاتحہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے تو اس میں مقتدی اور امام دونوں شریک ہوں گے اور ہماری دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس کا امام ہو تو امام کی قرآن مقتدی کی قرأت ہے اور اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام قرآن پڑھے تو خاموش رہو (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۰-۱۰۱)۔ لیکن ہدایہ میں تو غیر مقلدین کی تردید ہے اور مذکورہ بالا حوالوں میں سے ایک حوالہ بھی ہدایہ میں نہیں۔ معلوم ہوا کہ تمام نہاد اہل حدیثوں کے مسلک کی آبیاری ہی جھوٹ سے ہوتی ہے، پھر جھوٹ ہی ایسے کہ تاریخ بھی اس پر قائم کرے، مثلاً ابن حمام کا جو قول ہدایہ صفحہ ۳۳۹ سے نقل کیا گیا ہے تمام غیر مقلدین یہ تاریخ عقوہ حل کر لیں کہ ابن حمام کا قول ہدایہ میں کس طرح آ گیا ہے۔ بلکہ اسی ھدیۃ الفقہ کے صفحہ ۱۱۰ پر صاحب ہدایہ کی وفات ۵۹۳ھ تحریر کی ہے اور ابن حمام متوفی (۸۷ھ) نویں صدی ہجری کے آدمی ہیں کیا صاحب ہدایہ کا تین صدی قبل عالم ارواح میں ان سے رابطہ ہوا تھا؟

- (۸) رفع یدین کرنے کی حدیثیں بہ نسبت ترک رفع یدین کے قوی ہیں۔ ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۹
- (۹) رفع یدین نہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔ شرح وقایہ صفحہ ۱۰۲۔
- (۱۰) حق یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے۔ ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۶
- (۱۱) عصام بن یوسف امام ابوحنیفہ کے شاگردان شاگرد ہیں رفع الیدین کرتے تھے مقدمہ عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۵۰۔ ان میں سے ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱۔ اور ۱۱۔ بھی محض تلبیس ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ "رفع یدین نہ کرے مگر پہلی تکبیر

(۱) یہ ترک رفع یدین والا متواتر عمل قرآن کے زیادہ موافق ہے اور الفاظ قرآن یہ قطعی ہیں، ان میں تغیر کا احتمال نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں "هو مو اللہ قانتین ای مساکین مساکین (یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے سکون سے کھڑے ہوں) اب جہاں روایات میں اختلاف ہو حرکت اور سکون کے درمیان تو سکون والی روایات کو لیں گے تو ترک رفع یدین میں سکون ہے اس لئے ان کو قرآن کے موافق ہونے کی وجہ سے لے لیا (تقریر بخاری، مفہوم)۔"

(۲) قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلا تہم خاشعون (بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں) حضرت تھانوی فرماتے ہیں خشوع کی حقیقت ہے سکون یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالتقد حاضر نہ کرے اور جوارج کا بھی عبت حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) صلاح الدین بن یوسف غیر مقلد کہتا ہے خشوع سے مراد قلب اور جوارج کی یکسوئی اور انہماک ہے (تفسیر شائع کردہ سعودیہ) مولانا عبدالحق حقانی دہلوی فرماتے ہیں بعض اس (خشوع) کو ہاتھ پاؤں کا عمل کہتے ہیں سکون سے کھڑا رہنا اور اہر التفات نہ کرنا پڑے یا دانہ گی یا اور چیز سے کھیل نہ کرنا نماز کے اندر (تفسیر حقانی جلد ۳ صفحہ ۳۳۳) علی بن طلحہ اور ابن عباس، مجاہد، حسن بصری، قتادہ اور زہری سے منقول ہے کہ نماز میں خشوع سے مراد خوف اور سکون ہے (تفسیر ابن کثیر) ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ نماز میں اصل سکون ہے تو اختلاف روایات کے وقت جو سکون کے موافق تھیں یعنی ترک رفع یدین والی تو ہم نے ان کو لے لیا اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ خشوع سے نماز پڑھنے والے وہ لوگ ہیں جو نماز میں رفع یدین نہیں کرتے (تنویر المقیاس بر حاشیہ در مشورہ جلد ۳ صفحہ ۳۲۳) اس تفسیر کو نقل کرنے والے علامہ عکلی تفسیر کے امام ہیں یہ امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں اور امام صاحب کسی ضعیف

سے روایت نہیں لیتے تھے مستد امام اعظم میں صفحہ ۲۲ پر ان کی روایت ہے۔
(۳) اقم الصلوٰۃ لذكوری۔ میرا ذکر کرنے کے لئے تو نماز قائم کر (ابن کثیر و خازن) رفع یدین اور جملہ استراحت ایسے افعال ہیں کہ ان کے لئے کوئی ذکر نہیں اس لئے تعارض روایات کے وقت ہم نے ان کو چھوڑ دیا بکبیر تحریر قنوت وتر، اور بکبیرات عیدین میں ذکر ہے بل ان میں اختلاف بھی نہیں اس لئے ان کو ہم نے رکھ لیا۔

(۴) حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم کو شریہ گھوڑوں کی دھوں کی طرح رفع یدین کرتے دیکھتا ہوں نماز میں سکون اختیار کرو (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۱) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں رفع یدین سکون نماز کے متنافی ہے اور رفع یدین کرنے والے شرارتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ڈانٹا۔

(۵) حضرت ابن عباس نے فرمایا صرف سات جگہ ہاتھ اٹھانے جائیں گے (۱) جب نماز کی طرف کھڑا ہو، (۲) جب بیت اللہ پر نظر پڑے، (۳) صفا پر (۴) مروہ پر (۵) عرفات میں (۶) مزدلفہ میں (۷) رمی جمار کے وقت۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۷)
(۶) حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھاؤں تو آپ نے نماز پڑھائی اور صرف پہلی دفعہ رفع یدین کی۔ (ترمذی صفحہ ۶۳) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث حسن ہے صفحہ ۶۵۔ امیر علی غیر مقلد کہتا ہے کہ "حق یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے ابن حزم نے بخلی میں اس کی تصحیح کی ہے" عین الہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۸۔

(۷) حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب انہوں نے نماز شروع کی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر کیا اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا اور رکوع سے اپنا سر اٹھانے کے بعد پس رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ

دونوں جہدوں کے درمیان (مسند حمیدی جلد ۲ صفحہ ۷۷-۷۸) ابو انور جلد ۲ صفحہ ۹۰)

(۸) حضرت ابن عمر سے ہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے

رفع یدین کرتے دوبارہ نہ کرتے (عقی خلافت بحوالہ زبلی جلد ۱ صفحہ ۴۰۴)

(۹) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ

یہ یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کی پہلی تکبیر میں (ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۷)

(۱۰) عبدالعزیز بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو دیکھا کہ وہ نماز کی شروع

پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے اس کے علاوہ کسی جگہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے (موطا

امام محمد صفحہ ۹) واضح ہو کہ ابن عمر مدینہ میں رہتے تھے اور مدینہ کے امام مالک جو ۹۳ھ میں مدینہ

اور ۹۷ھ میں فوت ہوئے، یعنی خیر القرون کے دور میں، وہ فرماتے ہیں کہ میں پہلی دفع

یہ یدین کے علاوہ کو پہچانتا نہیں حالانکہ مدینہ میں پوری دنیا کے مسلمان حاضر ہی دیتے ہیں اور خود

امام مالک اس رفع یدین کے موطا اور بخاری میں راوی ہیں مگر عمل کے اعتبار سے فرماتے ہیں

کہ میں کسی کو یہ عمل کرتے پہچانتا نہیں بلکہ مدینہ میں رہ کر کھلم کھلا یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ

میرے نزدیک رفع یدین ضعیف ہے (المدوۃ الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۷)

(۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں یہ سب سوائے نماز کے شروع کی پہلی تکبیر

کے رفع یدین نہیں کرتے تھے راوی ابواسحاق فرماتے ہیں کہ ہم تمام نمازوں میں اس عمل کو

لیتے ہیں (دارقطنی جلد ۱ صفحہ ۲۹۵)

(۱۲) حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ نماز میں

کبھی رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کے شروع میں (طحاوی ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۰)

(۱۳) حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہلی تکبیر میں جس سے

از شروع کرتے رفع یدین کرتے پھر کبھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(العلل دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۲۶۔ بحوالہ مجموعہ رسائل جلد ۱ صفحہ ۲۳۶)

(۱۴) حضرت علی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے پھر اس کے بعد رفع یدین

نہیں کرتے تھے (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۳۲۔ ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶)

(۱۵) ابواسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ اور حضرت علی کے سارے شاگرد شروع

نماز کے علاوہ کبھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶)

(۱۶) عبدالملک بن الجبر فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعیبہ ابراہیم نعمی اور ابواسحاق کو

دیکھا ہے کہ وہ صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے (ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۷)

(۱۷) ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے کسی صحابہ کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا

(طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳) ان کی پیدائش ۷۰ھ میں اور وفات ۹۳ھ میں جو خیر القرون کا دور

ہے اس میں شریعت گھوڑوں والی عمل متروک ہو چکا تھا۔

(۱۸) حضرت برآ بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع

کرتے تو رفع یدین کرتے پھر سلام پھیرنے تک رفع یدین نہ کرتے۔

(المدوۃ الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۹۔ ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶۔ طحاوی دارقطنی۔ عبدالرزاق)

(۱۹) حضرت ابراہیم نعمی کے سامنے رفع یدین والی حدیث کا تذکرہ ہوا تو وہ غصہ میں

آئے اور فرمایا کہ حضرت وائل نے شاید اس ایک دن کے عمل کو دیکھ کر یاد کر لیا اور حضرت

عبداللہ بن مسعود اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ کو یہ عمل یاد نہ رہا میں نے تو کسی

راوی سے یہ مسئلہ سنا تک نہیں وہ تو صرف نماز کی ابتداء میں تکبیر کہتے وقت رفع یدین کیا

کرتے تھے (موطا امام محمد صفحہ ۵۴)

نوٹ: حضرت ابراہیم کی پیدائش ۶۶ھ میں اور وفات ۹۶ھ میں ہوئی جو صحابہ کرام کا دور

ہے معلوم ہوا کہ اس دور میں رفع یدین کرنا تو کجا زبانی اس کی روایت سن کر لوگوں کو غصہ آ جاتا تھا یہ بھی یاد رہے کہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۲۰) حضرت عباد بن الزبیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو ابتدا میں رفع یدین کرتے پھر فارغ ہونے تک نماز میں کہیں رفع یدین نہ کرتے۔ (زیلعی جلد ۱ صفحہ ۳۰۳)

مسئلہ نمبر ۱۳:

دیکھ کر قرآن پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ درمختار جلد ۱ صفحہ ۲۹۱، عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۳۹، ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۵۰۲، مدیہ صفحہ ۱۰۰۔ یہ مسئلہ بھی بیت القرقان والوں نے حل کیا ہے۔ اللہ صفحہ ۱۹۶-۱۹۷ سے لیا ہے مگر اس میں بھی سوائے بھوت کے کچھ نہیں کیونکہ درمختار میں ہے کہ نمازی کا قرآن دیکھ کر پڑھنا مطلقاً (یعنی قلیل ہو یا کثیر) نماز کو فاسد کرتا ہے کیونکہ یہ نماز میں علم کا سیکھنا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مشابہت ہے۔ (الدر المختار مع الشامیہ جلد ۱ صفحہ ۶۲۳، جلد ۱ صفحہ ۶۲۳)۔ اسی طرح عالمگیری میں ہے کہ نمازی کا قرآن سے قراءت کرنا امام صاحب کے نزدیک نماز توڑ دیتا ہے۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۰۱) البتہ صاحبین کا مسلک عدم فساد کا لکھ کر اس کی تردید کی ہے اور امام صاحب کی یہ دلیل لکھ کر کہ قرآن پاک سے الفاظ لے کر پڑھنا یہ نماز میں علم حاصل کرنا ہے اور یہ تعلیم نماز کے افعال میں سے نہیں ہے۔ اس علت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو اٹھا کر پڑھنا یا بغیر اٹھائے دیکھ کر پڑھنا دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہی صحیح قول ہے۔ (عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۰۱) وضاحت کر دی ہے کہ اس کے خلاف قول غیر منطقی ہے اور غیر منطقی بہ قول پر فتویٰ دینے کا صاحب درمختار نے خلاف اجماع لکھا ہے۔ (الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۱۰۱)۔ ہدایہ کے حوالے سے عین الہدایہ کا صفحہ تحریر کیا ہے اور وہ بھی ناقص حوالہ ہے کیونکہ ہدایہ میں امام صاحب کا

مسئلہ یہی لکھا ہے کہ قرآن دیکھ کر نماز پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (عین الہدایہ جلد ۱ صفحہ ۵۰۱) البتہ عین الہدایہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ یہی مسلک سعید بن المسیب، حسن بصری، شعبی، سلمی رحمہم اللہ کا ہے۔ (جلد ۱ صفحہ ۵۰۱) مگر اس معروف عمل کو بیت القرقان والوں نے ٹھکرے جے پوری کی تھلید شخصی میں چھوڑ دیا اور اس علاقے کا جو منکر عمل تھا اس کو اگلے صفحے سے منسوخ کیا گیا اور یہ بیان نہیں کیا ہے کہ ہدایہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک قرآن دیکھ کر پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ اس میں مشابہت ہے۔ (عین الہدایہ جلد ۱ صفحہ ۵۰۲)۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے کے معروف عمل کو چھڑوا کر عوام کو یہ لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ پھر اسی صفحہ پر بھی امام صاحب کی دو دلیلوں پر بحث کرنے کے بعد امیر علی غیر مقلد نے لکھا: محقق تعلیل دوم ہے کہ صحیفہ پر دیکھ کر پڑھنے سے تلقین لازم آتا ہے اور وہ مفسد ہے خواہ صحیفہ اٹھائے ہو یا رکھا ہو یا خراب پر لکھا ہو ہذا کافی میں لکھا کہ بہر حال میں مفسد ہے اور یہی صحیح ہے۔ (عین الہدایہ جلد ۱ صفحہ ۵۰۲) معلوم ہوا کہ تعصب کی وجہ سے صحیح قول نظر نہیں آتا۔ غیر صحیح لکھ کر عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔۔۔۔۔ مدیہ المصلیٰ میں بھی اس مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا مذکورہ بالا اختلاف ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بہر حال میں نماز ٹوٹ جاتی ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے مگر علامہ حلبی نے شرح میں لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے کہ قرآن نماز میں دیکھ کر پڑھا جائے اور وجہ بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی مشابہت ذکر کی ہے۔ (نفیہ المستملیٰ صفحہ ۴۲۳)۔ معلوم ہوا کہ چاروں کے چاروں حوالے غیر مقلدانہ خیانت اور تحریف معنوی کا حکار ہو چکے ہیں۔

اسئلہ مسئلہ:

غیر مقلدین کا مجموعی مزاج یہ ہے کہ معروف عمل کے خلاف کسی منکر عمل میں عوام کو

الجواز اور معروف کو صرف چھڑاؤ ہی نہیں بلکہ اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھو۔ تو ان علاقوں میں فقہ حنفی کے مطابق عمل چل رہا ہے اور تمام مسلمان قراءۃ قرآن دیکھ کر کرنے کو مفسد صلوٰہ کا سمجھتے ہیں مگر نواب وحید الزمان غیر مقلد نے فتویٰ دے دیا کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۱) اسی کو یوسف جے پوری اور مبشر ربانی اور بیت الفرقان والوں نے لے لیا حالانکہ نبی اقدس ﷺ کے ۲۳ سالہ دور نبوت میں کہیں ایک نماز کی ایک رکعت میں بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے دیکھ کر قرآن پڑھا ہو اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی کو قرآن دیکھ کر پڑھنے کا حکم دیا۔ البتہ یہ تو ثابت ہے کہ (۱) حدیث رفاہ میں آپ ﷺ نے مسی الصلوٰۃ کو حکم دیا کہ اگر قرآن نہ آتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور تکبیر و تہلیل کر لے۔ (ابوداؤد صفحہ ۸۷) یہ حدیث حسن ہے۔ (ترمذی صفحہ ۷۰) اسی طرح (۲) حضرت ابن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں قرآن یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا آپ مجھے کسی ایسی چیز کی تعلیم دیں جو قرآن کی جگہ مجھے کفایت کرے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ کلمات کہ یا کر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم (نسائی صفحہ ۹۳) دیکھئے حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر قرآن یاد نہیں ہوتا تو دیکھ کر پڑھ لیا کر..... تو جس طرح یہ مسئلہ قول و فعل نبوی علیہ السلام سے ثابت نہیں اسی طرح تقریر نبوی ﷺ سے بھی ثابت نہیں کہ حضور ﷺ کے سامنے کسی نے قرآن دیکھ کر نماز میں پڑھا ہو اور آپ ﷺ خاموش رہے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دور نبوی میں کسی صحابی کو یہ جرأت نہ تھی کہ حضور ﷺ کے سامنے نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھتے۔ (۳) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں امیر المؤمنین حضرت عمرؓ منع فرماتے تھے کہ لوگوں کی امامت قرآن دیکھ کر کرائی جائے۔

(کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۳۵)

معلوم ہوا کہ یہ کام سنت خلفاء راشدین کے بھی خلاف ہے۔ (۴) عیاش عامری فرماتے ہیں کہ سلیمان بن حنظلہ بکری ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو قرآن دیکھ کر لوگوں کو امامت کرارہا تھا تو انہوں نے اس کو پاؤں مارا۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۸) کاش! کہ ان غیر مقلدوں کو بھی کوئی پاؤں کی ٹھوکریں مارنے والا مل جائے۔ شاید ٹھوکرا کھا کر اس فعل سے باز آجائیں۔ (۵) حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ابو عبد الرحمن قرآن دیکھ کر امامت کرانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ) (۶) امام عیاش فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی قرآن دیکھ کر امامت کرانے کو ناپسند کرتے تھے کہ کہیں یہودیوں اور عیسائیوں سے مشابہت نہ ہو جائے۔ (۷) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ عمومی طور پر لوگ قرآن دیکھ کر امامت کرانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۹)

واضح رہے کہ یہ ابراہیم نخعی صحاح ستہ کے راوی ہیں اور صحابہ کرام کے دور ۳۶ھ میں ان کی پیدائش اور صحابہ کرام ہی کے دور ۹۶ھ میں ان کا وصال ہوا، تو یہ صحابہ اور تابعین پر عمومی حکم لگاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی یہودیوں اور عیسائیوں والے اس عمل کو پسند نہیں کرتا تھا۔ (۸) حضرت مجاہد بھی اس کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی قرآن دیکھ کر امامت کرانے۔ (ابن ابی شیبہ) (۹) حضرت سعد بن المسیب بھی قرآن دیکھ کر امامت نہیں کرواتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ) (۱۰) حضرت حسن بصری بھی اس کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسا کام عیسائی کرتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ) (۱۱) حضرت حماد اور قتادہ نے رمضان میں ایک شخص کو قرآن دیکھ کر نماز پڑھاتے دیکھا تو اس کو ناپسند فرمایا۔ (ابن ابی شیبہ) (۱۲) حضرت عامرؓ بھی فرماتے تھے کہ قرآن دیکھ کر امامت نہ کروائی جائے۔ (ابن ابی شیبہ)

اس مسئلہ پر مبشر احمد ربانی لکھتے ہیں کہ نماز میں قرآن مجید کو اٹھا کر قراءۃ کرنا جائز و درست ہے لیکن اسے معمول نہیں بنانا چاہئے۔ (آپ کے سوال قرآن و سنت کی روشنی

میں جلد ۱۱۸ صفحہ ۱۱۸) اس عبارت میں ایک جزء مثبت ہے یعنی قرآن دیکھ کر قراءۃ کرنا جائز ہے اور دوسرا جزء منفی ہے کہ اسے معمول نہیں بنانا چاہئے..... ربانی صاحب نے جزء مثبت کو مدلل کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کے نزدیک بھی معمول بن نہیں ہونا چاہئے اور قرآن دیکھ کر قراءۃ نہ کرنا جو ان کے نزدیک بھی اصل معمول ہے اس کی طرف نظر التفات نہیں فرمائی ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معروفات کے مقابلہ میں منکرات و متروکات کی ترویج کی طرف ان کی توجہ ہے مگر نہ تو کتاب اللہ سے اس کے جواز کو ثابت کر سکے ہیں، نہ نبی اقدس ﷺ کے قول، فعل یا تقریر سے۔ البتہ حضرت عائشہ سے بخاری کی ایک روایت بلا سند ذکر کی ہے جس کے بارہ میں غیر مقلد امیر علی بھی یہی کہتا ہے کہ اس روایت کی تصحیح چاہئے ہے۔ (سین الہدیۃ جلد ۱ صفحہ ۵۰۲) پھر یہاں یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ حضرت عائشہ ام المؤمنین ہیں یا عائشہ بنت طلحہ ہیں۔ ربانی صاحب کے (۵) سے نشان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عائشہ ام المؤمنین ہیں مگر ابن ابی شیبہ سے عائشہ بنت طلحہ کا شبہ ہے، اگر حضرت ام المؤمنین ہی ہوں تو بھی علامہ طبری فرماتے ہیں کہ ان صحیح فہو محمود علی انہ کاف یو اجدہ قبیل الصلوٰۃ لیکون یدکوہ اقرب (غنیۃ المستمل صفحہ ۴۲۳) یعنی اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس کو اس معنی پر محمول کرنا چاہئے کہ ذکو ان نماز سے تھوڑی دیر پہلے قرآن کی طرف مراجعت کرتا تھا تا کہ قرآن پاک کو تکبیر تحریر سے زیادہ قریبی حالت میں یاد کر لے جیسا کہ آج کل بھی کچھ حافظ جن کا سامع نہیں ہوتا وہ قرآن پاک قریب رکھ لیتے ہیں اور اگر بھول جائیں تو سلام پھیرنے کے بعد قرآن دیکھ کر اپنی تصحیح کر لیتے ہیں یا یومہا من المصحف میں من تبعضیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ نماز میں پوری سورۃ نہیں پڑھتے تھے بلکہ بعض بعض حصہ پڑھ کر سورۃ کو ختم کرتے تھے۔

۶۶ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ شمس الائمہ السنخسی کی

ہے اور یہ راجح ہے۔ (تقریر بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۸۵) اور امام بخاری نے بھی اس روایت سے نماز میں دیکھ کر قرآن پڑھنے پر استدلال نہیں کیا بلکہ غلام کی امامت کے جائز ہونے کے باب میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک بھی یہ استدلال درست نہیں ہے۔ ربانی صاحب نے ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ابن شہاب زہری نے فرمایا جب سے اسلام آیا ہے اس وقت سے وہ لوگ جو ہم سے بہتر تھے قراءۃ قرآن مجید سے کرتے رہے ہیں۔ (قیام اللیل صفحہ ۱۶۸) مگر اس کی سند ذکر نہیں کی..... معروف عمل کے خلاف بے سند اقوال ذکر کر کے ہی لوگوں کو غیر مقلد بنایا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ قیام اللیل کے مصنف محمد بن نصر ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے جبکہ ابن شہاب زہری ۱۲۵ھ میں انتقال فرما چکے تھے تو ۷۷ سال بعد پیدا ہونے والے نے ابن شہاب سے یہ قول کیسے نقل کیا ہے؟

مسئلہ نمبر ۱۳:

انکساری کے لئے سر کھول کر نماز پڑھنا درست ہے (در مختار ج ۱ ص ۲۹۹) یہ مسئلہ بھی ھقیقۃ الفقہ ص ۱۹ سے نقل کیا ہے اور حسب سابق اس کے نقل کرنے میں انتہائی خیانت سے کام لیا ہے۔ در مختار میں ہے کہ نمازی کا سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ عاجزی کے لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نماز کی اہانت کے طور پر ننگے سر نماز پڑھنا کفر ہے اور اگر نمازی کی ٹوپی گر پڑے تو بغیر عمل کثیر کے اس کا سر پر رکھ لینا افضل ہے (در مختار مع الشامیہ ص ۶۳۱، ج ۱) اور نکاسل اور سستی کی تشریح علامہ شامی نے یہ کی ہے کہ نماز میں سر چھپانے کو اہم چیز نہ سمجھے (شامی ص ۶۳۲، ج ۱) اور غور کرنے سے غیر مقلدین کی حالت یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس سر چھپانے کو اہم نہیں سمجھتے بلکہ بعض تو اہانت تک پہنچ جاتے ہیں جس بناء پر واما للاہانۃ فکفر تک نوبت پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ تو غیر مقلدین جن عبارات کے

مصدق ہیں وہ ذکر نہیں کیں اور تذلل اور عاجزی والی عبارت جس کے وہ مصداق نہیں بنیں کر دی ہے۔ بلکہ ہمارے عرف میں ننگے سر رہنے کو عاجزی سمجھنے کا رواج نہیں۔ سر کو چھپانا عاجزی اور ادب سمجھا جاتا ہے۔

الطیفة: غیر مقلدین کے قرآنی آیات، احادیث اور فقہی عبارات بے موقع استعمال کرنے پر لطیفہ یاد آیا کہ ایک آدمی استنجاء خانے میں بوقت استنجاء یہ دعا پڑھ رہا تھا کہ اللہم ارحمینی والرحمة المحببة ولا ترحمینی والرحمة النارية (اے اللہ! مجھے جنت کی خوشبو سگھانا اور جہنم کی بدبو سگھانا) کسی نے باہر نکلنے پر پوچھا کہ یہ کیا پڑھ رہے تھے؟ تو کہا کہ حدیث میں یہ دعا آئی ہے۔ اس نے کہا یہ دعا تو وضو میں ناک میں پائی ڈالنے کے وقت کی ہے، استنجاء کے وقت کی تو نہیں۔ اس نے کہا جہاں کوئی تیرا مقلد تو نہیں۔ بس حدیث میں آگئی ہے میں جہاں چاہوں پڑھوں۔ نصیحت کرنے والے نے کہا کہ بھائی ٹھیک ہے کہ تو غیر مقلد ہے، مگر خدا نے یہ پانچ سیر کا سر جو تیرے جسم پر رکھا ہے یہ کوئی سزا کے طور پر پٹھو نہیں لگایا ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے عقل والا ایک قیمتی جوہر رکھا ہے۔ اس سے ہی تو مومن لے کہ خوشبو اور بدبو کا ادراک اس سوراخ (استنجاء والے) سے ہوتا ہے جس پر تو یہ دعا پڑھنا ہوتا ہے تاکہ اس کے سوراخ سے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں؟ تو جس طرح وہ غیر مقلد دعا کا سوراخ بھول گیا اسی طرح یہ غیر مقلد درخت کی اس عبارت کا موقع اور محل بھول گیا ہے۔

پھر علامہ شامی نے لا باس کی تشریح میں شرح منیہ کا ایک قول یہ بھی ذکر کیا تھا: فیہ اشارة الی ان الاولی ان لا یفعلہ یعنی لفظ لا باس (ص ۶۳۴، ج ۱) میں اشارہ ہے کہ اگر کسی علاقہ میں تذلل سرنگ رکھا جاتا ہے تو بھی بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے (فرمان خداوندی خلدوا ذینکم پر عمل کرتے ہوئے) یہ فعل اختیار نہ کرے۔ ایک دوسرے مقام پر بھی علامہ شامی فرماتے ہیں کلمہ لا باس کا غالب استعمال اس مقام میں ہوتا ہے جس کا

تذکرہ اولی ہوا (شامی ص ۱۱۹، ج ۱)

اصل مسئلہ: جمہور امت نے قرآن و سنت کی روشنی میں نماز میں سر چھپانے کو مستحب قرار دیا تھا اور اسی پر امت کا متواتر عمل تھا۔ یہاں تک کہ ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہوا۔ ان کے ہاں اکثر ننگے سر رہنے اور سلوٹ مار کر ایک ہاتھ ملانے کا رواج تھا۔ کچھ لوگوں نے ایسی باتوں کو حکمرانوں کی رسم سمجھ کر اپنالیا اور کچھ سرکاری مولویوں نے اس کو سنت قرار دیا۔ ابتداء میں تو کچھ لوگ اس کو انگریزوں کی سنت سمجھتے رہے، مگر جب انہوں نے احادیث و دلیل میں پیش کرنی شروع کیں تو پتہ چلا کہ یہ لوگ اس انگریزی عمل کو سنت نبویہ کے عنوان سے رائج کرانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ ستاریہ میں ہے: بے شک ننگے سر نماز پڑھنا بھی مستون طریقہ ہے (فتاویٰ ستاریہ ص ۹۸، ج ۱) نیز مولوی عبدالستار صاحب لکھتے ہیں: ننگے سر نماز پڑھنا، جوئی پہن کر نماز پڑھنا، نماز میں تین بار آمین بالجہر کہنا، یا رب اغفر لی آمین کہنا یہ سب امور مستونہ و مشروعہ ہیں (فتاویٰ ستاریہ ص ۱۲۲، ج ۱)

اولاً: جمہور: (۱) قرآن پاک میں ہے: اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو (الاعراف آیت ۳۰) اس آیت کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چونکہ نماز میں صرف ستر پوشی ہی مقصود نہیں بلکہ لباس زینت اختیار کرنے کا ارشاد ہے اس لئے مرد کا ننگے سر نماز پڑھنا یا موٹے سے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے (معارف القرآن ص ۵۳۳، ج ۳) نیز فرماتے ہیں: سر موٹے سے کہنیاں کھول کر نماز کا مکروہ ہونا آیت قرآنی کے لفظ زینت سے بھی مستفاد ہے اور رسول کریم ﷺ کی تصریحات سے بھی (معارف القرآن ص ۵۳۳، ج ۳) خاتم الحدیث حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ اسی آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ لفظ زینت کا لفظ نصاب ہے کہ آدمی نماز کے وقت بہ نسبت غیر نماز کے اچھی حالت میں ہو اور اس کی وضاحت حدیث اور

فقہ نے کی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ (۱) حضور ﷺ کی نماز میں پگھڑی سات ہاتھ ہوتی تھی اور فقہ میں ہے کہ مستحب ہے کہ آدمی تین پگھڑیوں میں نماز پڑھے جن میں سے عمامہ بھی ہے (فیض الباری ص ۷۷ ج ۲)..... (۲) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ محرم کیا کچھ پہن سکتا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ محرم قمیص، شلوار اور ٹوپی نہ پہنے الخ (بخاری ص ۵۳) امام بخاریؒ اس حدیث کو کتاب السلوۃ میں آکر بتا رہے ہیں کہ عام نماز تو سر کو چھپاتے تھے مگر محرم کو حضور ﷺ نے سر چھپانے سے روک دیا کہ وہ نماز میں بھی سر نہ نکالے گا۔..... (۳) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لوگ (گرمی کی شدت کے وقت) پگھڑیوں اور ٹوپیوں پر سجدہ کیا کرتے تھے (بخاری ص ۵۶ ج ۱) یہ حضرت حسن بصریؒ تقریباً ۲۱۰ھ ہمد فاروقی میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ الأشعری، حضرت ابو بکر، حضرت عمران ابن الحصین، حضرت جنید بخلی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصم، حضرت امیر معاویہ، حضرت مفضل بن یسار، حضرت انس، حضرت جابر رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ بہت سے صحابہ اور تابعین کے شاگرد ہیں جنہوں نے ان اکابرین کو گرمی سے بچنے کے لئے پگھڑیوں کے چھپوں پر سجدہ کرتے دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ صحابہ اور تابعین پگھڑیوں سمیت نماز پڑھا کرتے تھے۔..... (۴) صالح بن حرانؒ مرسل نقل کرتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنی پیشانی سے عمامہ کو اٹھا لیتے (کنز العمال ص ۲۱ ج ۷)۔

(۵) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: پگھڑی کے ساتھ دو درختیں بغیر پگھڑی کے ستر رکعتوں سے بہتر ہیں (کنز العمال ص ۱۳۳ ج ۱۵)..... (۶) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ پگھڑی کے ساتھ نفل یا فرض نماز بغیر پگھڑی کے پچیس نمازوں کے برابر ہے اور پگھڑی کے ساتھ سجدہ پڑھنا بلا پگھڑی کے ستر جمعوں کے برابر ہے (کنز العمال ص ۳۳

(۱۵)..... (۷) ابوالثنیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے قاضی شریح کو اپنی ٹوپی میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۵ ج ۱)..... (۸) عبد الرحمن بن الاسود اپنے باپ اسود کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنے لباس کے ساتھ کلی ٹوپی میں سجدہ کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۵ ج ۱)..... (۹) محدث عید اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسود کو اپنی سبز ٹوپی میں سجدہ کرتے دیکھا ہے اور میں نے عبد الرحمن بن یزید کو شامی ٹوپی میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔..... (۱۰) موسیٰ بن نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر کو ٹوپی میں نماز پڑھتے دیکھا ہے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۶ ج ۱)..... (۱۱) ابواسحاقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عاتقہ اور مسروق کو اپنی ٹوپیوں میں نماز پڑھتے دیکھا ہے (ابن ابی شیبہ)..... (۱۲) حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے بعض اپنی پگھڑیوں پر سجدہ کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۶ ج ۱)..... (۱۳) عبد الرحمن بن یزید اپنی پگھڑی کے بیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۷ ج ۱)..... (۱۴) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیب اور حسن بصریؒ پگھڑی کے بیچ پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۷ ج ۱)..... (۱۵) سعید فرماتے ہیں کہ بکر پگھڑی باندھنے کی حالت میں سجدہ کرتے تھے (ایضاً).....

(۱۶) محمد بن راشدؒ حضرت کھول سے نقل کرتے ہیں کہ وہ پگھڑی کے بیچ پر سجدہ کرتے تھے تو میں نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ننگریوں کی ٹھنڈک کی نوج سے اپنی نظر کے نقصان کا خوف کرتا ہوں (اس لئے پگھڑی کے بیچ پر سجدہ کرتا ہوں) (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۷ ج ۱).....

(۱۷) جعفر بن برقانؒ ابن شہاب زہری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: پگھڑی کے بیچ پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۷ ج ۱)..... (۱۸) ابودرقاء فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفیٰ کو اپنی پگھڑی کے بیچ پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۷ ج ۱)..... (۱۹) محمود بن ربیعؒ حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ

جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو اپنی پگڑی کو پیشانی سے اوپر کر لیتے (ابن ابی شیبہ
 ص ۲۶۷ ج ۱)..... (۲۰) ابن ابی شیبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ
 نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنی پیشانی سے پگڑی کو ہٹالے (ابن ابی شیبہ
 ص ۲۶۸ ج ۱)..... (۲۱) حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی پگڑی کے
 بیچ پر سجدہ نہیں کرتے تھے (یعنی پیشانی سے پگڑی بنا لیتے) (ابن ابی شیبہ)..... (۲۲)
 عیاض بن عبد اللہ قرشی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو پگڑی کے بیچ پر سجدہ کرتے
 دیکھا تو اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ کر کے فرمایا کہ پگڑی کو اوپر اٹھالے (ابن ابی شیبہ
 ص ۲۶۸ ج ۱)..... (۲۳) اشعث فرماتے ہیں کہ محمد بن حیر بن پگڑی کے بیچ پر سجدہ کر رہا
 سمجھتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۸ ج ۱)..... (۲۴) حشام اپنے باپ (حضرت عمرو) سے
 نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ پگڑی ہاتھ سے والا اپنی پیشانی کو زمین پر ٹکائے (ابن
 ابی شیبہ ص ۲۶۸ ج ۱)..... (۲۵) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک
 آدمی کو (بطور انکار) فرمایا کہ شاید تو ان لوگوں میں سے ہے جو پگڑی کے بیچ پر سجدہ کرتے ہیں
 (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۸ ج ۱)

نوٹ: نمبر ۲۵، ۲۳، ۲۴ یہ معلوم ہوا کہ خیر القرون میں یہ اختلاف تو تھا کہ پگڑی کے بیچ پر سجدہ
 مکروہ ہے یا نہیں۔ مگر اس بارہ میں اتفاق تھا کہ وہ پگڑی وغیرہ سے سر چھپا کر نماز پڑھا کرتے
 تھے بلکہ غیر مقلدین میں سے اکثر پرانے حضرات سر ڈھانپنے کو ہی افضل سمجھتے تھے۔ چنانچہ
 نواب وحید الزمان صاحب فرماتے ہیں کہ نمازی کا سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ
 ہے، البتہ عاجزی کے طور پر کوئی حرج نہیں (نزل الابراہیم ص ۱۱۳ ج ۱) اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ
 اس علاقہ میں سر کھولنا عاجزی نہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں پگڑی گر جائے تو اس کا سر پر
 رکھ لینا افضل ہے (نزل الابراہیم ص ۱۱۳ ج ۱)..... خلق بھی صاحب مولانا داؤد غزنوی کے بارہ
 میں لکھتے ہیں "ننگے سر نماز پڑھنا اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر وضو کرنا مالکنا ان کے نزدیک نہایت

بہ نسبت یہ فعل تھا (نقوش عظمت رفتہ ص ۲۳) نیز انہی کے بارہ میں لکھا ہے: ننگے سر نماز
 پڑھنا مولانا کو ناگوار گزارتا تھا۔

اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو: ایک مرتبہ مسجد چینیوں والی میں بیٹھے تھے کہ ملک محمد
 رفیق جو ان کے پرانے عقیدت مند اور حلقہ مسجد چینیوں والی کے رہنے والے تھے ان کی
 موجودگی میں مسجد میں آئے اور ننگے سر نماز پڑھنے لگے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان کو
 بلایا اور فرمایا: ملک صاحب! ایک بات عرض کروں؟ انہوں نے کہا: مولانا فرمائیے کیا ارشاد
 ہے؟ کہا: "ننگے سر نماز پڑھا کریں۔" (داؤد غزنوی ص ۱۳۳)

..... اسی طرح مولوی اسماعیل امیر جماعت اہل حدیث اور بدیع الدین شاہ
 راشدی بھی ننگے سر نماز پڑھنے کے خلاف تھے۔

وساوس:

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک کپڑے میں نماز پڑھنا اور ان کا فرمانا کہ میں نے
 حضور ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا (بخاری) جواب: حدیث میں صراحت ہے
 کہ انہوں نے بیان ضرورت کے لئے ایسا کیا اور کسی روایت میں یہ نہیں کہ حضرت جابر کا
 زندگی کا معمول ہی یہ تھا۔ خلاف معمول تو بخاری شریف میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا منہ پر
 نماز پڑھنا، بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا وغیرہ بھی ہے۔ پھر حدیث جابر میں ایک کپڑے میں نماز
 پڑھنے پر اعتراض بھی ہے جو اس کی دلیل ہے کہ یہ عام صحابہ کرام کا معمول نہیں تھا اور پھر
 بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ یہ بات اس وقت کی ہے جب وہ کپڑے ملنا بھی مشکل تھا اور
 حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو تم بھی وسعت کرو (بخاری
 ص ۵۳) نیز ایک کپڑے میں نماز پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سر ننگا ہو۔ بڑی چادر میں سر
 اور پورا جسم آدمی چھپا سکتا ہے۔ لہذا عبد اللہ کہیا نوالی غیر مقلد کا یہ کہنا کہ "ایک کپڑے میں
 نماز پڑھنے سے سر ننگا رہتا ہے" (فتاویٰ ستارہ ص ۱۳۶ ج ۱) صحیح نہیں۔ نیز امام بخاری نے

حضرت عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر عورت ایک کپڑے میں اپنا جسم چھپالے تو نماز جائز ہے (بخاری ص ۵۳) تو اب غیر مقلد عورتوں کو بھی ننگے سر نماز پڑھنی چاہئے، کیونکہ یہاں ایک کپڑے کا ذکر ہے۔ نیز امام بخاری نے بھی اس حدیث سے ننگے سر پر استدلال نہیں کیا۔

(۲) مبشر احمد ربانی اور مولوی عبدالستار امام غریب اہل حدیث نے لا نقبل صلوة حائض الا بحمار سے استدلال کیا ہے کہ عورت کی تخصیص سے راجل خارج ہے۔ معلوم ہوا مرد کی نماز ننگے سر جائز اور مقبول عورت کی نماز ننگے سر ناجائز و مردود ہے۔ اگر مرد کی نماز بھی ننگے سر ممنوع ہوتی تو عورت کے لئے اتنا تقید و تخصیص سکوت و جواز نہ ہوتا بالفاظ امام غریب (فتاویٰ ستار یہ ص ۱۲۲، ج ۱)

جواب: اگر حائض کے تقید و تخصیص سے آدمی کی نفی ہو رہی ہے تو جناب غمار (دو پند) کی تکلیف و تخصیص سے شلو اور قیص کی نفی کیوں نہیں ہوگی۔ پھر ذرا کھل کر اعلان کریں کہ عورت کے لئے صرف دو پند کی ضرورت ہے، شلو اور قیص کی ضرورت نہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ صرف شریعت کا جنازہ غیر مقلدوں نے نہیں نکالا بلکہ شرم و حیا بھی بے گور و کفن ان کے دروازہ پر تڑپ رہی ہے اور اگر دوسری کسی روایت کے سہارے سے آپ ان دو کپڑوں کا عورت کے لئے ضروری ہونا ثابت کریں گے تو ہمارے مذکورہ بالا دلائل آدمی کے سر چھپانے کے لئے کافی کیوں نہ ہوں گے؟ بنی آدم خلوا ربکم عند کل مسجد میں بنی آدم میں مرد داخل نہیں؟ حدیث پاک میں ہے: العمائم وقار للمؤمن وعز للعراب الخ (کنز العمال ص ۱۳۳، ج ۱۵) اس حدیث سے پگڑی کا وقار اور زینت ہونا واضح ہوا اور قرآنی آیت سے اس کے نماز میں استحباب پر پوری امت نے اتفاق کیا ہے۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اہل سنت سر چھپانے کو مستحب کہتے ہیں اور غیر مقلدین عدم فریضت کی دلیل سے اس کا رد کرتے ہیں، یعنی جس کی تردید کر رہے ہیں اس کا تو دعویٰ ہی نہیں اور جس

جز کا دعویٰ ہے اس کی تردید نہیں۔ "ماروں گھٹنا چو نے آکھ" والا محاورہ سنا تو بھینچن سے تھا مگر کچھ غیر مقلدین کے اس جیسے استدلال سے آیا ہے۔

(۳) مولوی عبدالستار امام غریب اور عبد الجلیل سامرودی فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے سر ننگے سر نہیں، لہذا سر کا ڈھانپنا ضروری نہیں (فتاویٰ ستار یہ) جواب: فرض اور ضروری ہونے کی تردید نہیں، استحباب کی بات چل رہی ہے، اس کی طرف غیر مقلدین آتے نہیں، پھر اگر ستر ہونے سے سر کو ننگا رکھتا ہے تو قیص، جرابیں، دستاں وغیرہ سب کچھ اتار چھیننے چاہئیں۔ سر میں اللہ نے عقل کا جو ہر رکھا ہے، کیا اس لئے آپ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں؟

(۴) مولوی عبد الجلیل سامرودی فرماتے ہیں: "محرم برادر برہنہ فرض لوالہ سب ادا کرتا ہے الخ" (فتاویٰ ستار یہ ص ۱۲۳، ج ۱) جواب: سبحان اللہ! ائمہ مجتہدین کے قیاس کو کار نہیں کہنے والے خود بالکل تصویص کے مقابلہ میں اسی طرح قیاس کرتے ہیں جیسے اہلسن نے کیا تھا۔ ہمارے مذکورہ بالا دلائل کے سامنے یہ قیاس بمقابلہ تصویص ہے۔ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ حالت احرام اور غیر حالت احرام کا کچھ فرق نہیں۔ یہ درست نہیں، کیونکہ حالت احرام میں عدا کپڑا پہننا مرد کے لئے ناجائز اور غیر مسلم کپڑوں میں نماز پڑھنا ضروری ہے۔ کیا اپنے اس ثنوی کی بنا پر غیر مقلد یہ اعلان کریں گے کہ آدمی کے لئے ہر حالت میں مسلم کپڑے میں ازار ناجائز ہے؟

(۵) عبد الجلیل سامرودی کہتے ہیں کہ گاہے نبی اکرم ﷺ کا گاہے اتار کر سترہ کی جگہ رکھ لیا کرتے تھے (فتاویٰ ستار یہ ص ۱۲۳) جواب: بدیع الدین راشدی غیر مقلد نے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر یہ روایت کہیں ہو تو اس سے سر کا ننگا ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ حضور ﷺ اکثر پگڑی کے نیچے ٹوپی رکھا کرتے تھے، جیسا کہ شمائل سے معلوم ہوتا ہے، تو ٹوپی کے رکھنے سے پگڑی کا اتارنا لازم نہیں آتا۔ حضور ﷺ نے تو ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں

فرمایا کہ اگر عصا نہ ہو تو مٹکھنچ دیا کر دو۔ ٹوپیاں اتار کر رکھنے کا کہیں حکم نہیں دیا۔ اگر بغرض حال ایسا واقعہ کہیں پیش آیا بھی ہو تو ضرورت سزا پر محمول ہوگا۔ عام حالت میں ننگے سر پہ تو استدلال ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی کہے کہ غسل خانہ میں ضرورت کپڑے اتارے جاتے ہیں تو ہم عام حالت میں بھی کپڑے اتار کر پھریں گے۔ الضرورات تنقذ بقدر الضرورة (یعنی ضرورت والی چیز حد ضرورت تک ہی بند رہتی ہے) والے عقلی اور شرعی اصول سے اعتراف کا نام ہی غیر مقلدیت ہے۔ اسی طرح سامروہی صاحب نے حضرت شریک کے ٹوپی کو سزا بنانے سے بھی استدلال کیا ہے۔ تو سورہ نمبر ۵ کے جوابوں کے علاوہ ذکر ہے کہ جناب کے ہاں تو قول صحابی حجت نباشد (عرف الجادی ص ۳۸، ص ۱۰۱) یعنی صحابہ کرام کے اقوال بھی حجت نہیں۔ تو اب تابعین کے دروازہ پر کاسہ گدائی کیسے لئے پھر رہے ہیں۔

۵۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے کی کوئی صریح روایت ذخیرہ احادیث میں نہیں ہے۔ اس کو فیشن بنانا مزاج شریعت کے خلاف ہے۔

ضرورت اتحاد

قارئین کرام پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسلمانوں کو ماضی میں جتنی الترق و اتحاد کی ضرورت تھی اس سے کئی گنا زیادہ اس وقت ضرورت ہے عالم کفر شکار اسلام کو بے یمن سے اکھاڑنے کی فکر میں ہے۔ پوری کفریہ طاقتیں اہل اسلام کے خلاف متحد ہو گئی ہیں مگر مسلمانوں کو مادر پدر آزادی اور خود رانی نے ایسی سر پھٹول میں مبتلا کیا ہے کہ الاصاب و الحفیظہ

صورت اتحاد:

ضرورت اتحاد تو ایک بدیہی چیز ہے جس پر کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص فخر و اتحاد بلند کرتا ہے مگر صورت اتحاد میں اتفاق نہیں۔ ہر نیا فرقہ بنانے والا بڑے زور شور سے اتحاد کا اعلان کرتا ہے مگر کہتا ہے کہ میری جماعت میں سارے شریک ہو جائیں۔ منکر حدیث اتحاد اس کو قرار دیتے ہیں کہ سارے مسلمان نحوذ باللہ منکر حدیث بن جائیں، منکر فقہ سب کو منکر فقہ بنا کر اتحاد کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں، اہل بدعت اپنی بدعات میں سنت کو مدغم کر کے اعلان اتحاد کے منظر ہیں، منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم انکار آیات کے آئینہ میں وحدت ملت دیکھنا چاہتے ہیں، خارجیت زدہ لوگ اپنے نظریات کے پیرو میں اتحاد کو مضمحل سمجھتے ہیں مگر صحیح صورت اتحاد یہی ہے کہ جہاں کہیں افتراق ہوا ہے اس افتراق کو ختم کیا جائے، خود بخود صورت اتحاد پیدا ہو جائے گی۔

بہت سے فرقے تو وہ ہیں جو پاکستان بننے کے بعد معرض وجود میں آئے ہیں اور

اگر ایک یا ڈیڑھ صدی قبل کا مطالعہ کر لیا جائے تو بہت سے جدید نظریات سامنے آئیں گے ان کو ختم کر کے امت میں وحدت پیدا ہو سکتی ہے۔ دور حاضر میں روضہ رض کے نام پر ایک نیا فرقہ معرض وجود میں آ چکا ہے جس کی عمر پاکستان کی عمر سے کم ہے۔

عمود احمد عباسی نے اس فرقہ کی داغ بیل ڈالی اور بہت سے لوگ حب حضرت معاویہ کے نام سے بغض اہل بیت کے مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اہل رض کے بارہ میں مشہور تھا کہ ان میں حب علی نہیں بلکہ بغض معاویہ ہے۔ بالکل اسی طرح اس عباسی گروہ میں حب معاویہ نہیں بلکہ بغض علی کا فرما ہے حالانکہ اہل سنت و الجماعت کا طرہ امتیاز یہی ہے کہ رہا ہے کہ صحابہ کرام کو نجوم ہدایت سمجھ کر سمت منزل متعین کر کے حب اہل بیت کے سینہ نوح میں بیٹھ کر اپنی روحانی منزل مقصود تک پہنچتے رہے ہیں۔

رض کی تائید یا تردید:

یہ گروہ رافضیت کی تردید کا نعرہ بلند کرتا ہے حالانکہ خود کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دانش یا نادانستہ طور پر رافضیت کے مؤید ہیں اور اہل سنت و الجماعت کے مخالف کیونکہ رافضی دنیا کو ہمیشہ یہ باور کرانے کی کوشش میں رہے ہیں کہ اہل سنت اہل بیت کے منکر ہیں مگر اس دعویٰ پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی، ان کی ضرورت تھی کہ کوئی نام نہاد سنی کہلانے والا اہل بیت کی توہین کرے تاکہ ہم اپنے دعویٰ میں سچے ہوں۔ اس گروہ نے ہمارے ہمارے سنی بن کر رافضیت کی دیرینہ آرزو پوری کر دی ہے کہ کبھی حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسین کو اہل بیت سے خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی حضرت حسین کی حمایت کا انکار کرتے ہیں اور کبھی حضرت علی کے ایمان میں ان کو شک ہوتا ہے کہ ناباشی ایمان نعوذ باللہ معتبر نہیں۔ حضرت خاتون بنت اور حضرت حسین کریمین کے فضائل کا انکار ہوتا ہے ہاں اولین قدم ہے کہ حضرت فاطمہ کو باقی صاحبزادیوں پر اور حضرت حسین کو دوسرے لوگوں پر کوئی فضیلت نہیں۔ کبھی ہر فاطمی کو رافضیت کا شاخسانہ کہا جاتا ہے۔

طرح رافضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ معصوم مانتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ حضرت امیر معاویہ کے حق میں یہ لفظ استعمال نہیں کرتے مگر عملاً روافض سے پیچھے نہیں، کیونکہ حضرت امیر معاویہ کی خطا اجتہادی کا لفظ سن کر فوراً آگ بگولا ہو جاتے ہیں حالانکہ خطا اجتہادی عبادت کے درجہ میں ہے جس پر ایک ثواب کا ملنا حدیث پاک سے ثابت ہے۔

اسلاف پر سب و شتم:

روضہ رض کی طرح یہ گروہ بھی عوام کو اسلاف سے متنفر کرنے میں پورا زور صرف کرتا ہے۔ کبھی عوام کو یہ ذہن دیتا ہے کہ یہ مولوی صحابی رسول کو خطا کار کہتے ہیں اور خطائے اجتہادی کا صحیح مفہوم ان کو نہیں بتاتے کہ یہ صورت خطا ہے، حقیقتاً عبادت کی ایک قسم ہے۔ ان کا یہ پروپیگنڈہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آج کل اہل بدعت و مکروہ و مکبر اللہ، لیغفر لک اللہ مانعہ من ذنک اور وجدک خالاک کے تراجم عوام کو دکھا کر بڑے بڑے اہل تفسیر سے لوگوں کو متنفر کرتے ہیں اور ان آیات کی تفسیر عوام سے چھپاتے ہیں۔

کم فہمی یا کج فہمی:

یہ لوگ عدم علم یا تعصب کی بنا پر ان کی عبارات کو بگاڑنے میں بھی پوری کوشش کرتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ قاضی مظہر حسین صاحب اور سید نقیس شاہ صاحب مدظلہ نے حضرت امیر معاویہ کی توہین کی ہے۔ قاضی صاحب نے تو دفاع معاویہ نامی کتاب میں اور حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے قاری قیام الدین صاحب پنڈ وادون شان والوں کی حضرت معاویہ کی سوانح کے مقدمہ میں۔ میں نے کہا کہ حضرت قاضی صاحب حضرت مدنی کے مہتمد علیہ ہیں اور حضرت شاہ صاحب مدظلہ حضرت رائے پوری کے۔ ان کے بارے میں ایسی بات ہمارے تصور میں نہیں آ سکتی۔ میں نے یہ دونوں کتابیں دیکھی نہیں مگر معلوم ہوتا ہے جیسے بریلوی "تحذیر الناس" میں انکار ختم نبوت دیکھتا ہے اسی طرح آپ نے ان بزرگوں کی عبارت سے توہین معاویہ کو اخذ کر لیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس کتاب کا نام دفاع معاویہ

ہے اس میں تو بین معاویہ کیسے آسکتی ہے اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ دفاع معاویہ میں حضرت امیر معاویہ کا صرف دفاع ہے، خطا و اجتہادی کو انہوں نے خطا و اجتہادی سمجھ کر شور مچایا ہے اور حضرت شاہ صاحب مدظلہ کی تو اپنی عبارت ہی نہیں بلکہ مولانا عبدالغفور صاحب لکھنوی مرحوم کی عبارت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کے حوالے سے انہوں نے نقل فرمائی ہے کہ حضرت علی کی صفِ نعال میں بھی اگر حضرت امیر معاویہ کو جگہ مل جائے تو یہ ان کی سعادت ہے۔ یہ بالکل اہل سنت کے عقیدہ کی وضاحت تھی کہ اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اہل سنت کے ہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں حضرت امیر معاویہ شامل نہیں تو یہ الفاظ حضرت علی کی نسبت سے لکھے تھے یا لوگوں نے صرف صفِ نعال یاد کر لی اور اس نسبت علی کو حذف کر دیا۔ یاد رکھیں کہ یہ صفِ نعال مولانا عبدالغفور لکھنوی یا مولانا نعمانی یا حضرت شاہ صاحب مدظلہ کی نہیں حضرت علی کی ہے جو بالاعتقاد خلیفہ راشد ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید نے بعض عظیم ہستیوں کے بارہ میں لکھ دیا کہ خدا تعالیٰ کے حضور یہ سب ذرہ ناچیز ہیں۔ اہل بدعت نے نسبت خداوندی کو حذف کر کے ذرہ ناچیز یاد کر لیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر شاہ صاحب نے اپنے اعتبار سے ذرہ ناچیز کہا ہے تو وہ اعتنا تو ہیں ہے اور اگر خدا تعالیٰ کے اعتبار سے کہا ہے تو یہ تو بین نہیں فرق مراتب ہے۔ بہر حال ایک تو عبارت کا مفہوم غلط سمجھا دوسرے عبارت حضرت لکھنوی کی تھی جو حضرت شاہ صاحب کے ذمہ لگا دی، حالانکہ شاہ صاحب صرف ناقل ہیں اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ناقل جب حوالہ دے دے تو وہ بری الذمہ ہوتا ہے۔ پھر صفِ نعال کا بھی حوالہ میں حقیقی معنی مراد نہیں دوتا بلکہ مجاز امتیاز خدام لیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی پہلو تو بین والا نہیں۔

مودودی صاحب اور مسلک اکابر میں فرق:

بعض اوقات پوچھا جاتا ہے کہ مودودی صاحب نے بھی حضرت امیر معاویہ کو خطا کار کہا ہے اور اکابرین نے بھی تو فرق کیا رہا۔ تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مودودی صاحب

خطا و اجتہادی کے قائل ہیں نہ کہ خطا و اجتہادی کے جبکہ اکابر اہل سنت خطا و اجتہادی والے مسلک کو رافضیت کا اثر سمجھتے ہیں اور خطا و اجتہادی کو عبادت سمجھتے ہیں۔

وکالت یزید:

اس گروہ نے آج کل یزید کو سیدنا امیر المؤمنین اور خلیفہ عدل جیسے الفاظ سے تحارف کرانا شروع کیا ہے جو اہل سنت کے مسلک سے خروج ہے کیونکہ اہل سنت میں اختلاف ہے کہ یزید کافر ہے یا نہیں۔ امام احمد بن حنبل، ابن جوزی وغیرہ کفر کے قائل ہیں۔ اسی وجہ سے وہ نصیب شخصی کے بھی قائل ہیں اور بہت سے اہل سنت کفر میں توفیق کرتے ہیں مگر اس کے فسق پر متفق ہیں لیکن کسی نے اس کو امیر عادل وغیرہ قرار نہیں دیا۔ حافظ ابن حجر کی متوفی ۸۵۰ھ فرماتے ہیں کہ بے شک اہل سنت والجماعت کا حضرت معاویہ کے بیٹے اور ان کے ولی عہد یزید کی تکفیر میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے سبط ابن جوزی وغیرہ کے اس قول مشہور کی یاد رکھی ہے کہ جب اس کے پاس حضرت حسین کا سر آیا تو اہل شام جمع ہوئے تو یزید حضرت حسین کے سر کو ہانس کی لکڑی سے کریدنے لگا اور زہری کے یہ شعر پڑھنے لگا کہ کاش میرے بدروا لے شیوخ حاضر ہوتے یعنی مشہور اشعار اور ان میں دو شعر ایسے داخل کے جو صریح کفر ہیں اور ابن جوزی نے سبط ابن جوزی کی حکایت کے مطابق فرمایا کہ ابن زیاد کے حضرت حسین سے قتال پر تعجب نہیں ہے، تعجب تو یزید کے حضرت حسین کی مدد چھوڑنے اور ان کے اگلے دانٹوں پر چھری مارنے اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹوں کے کپاہوں پر سوار کرنے پر ہے اور ابن جوزی نے بہت سی قبیح چیزوں کا ذکر کیا جو یزید سے حد شہرت پہنچ چکی ہیں اور یزید کے حضرت حسین کے سر مبارک کو بدبو کی حالت میں مدینہ کی طرف لہانے کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا یزید کا مقصد صرف رسوائی اور سر کو سرعام ظاہر کرنا تھا۔ یہ عمل تو خارجیوں اور پانفیوں کے ساتھ بھی جائز ہے کہ ان کو کشتا کر جنازہ پڑھ کر دفن کیا

جائے اور اگر یزید کے دل میں جاہلیت والا کینہ اور بدری کھوٹ نہ ہوتی تو سر مبارک جب اس کے پاس پہنچا تھا تو اس کا احترام کرتا اور اس کے کفن و دفن کا انتظام کرتا اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک کرتا۔ ابن جوزی کی کلام شہم ہوئی۔

اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یزید کا فرزند نہیں کیونکہ ان اسباب میں سے جو کفر کو واجب کرنے والے ہیں ہمارے نزدیک سب ثابت نہیں اور اصل اس کا اپنے اسلام پر باقی رہنا ہے۔ جب تک اس کو اسلام سے نکالنے والی کوئی چیز یقیناً ثابت نہ ہو اور جو پہلے مشہور بات گزری ہے اس کے مقابلہ میں یہ روایت بھی ہے کہ جب یزید کے پاس حضرت حسین کا سر آیا تو یزید نے کہا اے حسین! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے یقیناً تجھے ایسے آدمی نے قتل کیا ہے جو رشتہ داری کے حق کو پہنچاتا نہیں ہے اور ابن زیاد پر دیگر گونہ ہوا اور کہا تو نے ہر ٹیک و بد کے دل میں میری عداوت کا بیج بویا اور حضرت حسین کی عورتوں اور بقیہ اولاد کو آپ کے سر کے ساتھ مدینہ بھیج دیا تاکہ وہاں دفن کر دیا جائے اور تو جانتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی اور اصل میں وہ مسلمان تھا۔ پس ہم اسی اصل کو لیں گے جب تک کوئی ایسی چیز پایہ ثبوت کو نہ پہنچ جائے جو اس کے اسلام سے اخراج کو واجب کرے اسی وجہ سے محققین کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ درست قوی طریق کفر یزید میں توقف کرنا ہے اور اس کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے اس لئے کہ وہ مخفیات کا جاننے والا ہے اور پوشیدہ رازوں پر مطلع ہے۔ پس ہم اس کی تکفیر کے پیچھے بالکل نہیں پڑیں گے کیونکہ یہی زیادہ لائق اور سلامتی کا راستہ ہے اور اس قول پر کہ وہ مسلمان ہے پس وہ قاسمی، شہریر، نشہ باز، مظالم سے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں خبر دی۔ چنانچہ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں سہ ضعیف سے ابو عبیدہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا معاملہ ہمیشہ انصاف کے ساتھ چلنا رہے گا یہاں تک کہ سب سے پہلا شخص جو اس

میں رشتہ اے گا بنو امیہ کا آدمی ہوگا جس کو یزید کہا جائے گا اور وہ یانی نے مسند میں حضرت ابو الدرداء سے نقل کیا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے کہ سب سے پہلا شخص جو میری سنت کو تبدیل کرے گا وہ بنی امیہ کا آدمی ہوگا جس کو یزید کہا جائے گا۔ ان دونوں حدیثوں میں کتنی قوی دلیل ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی خلافت ان کے بعد والے بنو امیہ کی خلافت جیسی نہیں تھی اس لئے کہ یہ تحقیقی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کے معاملہ میں سب سے پہلا رشتہ اے والا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کو تبدیل کرنے والا یزید ہوگا تو یہ بات کچھ لے حضرت معاویہ نے نہ اس امت کے معاملہ میں رشتہ اندازی کی ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو تبدیل کیا ہے اور یہ بات ایسے ہی ہے بوجہ اس بات کے جو پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت امیر معاویہ مجتہد تھے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو ایک ہدایت یافتہ امام نے کیا جیسا کہ اس کو ابن سیرین وغیرہ نے نقل کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس کسی شخص نے حضرت امیر معاویہ کو برا بھلا کہا تو انہوں نے اس کے تین کوڑے لگائے اور اس شخص کو جس نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تھا تین کوڑے لگوائے جیسا کہ شہر یہب آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

تو غور کریں کہ ان دونوں باتوں میں کتنا فرق ہے اور حضرت ابو ہریرہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یزید کے بارہ میں گزشتہ روایات تھیں اسی وجہ سے وہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں آپ کی پناہ پکڑتا ہوں ساتھیوں سال اور بچوں کی حکومت سے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی۔ پس ۵۵۹ھ میں ان کو وفات دے دی اور حضرت امیر معاویہ کی وفات اور ان کے بیٹے کی حکومت ۶۰ھ میں ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ کو اس میں ولایت یزید کا علم تھا تو وہ اس سال سے پناہ مانگتے تھے۔

یزید کے ان قبیح احوال کے جاننے کی وجہ سے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے

اس کے ان کو خبر دینے کے واسطے سے اور نوفل بن ابی فرات نے کہا ہے کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھا، ایک آدمی نے یزید کا ذکر کیا تو امیر المومنین یزید بن معاویہ نے کہا تو حضرت عمر بن العزیز نے فرمایا کہ تو امیر المومنین کہتا ہے، پھر اس کے بارہ میں حکم دیا تو اس کو تین گوزے لگائے گئے اور یزید کے معاصی میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے ہی اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑی دی تھی کیونکہ واقعہ ہی نے بہت سی سندوں سے نقل کیا کہ عبداللہ بن حنظلہ غسبل ملائکہ نے فرمایا اللہ کی قسم! ہم نے یزید کے خلاف بغاوت نہیں کی یہاں تک کہ ہمیں خوف ہو کہ آسمان سے ہمارے اوپر پتھر برسائے جائیں (لعمرو الصواعق المحرقة، صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱)

یہ ابن حجر کی عبارت اس لئے ذکر کی ہے کہ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہندوستانی مولویوں کی بات نہیں مانتے۔ یہ کتاب مکہ میں لکھی گئی ہے۔

اسلاف سے بدگمانی:

اسلاف سے جب کسی کو بدگمانی ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ بدتر بانی ہوتی ہے جس سے باآخر نعت ایمان بھی زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ جامعہ عربیہ اسلامیہ بورنیوال کی تدریس کے ایام میں ہندو کو پتہ چلا کہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نعمانیؒ محرم میں سیالکوٹ کے ایک جدید محقق کی کتابوں کا مطالعہ کر کے طلباء کو یزید کی صفائی پر کچھ نوٹ لکھواتے ہیں۔ دو تین سال تو میں اسباق میں طلباء کا ذہن ساف کرتا رہا۔ ایک محرم میں حسب معمول حضرت نے طلباء میں اعلان کیا کہ آج دن محرم ہے، میں کچھ ایسی اہم چیزیں آپ کو نظیر کے بعد لکھواؤں گا جو عام کتب میں نہیں ملتیں اس لئے کاغذ قلم تیار رکھنا۔ طلباء نے مجھے بتایا، دوپہر کو میں حضرت کے کمرہ میں گیا تو اسی ذہن کا لٹریچر نکال رکھا ہے اور مطالعہ فرما رہے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت یہ حکیم صاحب کون ہیں جن کی کتاب کا مطالعہ

فرما رہے ہیں کہا میں واقف تو نہیں ہوں، کتاب بہت اچھی لکھی ہے، شیعوں کا ستیاناس کر دیا ہے۔ میں نے کہا کہ تھوڑا بہت ہی مصنف کا تعارف ہو؟ فرمایا کچھ نہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، شاہ عبدالعزیز صاحبان سے کچھ تعارف ہے؟ فرمایا کہ ان کو کون نہ جانے ہے، سارا جہان ان سے واقف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اگر یہ کتاب پڑھ کر کسی کا یہ ذہن بن جائے کہ ان بڑے بڑے حضرات کو بھی صحیح واقعات نہیں مل سکے اور اس فن سے یہ جاہل رہے تو کیا ایسی کتاب پڑھنی چاہئے...؟ فوراً کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔ تھوڑی دیر کے بعد لاجپور رین مولوی محمد حلیف کو آواز دی کہ ان کو اٹھا کر لے جاؤ۔

بہر حال دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فتنہ میں جتلا ہونے والوں کو غور کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اختلاف کی خلیج کو کم سے کم کر کے متفق و متحد ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ ایسے دوسروں کے علاج کے لئے علی و حسینؑ مصنف قاضی محمد اطہر صاحب مبارک پوری حال حق میں شائع ہوئی ہے۔ بہت عمدہ کتاب ہے۔



ایک خط کا جواب

مسئلہ فسق یزید

معزز قارئین کرام! گزشتہ محرم ۱۴۲۵ھ کے شمارہ میں بندہ نے ضرورت اتحاد اور صورت اتحاد پر مضمون لکھا تھا۔ میرے مخاطب تمام وہ فرقے تھے جو اہل سنت سے کسی نہ کسی مسئلہ میں شذوذ اختیار کر گئے ہیں مگر محرم کی مناسبت سے کچھ رفض و خروج کی مثالیں زیادہ ذکر کر دیں۔ اب بھی بندہ اس موقف کو درست سمجھتا ہے کہ اسلاف سے کٹ کر نئے فرقے معرض وجود میں آتے ہیں۔ اسلاف پر عدم اعتماد سے صرف ایک آدھ مسئلہ نہیں چھوٹنے کا بلکہ پورے دین سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ پہلے اسلاف سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے اور بعد میں بدزبانی اور اولیاء اللہ پر بدزبانی ایمان لیا ثابت ہوتی ہے کیونکہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے گا میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور اس خداوندی عمارت پر سے ایمان کا سلامت رہنا مشکل ہے۔ اس کی بہت سی واقعاتی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مرزا ایت، نچریت، انکار حدیث، موجودہ دور کے اکثر لاد مذہب فرقے اسی درخت کا کڑوا پھل ہیں۔ ایک یہ بات بھی قارئین کرام کے پیش نظر رہے کہ دنیا اور دین کے تمام شعبوں میں اہل فن کے خلاف کوئی نہ کوئی شاذ قول مل جاتا ہے۔ وہاں جس طرح دنیاوی شعبوں میں جمہور اہل فن کی رائے کو آخری فیصلہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح ہمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں بھی علیکم بالسواد الاعظم کے فرمان و نشان سے شاذ اقوال کو چھوڑ کر اہل سنت کے سواد اعظم سے وابستہ رہنے کا حکم فرمایا ہے اور شذوذ کی صورت میں جنم کی وعید سنائی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

بندہ نے اپنے مضمون میں سیدنا امیر معاویہؓ اور یزید کے بارہ میں جمہور اہل سنت کا موقف سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ سیدنا حضرت علیؓ کے ساتھ عمار یہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں رافضیت اور ناصیبت کی دو متضاد رائے افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں کہ رافضی ان کی خطائے عنادی کا قول کر کے ایمان کے ہی منکر ہو گئے اور ناصیبت ان کو درجہ عصمت دینے کی فکر میں ہیں جبکہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک معتدل یہ ہے کہ حضرت علیؓ برحق تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے خطا اجتہادی ہوئی جس پر انہیں ایک اجر ملے گا یہ بات اہل سنت و الجماعت کی تقریباً تمام کتابوں میں موجود ہے اور بندہ نے اس کو اقسام عبادت لکھا تھا اور یہ لکھا تھا کہ کچھ لوگ خطا اجتہادی کا لفظ سن کر آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔ گویا کہ وہ رافضی کی طرح حضرت امیر معاویہؓ کو موصوم سمجھتے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

ایک وفد ایسا ہی ایک شخص مجھے کہنے لگا کہ ہدیۃ الشیعہ میں مولانا نانوتویؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کی توہین کی ہے۔ میں نے کہل کر اس وقت ہدیۃ الشیعہ میرے پاس نہیں اس سے قبل آپ نے دفاع معاویہؓ پر اعتراض کیا تھا مگر اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو توہین والا مضمون آپ اس سے نکالتے ہیں وہ اس میں موجود نہیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے بھی بعد میں وہ کتاب دیکھی تھی، اس میں وہ بات نہیں۔ میں نے کہا اسی طرح حضرت نانوتویؒ کی عبارت اگر آپ غور سے پڑھیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ اس میں کوئی توہین نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب دیکھنے پر پتہ چلا کہ حضرت نانوتویؒ نے حضرت اشعینؓ یعنی حضرت ابو بکرؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے حضرت اشعینؓ کی زندگی کو ذمہ دار اور حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی کو ملوکانہ لفظ سے تعبیر کر دیا ہے۔ بس اس عبارت کے سیاق و سباق کو چھوڑ کر لفظ "ملوکانہ" کو لے کر حضرت نانوتویؒ کو گستاخانہ کہا ہے کہ پستانا شروع کر دیا حالانکہ حضرت نانوتویؒ نے ساتھ ہی یہ لکھ دیا تھا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کی حکومت

جاہرا نہ تھی کیونکہ ان کا عدل دنیا میں مشہور ہے۔ طرز زندگی میں فرق ہوتا ہے جیسے حضرت علیؑ کی علیہ السلام کی زندگی زاہدانہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی ملوکانہ تھی۔ (مخلص ہدیہ الشیعہ) میں نے بعد میں یہ پوری عبارت دکھا کر ساتھیوں کو مطمئن کیا کہ اس میں کوئی توہین والا پہلو نہیں، اگر لفظ ملوکانہ سے توہین ہے تو وہی لفظ حضرت نانو توئی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے استعمال کیا ہے حالانکہ وہ نبی ہیں تو جو لفظ ایک نبی کے لئے استعمال ہونا توہین نہیں تو صحابی کے لئے وہ توہین کیسے بن گیا؟ کیا ان لوگوں میں حضرت امیر معاویہؓ کی عظمت حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ ہے۔؟

بہر حال میرے گزشتہ محرم کے مضمون بہت جلد ماتم ہوا۔ اکابرین پر حجاز کا رخ میری طرف پھر گیا، تقریروں کے علاوہ ایک سترہ صفحے کی تحریر بھی اسلام آباد سے موصول ہوئی جس میں یہ لکھا کہ: "اس مضمون میں حضرت امیر معاویہؓ کی صراحت اور دیگر بعض صحابہؓ تا تابعین کی اشارہ توہین کی گئی ہے اور اپنے خط کے جواب لکھنے کا اولابندہ سے اور پھر حضرت مہتمم صاحب قاری محمد حنیف چاندھری صاحب مدظلہ سے اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سے پر زور مطالبہ کیا گیا۔ اس لئے بندہ اس مضمون کی وضاحت کے لئے قلم اٹھا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سہو و نسیان سے امن و حفاظت میں رکھیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

..... پہلا سوال انہوں نے خطا اجتہادی کو عبارت اور اس پر آجر ملنے پر کیا ہے کہ یہ بات محمدؐ صحیح اور نوویؒ کی وضاحت کے خلاف ہے۔

میں نے خطا کی دو قسمیں ذکر کی تھیں۔ عنادی اور اجتہادی۔ خطا محض پر آجر ذکر نہیں کیا۔ ترمذی شریف میں اصلاح بین الناس کے لئے جھوٹ کو حلال کہا گیا ہے یعنی اصلاح کے ساتھ کذب اپنے اصلی حکم لغت سے خارج ہو جاتا ہے، اسی کو شیخ سعدی نے فرمایا: "دروغ مصلحت آئیز بہ از راستی قننا گلیز" دروغ مصلحت کی آمیزش سے بہتر بن

جاتا ہے۔ اسی طرح خطا اجتہادی کی آمیزش سے خطائے محض یعنی دفع عن امسی الخطاء و النسیان سے خارج ہو کر اجتہادی حکم میں مدغم ہو گئی اور اگر عناد سے ملتی تو گناہ کے اندر داخل ہو جاتا۔ بہر حال یہ بات تو مسلم ہے کہ مجتہد خطی ایک آجر کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ خطا اجتہادی کی صورت میں ماجور ہیں خواہ آپ خطا پر آجر نہ مانیں اجتہاد پر مانیں۔ مسئلہ جس پر سارا ماتم ہو رہا ہے وہ خطائے اجتہادی کا ہے۔ صاحب فتح الملہم اور امام نوویؒ بھی اس کے قائل ہیں۔ ہر باطل گروہ اصول اکابر سے چوری کر کے تہجد اسلاف کے خلاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ منکرین حدیث یہ اتفاقی اصول اکابر سے لیتے ہیں کہ خلاف قرآن اور حدیث ہو وہ واجب الرد ہے اور پھر تمام روایات جو ان کے ذہن کے موافق نہ ہوں ان کو قرآن کے مخالف کہہ کر رد کر دیتے ہیں حالانکہ وہ قرآن کے مخالف نہیں ہوتیں بلکہ ان کے شدید کردہ غلط مفہوم کے مخالف ہوتی ہیں۔ اسی طرح آپ نوویؒ اور صاحب فتح الملہم سے صراحتاً ذکر کردہ خطا اجتہادی کو نہیں لیتے۔ آپ کے عقیدہ کے مطابق تو یہ دونوں گستاخ گویا یہ ہوں گے پھر ان کے اقوال نقل کرنے میں آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟

..... خطائے اجتہادی جس سے بھی ہو اس کو ایک آجر ملے گا مگر صحیحی اجتہاد میں آیت اختلاف اور اجماع اہل سنت سے حضرت علیؑ کا حق پر ہونا ثابت ہے اس لئے جانب مخالف میں خطا یقینی ہوگی اس لئے اگر کوئی اس کے خلاف حضرت علیؑ کو خطا اجتہادی کا مرتکب کہے اور قرآن اور اجماع اہل سنت کا مخالف ہے اس لئے آپ کا یہ عقلی احتمال ختم ہو گیا۔ ویسے آپ خلیفہ راشد کے بارہ میں یہ خطا کا احتمال ذکر کر کے گستاخ علیؑ تو نہیں بنے؟ نیز تنویر اسما کر میں کہ گستاخ قرآن اور انکار اجماع کے مرتکب تو نہیں ہو گئے؟

..... آیت اختلاف اور اجماع امت کی مخالفت سے بچانے کے لئے جب خطا اجتہادی کا ارتکاب کیا جائے تو وہ حضرت امیر معاویہؓ کی براءت کے لئے ہے نہ محض خطا کے لئے۔

۳..... حضرت قاضی صاحب کی پوری عبارت پر عیناً تو آپ کا اعتراض غلط ہے کیونکہ انہوں نے حضرت علیؑ کو کہیں معصوم نہیں لکھا۔ آیت اختلاف ولیمکن لہم دینہم اللہ ارتضیٰ لہم کہ خلافت راشدہ میں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین مروج ہوگا سے حضرت علیؑ سے خطا و اجتہاد کی احتمال کی نفی کی ہے، اگر ذمائی طور پر معصوم ہوتے تو اس آیت کی مخالفت کی دلیل ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

تو حضرت کا یہ فرمان کہ اللہ کی مرضی کے خلاف وہ کام کر ہی نہیں سکتے یہ آیت ارتضیٰ لہم دینہم کی وجہ سے ہے نہ عصمت ذاتیہ کی وجہ سے آپ کے اس خطا کے ذکر کرنے سے تو اس وعدہ خداوندی کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سلیم عطا فرمائے۔

حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی صفحہ نعال:..... آپ نے اس فرق مراتب کے انداز کو حضرت امیر معاویہؓ کی توہین و تنقیص شمار کیا ہے اور ایک کو دوسرے کے جوتوں میں بٹھانا اور سوہ آداب قرار دیا ہے۔

محترم ایہ عبارت آپ نے بھی تسلیم کر لی ہے کہ امام اہل سنت حضرت لکھنویؒ کی ہے اور مولانا نعمانیؒ نے ان کے حوالے سے لکھی ہے۔ آپ نے میرے بارہ میں لکھا ہے کہ:..... "آپ نے اس عبارت کی تصدیق کرتے ہوئے اس کو عقیدہ اہل سنت قرار دیا ہے۔" اور پھر لکھا ہے کہ:..... "حضرت لکھنویؒ کی شخصیت کے پیش نظر اس کی کوئی مناسبت تو جیہ تو کی جائے گی۔" (زکو)

جو اب حاضر ہے کہ بندہ نے تو اس کی توہین بھی ذکر کی تھی۔ جناب کی نظر شفقت میں یاریابی حاصل نہیں کر سکی۔ بندہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:..... "یہ بالکل اہل سنت کے عقیدہ کی وضاحت تھی کہ اصحابِ ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اہل سنت کے ہاں حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں حضرت امیر معاویہؓ شامل نہیں۔" (الخیر صفحہ ۲۱)

یہ بات الفاظ کی ہے یا معنی کی؟

اور بندہ نے یہ بھی لکھا تھا کہ:..... "صفیح نعال کا بھی محاورہ میں حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ مجازاً مقامِ خدام لیا جاتا ہے، اس میں کوئی پہلو توہین والا نہیں۔" (صفحہ ۲۲)

میں نے تو حضرت لکھنویؒ کی عبارت کی یہ بھی توہین کی تھی اور لکھا تھا کہ ان الفاظ کا حقیقی معنی مراد نہیں مگر آپ پھر بھی لکھ رہے ہیں کہ:..... "ایک کو دوسرے کے جوتوں میں بٹھانا سوہ آداب اور توہین ہے۔" (خط، صفحہ ۲) آپ نے لکھا ہے کہ:..... "ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت لکھنویؒ نے یہ بات کس موقع پر اور کس سیاق و سباق میں کہی۔" اور پھر لکھا ہے کہ اس انداز کو توہین کے شائبہ سے بھی پاک جان کر اس کی تصحیح ہرگز ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسا انداز اختیار نہیں کرنا چاہئے۔" (خط، صفحہ ۳) اور پھر لکھا ہے کہ:..... "اس کو اس طرح صحیح بتلانا بالکل غلط ہے اصول اہل سنت میں اس کی کوئی تصحیح نہیں۔" (خط، صفحہ ۴) نیز آپ نے لکھا ہے کہ:..... "اس میں عظیم معاویہؓ کو فراموش کرنا ہے۔" (مقبولہ خط، صفحہ ۴)

تجربہ:..... مگر میں! جب آپ کو حضرت لکھنویؒ کی بات کے سیاق و سباق کا ہی علم نہیں تو آپ مولانا لکھنویؒ پر ایسے سخت فتوے لگا کر رافضیوں کو خوش کر رہے ہیں کہ زندگی بھر دفاع صحابہؓ کرنے والے شخص کو بھی عظمت صحابہؓ کا پاس نہیں تھا۔ آپ کا سیاق کلام کے بغیر احموری ہاست لینا اس شخص کی طرح نہیں جو کہا کرتا تھا۔

لا تقربوا الصلوٰۃ زہیم بحاطر است

و از امر یاد ماندہ کھلوا واشربوا مرا

اسی طرح آپ نے حضرت شاہ صاحب مدظلہ کے بارہ میں فرمایا کہ:..... "ہمیں معلوم نہیں کہ نفس شاہ صاحب کا انداز بیان سے کیا مطلب ہے۔ الفاظ بہر حال غلط ہیں۔"

(خط، صفحہ ۳) اور اس پر بھی آپ نے توہین کا حکم لگایا ہے۔ (صفحہ ۳) اور لکھا ہے کہ:

”نقیس شاہ صاحب نے حضرت معاویہؓ کو نیچا کھانے بلکہ بنانے کے لئے استدلال کیا ہے۔“

(خط، صفحہ ۴)

محترمی! جب آپ کو حضرت شاہ صاحب مدظلہ کا انداز بیان ہی معلوم نہیں تو آپ

اسے سخت فتوے ان پر کیسے لگا رہے ہیں۔ میں نے لکھا تھا کہ حضرت شاہ صاحب تو ناقل ہیں

اور ناقل جب حوالہ دے دے تو وہ بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ (الخیر، صفحہ ۲۲) آپ نے لکھا ہے

کہ:..... ”یہ اصول موودوی صاحب اور لعل شاہ صاحب پر بھی لاگو ہوگا۔ نیز کیا روافض

حضرات صحابہ کی توہین و تشقیض بلکہ تکفیر تک میں بھی قرآن و حدیث اور سنی کتب تک کے

حوالے نہیں دیا کرتے۔“ (خط، صفحہ ۴) اور آپ نے لکھا ہے کہ:..... ”شاہ صاحب نے صرف

حوالہ نہیں دیا بلکہ استدلال کیا ہے، اگر وہ حوالہ سے بری الذمہ بھی ہو جائیں تو استدلال سے

بری الذمہ نہیں ہوں گے۔ (ملموہ، خط، صفحہ ۴) تو جو ایسا عرض ہے کہ موودوی صاحب اور لعل

شاہ صاحب اور روافض کے بہت سے حوالے غلط ہوتے ہیں۔ بہت سے مقامات پر آپ کی

طرح سیاق و سباق سے کاٹ کر عبارت نقل کرتے ہیں اور بعض جگہ عبارت سے آپ کی طرح

غلط مفہم اخذ کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہ العالی کو ان پر قیاس کرنا اور ان کے انداز

بیان سے لاطمی کے ساتھ ان پر اعتراض کرنا موودویت اور روافضیت ہے یا بغض اہل بیت کا

شاہکار ہے۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہ العالی نے نہ کوئی اپنا دعویٰ کیا ہے، نہ استدلال۔ انہوں

نے مولانا نعمانیؒ کے اس دعویٰ کو کہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ میں غیر معمولی اعتدال تھا

ان کی دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور صرف یہ لکھا ہے کہ اس زمانے میں محمود عباسی کی تحریروں

سے متاثر ہونے والے اکثر لوگ حضرت سیدنا معاویہؓ کا دفاع کرتے ہوئے جاہل حق سے

تجاہز کر جاتے ہیں اور خاتم الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تشقیص و

تحمید کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی افراط و تفریط سے بھی مسلمانوں کو محفوظ

فرمائے۔ (تذکرہ کاسب و سیدنا معاویہ، صفحہ ۱۹)

اس کے بعد حضرت نے مولانا نعمانیؒ کی عبارت ان کے دعویٰ اور دلیل کے ساتھ

نقل کی ہے جس پر آپ کو اعتراض ہے بندہ الفرقان کی پوری عبارت نقل کرتا ہے۔ مولانا

نعمانیؒ مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے حالات لکھتے ہوئے ”غیر معمولی اعتدال“ کے عنوان کے

تحت لکھتے ہیں:..... ”مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل

بات ہے۔ اللہ ہی اگر توفیق دے اور دیکھیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر قائم رہ سکتا ہے ورنہ

اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری

تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور با توفیق پایا۔ صرف ایک

مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ایک موقع پر حضرت

علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا:..... ”حضرت علیؓ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر ہیں اور حضرت معاویہؓ

اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے مرتبج ہیں لیکن حضرت علیؓ سے ان کو کیا نسبت؟

ان کی مجلس میں اگر منصب اعلیٰ میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت

اور باعث فخر ہے۔“ (الفرقان، گفت و نیت، نمبر، اپریل، مئی، جون ۱۹۷۵ء، ص ۱۰۵)

لیجئے بندہ نے امام اہل سنت مولانا لکھنویؒ کی بات کا سیاق و سباق بھی آپ کو دے

دیا اور مولانا نعمانیؒ کا دعویٰ غیر معمولی اعتدال اور مولانا لکھنویؒ کا حضرت علیؓ اور حضرت امیر

معاویہؓ کے فرق درجات کا دعویٰ اور سخوت عنہا عبارت کا بطور دلیل مذکور ہونا اتنا دیا ہے۔

اسید ہے کہ اب اگر بغض اہل بیت نہ ہو تو حضرت شاہ صاحب کا پیچھا چھوڑ دیں گے اور

روئے سخن امام اہل سنت کی طرف کریں گے تا کہ ناصیبت کے ساتھ ساتھ رافضییت سے بھی آپ کو داوٹے، مگر یہ سوچ لیں کہ زیدیت اور رافضییت نے حضرت حسینؑ کے اخلاق کی قدر نہیں کی تو آپ کی قدر کیسے کریں گے؟ اور یاروئے سخن ناقل اور مدعی اول حضرت مولانا نعمانیؒ کی طرف کریں گے۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہ العالی کی تقریر کا سابق:

قارئین کی اطلاع کے لئے کہ صاحب خط نے حضرت شاہ صاحب مدظلہ پر ہر حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یہ سراپا غلط ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی عبارت کا ماقبل ذکر کرتا ہوں، حضرت مدظلہ فرماتے ہیں: "اسحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جزو ایمان ہے۔ سعادت مند ہیں وہ لوگ جن کے قلوب میں ان کی محبت و عقیدت موجزن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ سے ادنیٰ سمجھنا بھی اس مقام رفیع پر قافز ہے جہاں امت کے دوسرے افراد کی رسائی نہیں، چاہے وہ نموت ہوں، قطب ہوں، ابدال ہوں، فقہاء ہوں، محدثین ہوں یا مجددین ہوں۔ تیر و بخت ہیں وہ لوگ جن کے سینہ دل صحابہ کرامؓ کے بغض و کینہ کی کمین گا ہیں ہیں۔ چاند پر تھوکا اپنے منہ پر گرتا ہے۔ جس مقدس جماعت کی شان پر قرآن کریم شاہد ہو اور جس کی مدح میں خود سید الاولین والاخیرین ﷺ رطب اللسان ہوں اسے مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں، لیکن انہوں نے ان پر جنہوں نے ان پاک با زبان امت کی عداوت میں اپنا ظاہر و باطن سیاہ کر لیا۔ آخرت میں جب اپنے انجام کو پہنچیں گے اور اپنے کئے کی سزا پائیں گے تو سوائے حرمان و پاکس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ان نفوس قدسیہ کے درجات عالیہ تو لٹکے بہ لٹکتے ترقی پذیر ہیں۔ خاک اڑانے والے اپنے ہی سروں پر خاک ڈالتے رہیں گے۔ یوں تو پوری جماعت صحابہؓ ہی ان ظالموں کے سب و شتم کا نشانہ ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ امام مظلوم حضرت سیدنا

مجان اور حضرت سیدنا معاویہؓ ان کے زہر آلود حیلوں کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بد بختوں سے ہماری امت کو محفوظ فرمائے۔ (تذکرہ کاتب وی سیدنا معاویہؓ، صفحہ ۱۹/۱۸)

آپ خود فیصلہ کریں کہ ایسی ذات کے بارہ میں یہ حکم لگانا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی توجین کرتے ہیں کتنا بڑا ظلم ہے۔

اسحاب ثلاثہ اور حضرت علیؑ میں فرق مراتب اور بعض بزرگوں میں تقابلی:

آپ نے لکھا ہے کہ: "اگر کوئی خارجی یا ناصبی یہی طریقہ اسحاب ثلاثہ اور حضرت علیؑ میں فرق مراتب بیان کرتے ہوئے اپنا سے اور یوں کہے کہ اسحاب ثلاثہ کی صحبت لوگوں میں بھی اگر حضرت علیؑ کو جگہ مل جائے تو یہ ان کی سعادت ہے اور ایسے ہی اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ حضرت مدنیؑ کی صحبت نعال میں بھی حضرت رائے پوریؑ کو جگہ مل جائے تو یہ ان کی سعادت ہے یا کوئی یوں کہے کہ حضرت قاضی صاحبؑ کی صحبت نعال میں بھی حضرت تیس شاہ صاحبؑ کو جگہ مل جائے تو یہ ان کی سعادت ہے تو کیا آپ کے نزدیک فرق مراتب بیان کرنے کا یہ انداز صحیح ہوگا؟ کیا آپ کے نزدیک اس انداز بیان میں کوئی قباحت نہیں؟" (خط صفحہ ۳)

تو جو ابامعرض ہے کہ اسحاب ثلاثہ اور حضرت علیؑ میں فرق مراتب نفس اور اجماع سے دلائل شرعیہ سے ثابت ہے اور باقی بزرگوں میں کوئی واضح دلیل نہیں، لہذا اسحاب ثلاثہ اور حضرت علیؑ میں اگر امام اہل سنت حضرت لکھنویؒ جیسا شخص یہ فرق مراتب بیان کرتے اور حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانیؒ جیسا شخص جو کلام کے معانی، حقیقت و مجاز کے فرق کو سمجھنے والا ہو نقل کرے تو اس میں یقیناً کوئی توجین نہیں ہوگی، البتہ آپ جیسا جلا بھنا ناصبی اگر بیان کرے جو محاوراتی معانی سے ناواقف ہو تو اس کے لئے یقیناً ناجائز ہوگا۔ یہ بات کر کے آپ نے ان بزرگوں کے متعلقین میں اختلاف پیدا کرنے کے لئے شیطان کی طرح شہد کی اگی لگائی ہے۔ جب ان بزرگوں کے حالات سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ وہ تو ایک

دوسرے پر جان نثار کرنے کے لئے تیار تھے اور الحمد للہ ان کے متعلقین کی بھی یہی حالت ہے۔
اللہ تعالیٰ اسی اللت و محبت پر خاتمہ فرمائے۔

گر فرق مراتب نہ کئی زندگی

حامد رضا خان صاحب کی شاگردی:

حضرت تھانویؒ کی عبارت حفظ الایمان کو آپ کی طرح سیاق و سباق سے جدا کر کے احمد رضا خان نے کفر کا فتویٰ حاصل کیا تھا۔ پوری عبارت کے مفہوم سے واقفیت کے بعد فتویٰ دینے والے علمائے حرمین شریفین نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا لیکن احمد رضا کی ذریت اسی پر فنی رہی کہ اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ حامد رضا نے کہا کہ مولانا منظور احمد صاحب نعمانی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی جگہ اپنے بیچ حضرت تھانویؒ کا نام لکھ کر یہی عبارت شائع کریں تو ہم مان جائیں گے کہ اس میں توہین نہیں مگر مولانا نعمانی ہرگز ایسا نہیں کریں گے جو اس کی دلیل ہے کہ یہ عبارت توہین والی ہے۔ تو جو مولانا نعمانی نے حضرت تھانویؒ کا نام لکھ کر وہ عبارت الفرقان میں شائع کر دی تو حامد رضا نے کہا کہ نعمانی صاحب نے اپنی مسلکی لاج رکھنے کے لئے یہ عبارت لکھ دی ہے ورنہ سمجھتے وہ بھی ہیں کہ یہ عبارت توہین والی ہے۔ مولانا نعمانی نے فرمایا کہ تم عدالت میں مقدمہ کرو، میں عدالت میں ثابت کروں گا کہ یہ عبارت توہین والی نہیں ہے۔ اس پر رضا خانی قبار سے سے ہو اٹھ گئی۔ آپ نے بھی رضا خانی ملرز اختیار کیا ہے مگر ان شاء اللہ جس طرح حامد رضا ذلیل ہوا تھا اسی طرح آپ بھی اس کے نقش قدم پر چل کر ذلیل ہوں گے۔

غیر صحابی کا صحابی سے تقابلی:

آپ نے لکھا تھا کہ حضرت قاضی مظہر حسین صاحب حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے معتمد علیہ ہیں اور حضرت شاہ صاحب حضرت اقدس شاہ

عبدالقادر رائے پوری کے معتمد علیہ ہیں۔ ان کے بارہ میں توہین صحابہ کرامؓ کا سوچنا صحیح نہیں۔ آپ نے فوراً ان کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کو لاکھڑا کیا کہ "سیدنا امیر معاویہؓ امام الانبیاء اور صحابہ کرام کے معتمد ہیں۔" (خطہ صفحہ ۴)

میں نے تو آپ جیسے معترضین کو سمجھانے کے لئے لکھا تھا کہ آپ سے زیادہ ان میں حب صحابہ ہے کیونکہ یہ بزرگوں کے معتمد علیہ ہیں۔ اس کے جواب میں آپ اپنا کسی اللہ والے سے تعلق ثابت کر دیتے اور کوئی نہیں مٹا تھا تو یہی لکھ دیتے کہ ہم محمود عباسی کے معتمد علیہ ہیں۔ آپ نے ان بزرگوں کے مقابلہ میں صحابی رسول کو لاکھڑا کیا اور عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی کہ یہ بزرگ صحابہ کرام کے خلاف ہیں حالانکہ یہ آپ کے غلط نظریہ کے خلاف ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مرزا آئی اجرائے ثبوت کا غلط نظریہ قرآن کی طرف منسوب کرنا ہے علماء جب اس کی تردید کرتے ہیں تو وہ شور مچاتا ہے کہ مولوی قرآن کی تردید کرتے ہیں۔ ہم مرزا آئی کے غلط نظریے کو قرآن ماننے کے لئے تیار ہیں اور نہ آپ کے غلط نظریے کو تعظیم نبوی اور نظریہ صحابہ کرام ماننے کے لئے تیار ہیں۔

لطیفہ:

بورسے والا کے علاقہ میں ایک ایسے ہی نظریہ کا انھیں حب بیزید میں غمور مجھے کہنے لگا کہ تم ہمارے سامنے ہندوستانی مولویوں یعنی حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو پیش کرتے ہو، ہم صحابہ کے مقابلہ میں ان ہندوستانی مولویوں کو نہیں مانتے۔ میں نے کہا کہ آج تک تو ہم بھی سمجھتے آئے ہیں کہ ان بزرگوں کے ذریعہ ہمیں حب صحابہ ملی ہے مگر آپ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ تعوذ باللہ یہ بزرگ صحابہ کرام کا مقابلہ کرتے رہے۔ آپ کی یہ بات بالکل ایسے ہی ہے جیسے غیر مقلد کہتا ہے کہ ہم نبی کے مقابلہ میں اماموں کو نہیں مانتے، ہم ان کو بھی سمجھاتے ہیں کہ اماموں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو امت تک پہنچایا اور دین کی خدمت کی، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں

کیا۔ اسی طرح ہم آپ کو بھی سمجھاتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے عظمت صحابہ کرام سے لوگوں کو روشناس کرایا ہے، صحابہ کرام سے مقابلہ نہیں کیا۔

دفاع معاویہ:

میر سے ان الفاظ پر کہ میں نے وہ کتاب دیکھی نہیں، آپ نے لکھا کہ: "جب دیکھی نہیں تو اس کے بارہ میں تمہاری رائے غیر معتبر ہے۔" آگے میں نے لکھا تھا کہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ یہ الفاظ میں نے کتاب دیکھ کر ہی لکھے تھے مگر آپ کی نظر ان پر نہیں پڑی۔

دفاع معاویہ یا دفاع قاضی صاحب:

آپ نے لکھا ہے کہ قاضی صاحب نے اس کتاب میں اپنا دفاع کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ کا دفاع نہیں اور حضرت قاضی صاحب کی تیروہ (۱۳) عبارتیں اپنا گستاخانہ مفہوم ڈال کر ان کو حضرت امیر معاویہ کی گستاخی کا مرتکب قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ ان میں پارہ (۱۲) عبارتیں خارجی فتنہ کی ہیں اور ایک دفاع معاویہ کی اور حضرت قاضی صاحب کو سووادی بنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے کہ جن لوگوں نے ساری زندگی شیعیت کی تردید کی آج آپ انہیں شیعہ بنا دیں اور جنہوں نے ساری زندگی سووادی کی تردید کی آپ اسے سووادی بنا دیں۔ محترم امین نے اپنے اصل مضمون میں بھی سووادیت اور اکابر اہل سنت میں فرق لکھا تھا کہ سووادی صاحب خود لکھتے ہیں کہ: "میں اسے محض غلطی سمجھتا ہوں، اس کو اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے سخت ہامل ہے۔" (خلافت و ملوکیت، صفحہ ۳۳۳)

مگر حضرت قاضی صاحب بار بار اس کو خطا و اجتہادی فرماتے ہیں جس پر ایک ذخیرہ ملتا ہے۔ مولوی مہر حسین نے بھی آپ کی طرح قاضی صاحب کی عبارات کو بگاڑ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ جمہور کا مسلک جو قاضی صاحب نے پیش کیا ہے اس میں بھی حضرت معاویہ کی توہین ہے تو حضرت قاضی صاحب نے بتایا کہ حضرت امیر معاویہ پر اس

لئے طعن نہیں کرو۔ مجتہد تھے تو یہ حضرت امیر معاویہ کا دفاع ہوانہ کہ حضرت قاضی صاحب کا اپنا دفاع۔

توضیح عبارات:

آپ نے لکھا ہے: "....." (حضرت امیر معاویہ) نے بہر صورت اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔ (خارجی فتنہ، صفحہ ۳۶۱، ۳۶۲) اور پوچھا ہے کہ یہ حضرت امیر معاویہ کی توہین نہیں؟

جواب:.....

یہ سب آپ کے ہاتھ کا کرشمہ ہے ورنہ حضرت کی اصل عبارت دیکھیں، حضرت آیت استخفاف کے ترجمہ کے بعد فرماتے ہیں: "جبکہ حضرت علی المرتضیٰ آیت استخفاف کے امر و وعدہ کے مطابق بہ حق خلیفہ (صاحب امر) ہیں تو ان کا حکم رعیت کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور سند یلوی صاحب کے اپنے استدلال مذکور کے تحت ان کی خلافت بھی نص قرآنی سے ثابت ہے جس سے لازم آئے گا کہ اگر حضرت معاویہ نے حضرت علی کی خلافت کو ہی تسلیم نہیں کیا تو یہ گویا اللہ کے حکم کی مخالفت ہے اور خلیفہ مان کر ان کا وہ حکم تسلیم نہیں کیا جو خلاف حکم خدا و رسول کے نہ تھا تو یہ بھی آیت اولی الامر کے خلاف ہے، اس لئے سند یلوی صاحب اس بحث میں بڑے پریشان ہیں اور مختلف بولیاں بول کر اپنا جی بہلا لیتے ہیں۔ (خارجی فتنہ، صفحہ ۳۶۱، ۳۶۲)

اس عبارت کو کمرور کر پڑھیں کہ حضرت قاضی صاحب سند یلوی صاحب کو یہ الزام دے رہے ہیں کہ جب آپ نے حضرت علی کی خلافت کو آیت استخفاف اور آیت حکمین کا مصداق مان لیا (جواب شافی، صفحہ ۱۰) تو یہ بھی خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی طرح عبوری خلافت نہیں ہوگی اور نہ ہی یہ عزل کے قابل ہوگی تو اگر آپ حکمین کی خطائے اجتہادی کا قول نہیں کریں گے تو بہر صورت اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت لازم آئے گی یعنی خلفائے عنادی کو

لازم ماننا چاہئے گا اور خلفائے ثلاثہ کی مخالفت کا بھی قابل معزول ہونا لازم آئے گا۔ آپ کے بغیر سوچے سمجھے اس الزامی بات کو حضرت قاضی صاحبؒ کے ذمے لگا دیا۔ حضرت قاضی صاحبؒ تو خطائے اجتہادی کا قول کر کے حکامین اور حضرت معاویہؓ کو آیت کی صریح مخالفت سے بچا رہے ہیں اور آپ اور سندیلوی صاحب ان کو صریح مخالفت کا مرتکب بنا رہے ہیں۔ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے نادان دوست ہیں اور قاضی صاحبؒ کی تمام عبارات تقریباً اسی طرح بگاڑ رہے ہیں۔ اصل میں حضرت قاضی صاحبؒ یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کو خلیفہ موعود خلیفہ راشد مان لیا تو ان کی معزولی کا مطالبہ کرنے اور ان سے لانے والے آیت اختلاف کے مخالف اور قصور وار ٹھہرتے ہیں۔ ہاں خطائے اجتہادی کی تاویل سے وہ صرف معذور ہی نہیں بلکہ ماجور باجر واحد بھی ہوں گے اور جو خطائے اجتہادی کے مسلک کے قائل نہیں ان کے نزدیک نص قرآنی وحدیثی کی مخالفت لازم آئے گی جو گناہ ہوگا اور سخت نافرمانی۔ اسی طرح حضرت قاضی صاحبؒ چاہا حضرت معاویہؓ کو رضی اللہ عنہ لکھ رہے ہیں مگر آپ نے دور دور کے صغیرے کبرے ملا کر لکھا کہ قاضی صاحبؒ کے نزدیک وہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہم کے مصداق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائیں۔

کمری! آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ کی آخری عبارت ادھوری یہ لکھی کہ:

”وہ صحابی نہ ہوتے تو ان کا حکم اور تھا۔“ (خط، صفحہ ۶) آپ کی اس ناقص عبارت سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ نور اللہ مرقدہ حضرت امیر معاویہؓ کی صحابیت کو دفاع حضرت معاویہؓ کے طور پر بیان فرما رہے ہیں کہ ان کی صحابیت ان کے دفاع کے لئے کافی ہے اور ساتھ ہی حضرت نے ان کے اجتہاد کا ذکر کیا تھا جو اجر واحد کا سبب ہے اس کو آپ نے درمیان سے حذف کر کے اپنے بغض کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت کی پوری عبارت یہ ہے:

”حضرت معاویہؓ اگر صحابی نہ ہوتے اور پھر مجتہد ہونے کی وجہ سے ان کا اختلاف بلکہ جنگ و

کمال اجتہاد پر مبنی نہ ہوتا تو پھر ان کا حکم اور تھا۔“ (خارجی قند، صفحہ ۵۵۰، جلد ۱)

آپ نے خط کشیدہ الفاظ کو عبارت سے حذف کر دیا اور پھر اسی صفحہ پر حضرت امیر معاویہؓ کے بارہ میں فرماتے ہیں:..... ”اس وقت حضرت امیر معاویہؓ معذور تھے۔ مختلف حالات کے پیش نظر انہوں نے یہ مطالبہ کر دیا اور آخر میں اس مطالبہ سے بھی دستبردار ہو گئے۔“ (خارجی قند، صفحہ ۵۵۰، جلد ۱)

لیجئے! حضرت قاضی صاحبؒ حضرت امیر معاویہؓ کا دفاع کر رہے ہیں کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی معزولی کا اگر انہوں نے کچھ معروضی حالات کی بنا پر مجبوراً مطالبہ کیا تھا تو بعد میں اس سے دستبردار ہو گئے تھے۔ سندیلوی صاحب اس مطالبہ کو صحیح قرار دینے والے حضرت امیر معاویہؓ کے نادان دوست ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کی کتاب ”خارجی قند“ کی تائید بہت سے علمائے حق نے کی ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں: ”بلاشبہ ان دو مسئلوں میں (یعنی حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا خلیفہ راشد ہونا اور ان کے مقابلہ میں آنے والوں سے خطا اجتہادی کا صدور) جناب مصنف نے اہل حق کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج و نو اصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے اور جس طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے۔ جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔“

(بنیات، جنوری ۱۹۸۳ء)

”ابلاغ“ اکتوبر ۱۹۸۳ء نے لکھا کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت

کی محبت کا نہ ہونا خارجیت ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری اور ان کی مخالفت رخص و شیعیت ہے اور محبت اہل بیت کے باوجود صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر سنت ہے۔ مولانا مظہر حسین صاحب نے دو حصوں میں ان کے خیالات پر تنقید کی ہے اور پہلے حصہ میں مشاجرات صحابہ کے بارے میں اکارہ علمائے حق کے اقوال اور ان کے تحریری اقتباسات پیش کئے ہیں اور ہر طرح مسلک اہل سنت کی ترہانی فرمائی ہے۔ یہ کتاب محض تحفظ مسلک حق کی خاطر تحریر کی گئی ہے۔ (الحق)

ماہنامہ "الحق" نے لکھا حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی زیر تبصرہ کتاب میں مانا علیہ و اصحابی کے اصول کے پیش نظر اصلاً خوارج اور سنی اہل تشیع کا زبردست ٹوش لیا ہے۔ (الحق، مارچ ۱۹۸۳ء)

ماہنامہ "الخیر" نے لکھا کہ مودودی صاحب جب صنفین میں حضرت معاویہؓ کو حدیث باطل پر سمجھتے ہیں اور سندیلوی صاحب اور عجمی صاحب حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی کے بھی قائل نہیں ہیں لیکن اہل حق اس افراط و تفریط کے خلاف اعتدال پر قائم ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس موضوع پر قاضی صاحب نے قلم اٹھایا ہے وہ جوہر اہل سنت کا مختار اور راجح موقف ہے۔ (الخیر، فروری ۱۹۸۳ء) ان تبصروں کو گورنر سرگرم پڑھیں کہ قاضی صاحب اہل سنت کے ترہان ہیں یا آپ؟

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کو حضرت امیر معاویہؓ کی زیارت:

حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ میں بندہ کو بفضلہ تعالیٰ چوتھی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ منیٰ میں شب جمعہ ۹ ذی الحجہ نماز عشاء پڑھ کر جلدی سو گیا تو خواب میں حضرت امیر معاویہؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے بندہ کا کارہ سے معاف فرمایا۔ اس کے بعد بندہ

نے عرض کیا کہ حضرت! بندہ نے کتاب "خارجی فتنہ" لکھی ہے اگر اس میں آپ کے متعلق کوئی تنقیص و توہین پائی جاتی ہے تو معاف فرمائیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ حضرت معاویہؓ کا چہرہ باوقار اور سفید نورانی تھا اور بندہ کی معافی کی درخواست پر آپ کے چہرہ پر کوئی مال ظاہر نہیں ہوا بلکہ حسب سابق شفقت کی نگاہ تھی۔ (وقائع معاویہ، صفحہ ۱۸)

حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں خواب گوشرعی حجت نہیں ہے لیکن حسب ارشاد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بہشرات میں سے ہوتے ہیں۔

بیعت یزید:

آپ نے لکھا کہ: "یزید کی بیعت صحابہ کرامؓ تا بعین عظام اور غیر صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے کی، حکاکہ (نوٹ خط میں خط نویس نے تھی کہ کو اسی طرح لکھا ہے شاید رسم الخط پہ بھی یزید کی مار پڑی ہے) یزید کی بیعت کرنے پر حضرت حسینؓ بھی آمادہ ہو گئے تھے جیسا کہ سب تواریخ میں موجود ہے۔ تمام اطراف میں یزید کی بیعت ہو گئی تھی اور صحابہؓ تا بعین آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب آخر تک یزید کی بیعت پر قائم تھے۔ (خط، صفحہ ۱۰)

جواب:

یہ بات تو صحیح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے جب یزید کو اپنا ولی عہد نامہ دیا تو اکثر حضرات نے ولی عہدی کو تسلیم کر لیا، البتہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حسینؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور قبل ازیں حضرت معاویہؓ نے زیاد سے مشورہ لیا تو اس نے بھی اس کی ولی عہدی کو ناپسند کیا تھا اور عبید بن کعبؓ سیری کو حضرت امیر معاویہؓ کی اس رائے کو تبدیل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس نے پہلے یزید کو زیاد کی طرف سے سمجھایا کہ وہ ولی عہدی کا مطالبہ نہ کرے اس لئے کہ اس کا اس بات کو ترک کرنا اس کے کوشش کرنے سے بہتر

ہے تو بزیہ بھی اس مطالبہ سے باز آ گیا اور حضرت امیر معاویہؓ نے بھی ولی عہدی کے ترک پر ان سے اتفاق کر لیا۔ زیاد کی ناپسندیدگی کی وجہ بزیہ کے لہو و لعب اور شکار کا رسیا ہونا تھا۔ زیاد کے فوت ہونے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے بعض لوگوں کے مطالبہ پر پھر مزویٰ کا ارادہ فرمایا تو ان پانچ صحابہ کرام نے ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انھیں بن قیس (بنو تضرمن میں سے ہیں اور صحابہ ستہ کے راوی ہیں) نے حضرت امیر معاویہؓ کے حکم سے بزیہ کی مجالست کے بعد اس کی ولی عہدی کی ناپسندیدگی کا جو اظہار کیا وہ الہدایہ والنہایہ صفحہ ۸۳، جلد ۸ پر مذکور ہے۔

اسی طرح مذکورہ صفحہ پر حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت سعید کا اس بارے میں ناپسندیدگی والا مکالمہ حضرت امیر معاویہؓ سے مذکور ہے۔ بہر حال یہ ابتدائی معاملہ ہے انجام کار کیا ہوا بندہ نے پہلے بھی اس کا تذکرہ کیا تھا کہ اکثراً صحابہ کرام نے اس کی بیعت توڑ دی تھی۔ چنانچہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ: "بزیہ کے معاصی میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑی دی۔ چنانچہ واقعہ یہی ہے بہت سی سندوں سے نقل کیا ہے کہ عسیل ملائکہ حضرت حظلہؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم نے بزیہ کے خلاف بغاوت اس وقت تک نہیں کی جب تک ہمیں اس بات کا خطرہ نہ ہو گیا کہ ہم پر اب آسمان سے پتھروں کی بارش نہ شروع ہو جائے۔ بزیہ یقیناً ایسا شخص تھا جو اصحاب اور اولاد اور بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا تھا اور شراب پیتا تھا اور با محوم نماز کا تارک تھا، اور علامہ ذہبی نے فرمایا کہ جب بزیہ نے اہل مدینہ کے ساتھ وہ حشر کیا جو کیا اور اس کے فریضے اور لشکرات کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے لوگ اس کے سخت مخالف ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی عمر میں برکت نہیں ہوئی۔

ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ ذہبی کے قول کہ اہل مدینہ سے جو حشر کرتا تھا کیا اس سے

۶۳ء کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ بزیہ کو یہ خبر پہنچی کہ اہل مدینہ نے بغاوت کر کے اس کی بیعت کو توڑ دیا ہے تو اس نے ایک عظیم لشکر اہل مدینہ کی طرف بھیجا اور اس کو اہل مدینہ کے قتل کا حکم دیا تو وہ لشکر اہل مدینہ تک پہنچا اور مدینہ طیبہ کے دروازے پر حرہ کا محرکہ واقع ہوا اور تلخے کیا معلوم کہ حرہ کی لڑائی کیا ہے؟ حضرت حسن بصری نے ایک مرتبہ حرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر قریب تھا کہ اہل مدینہ میں سے کوئی ایک بھی نہ بچتا۔ اس حرہ کی لڑائی میں صحابہ وغیرہ میں سے ایک عظیم مخلوق قتل ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (الصواعق المحرقة، صفحہ ۲۲۱) نیز حافظ ابن حجر مکی فرماتے ہیں واقعہ حرہ میں تین سو صحابہ شہید ہوئے۔ (الصواعق، صفحہ ۲۲۲) اور قرآن کے سات سو قاری شہید ہوئے۔

(الصواعق، صفحہ ۲۲۲)
حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حرہ کی لڑائی کا سبب یہ بنا کہ اہل مدینہ نے بزیہ بن معاویہ کی بیعت توڑ دی اور قریش کا گورنر حضرت عبداللہ بن مطہج کو بنا دیا اور انصار کا گورنر عبداللہ بن حظلہ بن ابی عامر کو بنا دیا۔ ۶۳ھ کے شروع میں انہوں نے اس بات کا اظہار کر دیا اور منبر کے پاس جمع ہو گئے۔ کوئی شخص اپنے سر سے پگڑی اتار کر پھینکا کہ میں نے جس طرح یہ پگڑی پھینکی اسی طرح بزیہ کی بیعت پھینکی، کوئی جوتا پھینک کر کہتا کہ میں نے بزیہ کی بیعت اس طرح پھینکی جیسے جوتا پھینکا، یہاں تک کہ بہت سی پگڑیاں اور جوتے وہاں جمع ہو گئے۔ پھر سب نے اتفاق کیا کہ بزیہ کے گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان جو بزیہ کا چچا زاد تھا اس کو اور بنو امیہ کو مدینہ سے نکال دیا جائے۔ بنو امیہ مروان بن الحکم کے مکان میں جمع ہو گئے اور اہل مدینہ نے ان کا احاطہ کر لیا۔ امام زین العابدین اور حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے آپ کو ان لوگوں سے الگ تھلک رکھا اور بزیہ کی بیعت نہیں توڑی بلکہ اپنے اہل خانہ کو بھی بیعت توڑنے سے سختی سے منع کیا اور انہوں نے اہل مدینہ سے موت پر بیعت لینے پر بھی انکار کیا اور کہا کہ ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان جنگ سے نہ بھاگنے پر بیعت کرتے تھے (نہ موت پر)۔

اور نبی عبدالمطلب میں سے کسی نے بیعت نہیں توڑی اور محمد بن الحنفیہ خود بھی بغاوت سے بچے اور دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش کی۔

(الہدایہ والنہایہ، صفحہ ۲۲۱، ۲۲۰، جلد ۸)

ان چند نفوس قدسیہ کی وجہ سے یہ لکھنا کہ سب صحابہؓ تابعین یزید کے طرف دار تھے صحیح نہیں۔ خود ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک گروہ یزید پر لعنت کا قائل ہے اور دوسرے حضرات لعنت سے روکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ عدم لعنت کے باوجود وہ حاکم فاسق تھا اور حاکم صرف فسق کی وجہ سے زیادہ صحیح قول کے مطابق معزول نہیں ہوتا بلکہ فساد و فتنہ یزیدی، لوٹ کھسوٹ اور مورتوں کی بے حرمتی وغیرہ ان مفاسد کی بنا پر جو حاکم کے فسق سے کلی گنا زائد ہیں بغاوت کی اجازت نہیں۔ (الہدایہ، صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷، جلد ۸)

تو جن حضرات نے بغاوت میں حصہ نہیں لیا وہ یزید کو صالح نہیں کہتے تھے بلکہ ان مفاسد عظیمہ کی وجہ سے وہ رکے رہے، تو جب صحابہ کرامؓ میں سے اکثر نے بیعت توڑ دی اور بقول ابن شہاب زہری کے یزیدی لشکر نے بڑے بڑے مہاجرین و انصار میں سے سات سو کو اور ان کے علاوہ دس ہزار آزاد اور غلام لوگوں کو قتل کروایا۔ (الہدایہ، صفحہ ۲۲۳، جلد ۸) نیز حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سادات صحابہؓ میں سے ایک بہت بڑی جماعت لشکر یزید کے خوف سے چھپ گئی تھی جن میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ اور حضرت ابو سعیدؓ بھی تھے۔ (الہدایہ، صفحہ ۲۲۳) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اہل مدینہ کی پستی پر جب عورتوں اور بچوں کو چھیننے چلاتے دیکھا تو فرمایا کہ رب کہہ کی قسم ایہ شہادت عثمانؓ کے ساتھ ملتا جلتا ظلم ہے۔ (الہدایہ، صفحہ ۲۲۳) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ صحابی ہیں جو حرم مکہ میں خطبہ میں فرمایا کرتے تھے، بندروں والا یزید، شراب پینے والا، نمازیں ترک کرنے والا، گانے والیوں کے پاس بیٹھنے والا۔ (ابن کثیرؒ، صفحہ ۲۲۲، جلد ۸) حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:..... یکون خلف من بعد ستین سنۃ

اصعوا الصلوة واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا (ابن کثیرؒ، صفحہ ۲۳۳، جلد ۸)

غور فرمائیں

کہ صحابی رسول قرآن پاک کی اس آیت کا مصداق زمانے کے اعتبار سے متعین فرما رہے ہیں اور ابن کثیرؒ یزید کے ترجمہ میں اس روایت کو ذکر کر کے اس کو اولین مصداق یزید کو قرار دے رہے ہیں۔ گویا حضرت ابو سعیدؓ بھی یزید کو تارک صلوٰۃ اور شہوات کا پیرو اور جنسی قرار دے رہے ہیں۔ عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے مکہ پر چڑھانے کے جب حکم دیا تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اس فاسق کی وجہ سے دو کام اکٹھے نہیں کروں گا کہ ایک تو حضور ﷺ کے نواسے کو قتل کیا ہے اور اب مکہ پر حملہ کروں۔ (الہدایہ، صفحہ ۲۲۲)

یزید کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ (جس کو اسلاف مسرف بن عقبہ کہتے تھے) نے حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت عمرو کو بلایا جو واقعہ حرہ میں غیر جانبدار بن کر گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ان سے کہا کہ تیرا مقصد یہ ہے کہ اگر اہل مدینہ غالب آجائیں تو تو نے کسے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اگر اہل شام غالب آجائیں تو تو کہے کہ میں امیر المومنین کا صاحبزادہ ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے کارندوں کو حکم دیا، انہوں نے ان کی داڑھی اکھیر دی جو بڑی لمبی تھی۔ (الہدایہ، صفحہ ۲۲۳، جلد ۸) حضرت سعید بن المسیبؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو کسی نے یہ کہہ کر چھڑوایا کہ یہ مجنون ہے۔ (الہدایہ، صفحہ ۲۲۳) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے دو صاحبزادے محمد اور عبد الرحمنؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایام حرہ میں اپنے باپ کے ساتھ مدینہ سے نکلے، ان کی نظر جا چکی تھی۔ انہوں نے فرمایا: "ہلاک ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوفزدہ کیا۔" ہم نے عرض کیا کہ اباجی! کیا کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوفزدہ کر سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے کہ جس نے انصار کے اس قبیلے کو خوفزدہ کیا اس نے میرے ان دو پہلوؤں کے درمیان والی چیز (دل) کو خوفزدہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا۔ (الہدایہ، صفحہ ۲۲۳، جلد ۸) حافظ ابن کثیرؒ واقعہ حرہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یزید نے مسلم بن

معتبر کو یہ کہہ کر کہ تیرے لئے مدینہ تین دن کے لئے مباح ہے خطائے فاشش کی کیونکہ یہ بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے اور اس کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور ان کی اولاد کا قتل بھی ملامت ہوا ہے اور یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے کہ اس نے عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کروایا اور حجرہ کے ان تین ایام میں مدینہ منورہ میں غیر محدود اور ناقابل بیان مناسبات واقع ہوئے جن کا پورا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اس نے مسلمہ بن عقبہ کو بھیج کر بلا ممانعت اپنی سلطنت و حکومت کو مضبوطی اور دوام کا ارادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد کے خلاف اس کو عذاب دیا اور اس کی خواہشات کے درمیان اللہ تعالیٰ حاکم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے ہلاک کرنے کی طرح اس کو ہلاک کیا اور غالب قدرت والے کی گرفت کی طرح اس کی گرفت کی۔ وکذا لک اخذ ربک اذا اخذ القرئی وهی ظالمة ان اخذہ الیہ شدید (یعنی تیرے رب کی گرفت ایسے ہی ہے جب ظالم بستیوں کی گرفت کرتا ہے، بیشک اس کی گرفت دردناک شدید ہے) (البدایہ، صفحہ ۲۳۵، جلد ۸)

ان چند حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ اور خیر القرون والے بزرگ کے ساتھ نہیں تھے اور یہ کہتا تو بہت بڑی ڈھٹائی ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ منظم آخر تک بیزید کی بیعت پر قائم رہے۔ تو جب صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کی اکثریت بیزید کے خلاف تھی تو اب خیر القرون اور صحابہ کرامؓ کی عظمت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ بیزید کو فاسق و فاجر جانا جائے ورنہ اگر بیزید کو عادل، صالح مانا جائے تو صحابہ کرامؓ پر حرف آئے گا کہ انہوں نے ایک عادل، صالح کے خلاف خروج کیوں کیا؟ باقی خروج کرنے والے سمجھتے تھے کہ ہم میں قوت ہے کہ ہم حکومت کو تبدیل کریں اور بعض حضرات جنہوں نے خروج نہیں کیا انہوں نے بیزید کے حق میں کوئی معافی کا کلمہ نہیں کہا۔ البتہ وہ خونریزی اور دوسرے مناسبات کی وجہ سے خاموش رہے۔ اس کی واضح دلیل حضرت ابن عباسؓ کا خط ہے جو آپ نے بیزید کو لکھا۔ چنانچہ شقیق بن مسلمہ فرماتے ہیں کہ شہادت حسینؑ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیعت نہ کی تو بیزید نے شکر یہ کا خط لکھا اور دوسرے لوگوں کو بھی بیعت سے روکنے کا کہا۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں بڑا سخت خط لکھا کہ میں نے ابن زبیر کی بیعت ترک کر کے تیرے احسان اور تیری تعریف کا ارادہ نہیں کیا۔ میری جو بیعت تھی اس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ تو اپنے احسان کو مجھ سے دور رکھ، میں اپنے احسان کو تجھ سے دور رکھتا ہوں اور تو نے کہا ہے کہ میں لوگوں کے دل میں تیری محبت اور ابن زبیر کا بغض ڈالوں اور اس کی نصرت چھوڑنے پر آمادہ کروں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی خوشی اور عزت نہیں، میں یہ کیسے کر سکتا ہوں جبکہ تو نے حضرت حسینؑ اور عبدالملک کے نوجوانوں کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور نشان راہ کے ستارے تھے اور تو نے ان کے کفن و دفن کا بھی انتظام نہ کیا۔ تیرے دل میں خدا اور اس کے رسول اور اس کے ان اہل بیت کی عداوت تھی جن سے اللہ تعالیٰ نے مہانت کفر و شرک کو دور کر کے ان کو خوب پاک صاف کر دیا تھا اور تم نے ان کو ایسے قتل کیا جیسے کفریوں کو قتل کیا جاتا ہے، میرے لئے اس سے بڑی جیب بات نہیں کہ تو میری محبت کا طالب ہے حالانکہ تو نے میرے باپ کی اولاد کو قتل کر دیا اور تیری تلوار سے میرا نون چلک رہا ہے، اب تو میرے انتقام کا ہدف ہے۔ آج حیرانم پر فتح پانا تجھے اچھا نہ لگے کیونکہ ضرور ہم بھی ایک دن تجھ پر فتح پائیں گے۔ والسلام

(مخلص کامل ابن اشیر، جلد ۲، صفحہ ۶۰۴)

عوامی انداز یا علمی:

آپ نے فرمایا کہ علماء کو عوامی انداز کی بجائے علمی انداز کو اختیار کرنا چاہئے۔ (صفحہ ۶) جناب! عرض ہے کہ مشاجرات صحابہ کرامؓ کے مسئلہ میں تو علماء کا انداز ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو اس پاک خون میں ملوث ہونے سے بچایا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو بھی ان پاکباز بستیوں کے مشاجرات سے بچائیں گے۔ مگر جب اہل تشیع نے عوام میں غلط روایات، پھیلائی شروع کیں اور ناصیبوں نے بھی تردید شیعہ کے عنوان

سے اکابر کی ڈاڑھیاں عوام کے ہاتھ میں پکڑادیں تو اب عوام کا ذہن صاف کرنے کے لئے عوامی انداز ہی ہمیں مجبوراً اختیار کرنا پڑا۔ آخر آپ کی عباسی پارٹی نے عوام کو جو ذہن دیا ہے کہ خطا، اجتہادی کام مقبوم سمجھائے بغیر عوام میں یہ بات پھیلانی کہ دیکھو مولویوں نے صحابی رسول کو خطا کار کہہ دیا۔ ہندوستانی مولویوں (مولانا نانوتوی) اور حضرت گنگوہی وغیرہ نے حضرت امیر معاویہؓ کی توہین کی ہے۔ ہم صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں عطا اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور ان ہندوستانی مولویوں کو نہیں مانتے۔ ہمارے اکابر فقہ اور حدیث پڑھتے پڑھاتے رہے شہادت حسینؑ تاریخی مسئلہ تھا اسکی ان کو پوری تحقیق نہ ہوئی۔ یہ اکابر غیر شعوری طور شیعوں ذہنیت سے متاثر ہو گئے۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے بارے میں عوامی جلسوں میں یہ کہنا کہ میں آج کے بعد ان کو حجۃ الاسلام نہیں بلکہ حق و باطل کیوں کا کیونکہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی عفو باللہ توہین کی ہے یہ اور اس جیسے ہزاروں عنوان آپ کی پارٹی نے عوام کو دیا جس کی وجہ سے عوام کا ذہن صاف کرنے کی ضرورت سے ہمیں مجبوراً اس انداز کو اپنانا پڑا۔

”اسے یاد صبا میں ہم آوردہ است“

نہ تم صدے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے

نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

ویسے یہ معلوم نہیں کہ آپ نے میرے انداز کو عوامی انداز کیوں کہہ دیا۔ شاید مثالوں سے عوام کو مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے تو ان مثالوں سے آپ البریک ہیں۔ تو یاد رکھیں کہ مثالوں سے مسئلہ کو سمجھانا یہ قرآن سنت کا انداز ہے مسئلہ قرآن ہے حدیث پر نظر کریں تو پتہ چلے گا کہ یہ انداز طبعی بھی ہے اور عوامی بھی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک:

آپ نے ازلیہ الخلفاء کے حوالہ سے لکھا ہے اگر کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنا لیں جس

میں میں یہ شرائط (خلافت) نہ پائی جائیں تو اس کی خلافت کے بانی گنہگار ہوں گے۔ (خط سنی) کیا حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر لاطینی میں ایسا خطاب ہو جائے تو بھی بنانے والے گنہگار ہوں گے۔ یا بنانے کے بعد وہ فسق فجور کرنے لگے تو بنانے والے گنہگار ہوں گے۔ یا کسی بڑی خرابی سے بچنے کے لئے انہوں نے ایسا کچھ کر اس کو اختیار کیا تو جب بھی وہ گنہگار ہوں گے۔

حضرت امیر شیعوں کا پرانا اعتراض تھا کہ یزید کو خلیفہ منتخب کرنے والے گنہگار ہیں اور یزید کے تمام افعال ناشائستہ میں وہ اُخوۃ باللہ برابر کے شریک ہیں۔ اور اکابرین اہلسنت نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یزید اول صالح تھا۔ بعد خلافت کے خراب ہوا تھا۔ (تالیفات رشیدیہ صفحہ ۲۴۲) اور اگر اس میں کچھ فسق و فجور تھا وہ ظاہر نہیں تھا۔ اور اُمت کے اتحاد کے پیش نظر وہ کوتاہیاں قابل نظر انداز تھیں۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے دل میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کو ولی مہدی بنانے کا داعیہ پیدا ہوا اسکی وجہ اُمت کے اتفاق اتحاد کی مصلحت تھی۔ بنو امیہ کے اہل حل و عقد اس پر متفق ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ اس وقت اپنے علاوہ کسی پر راضی نہ ہوتے اور اس وقت قریش کی سربراہ اور وہ جماعت رہتی تھی اور اہل ملت کی اکثریت ان ہی میں سے تھی اس لئے حضرت معاویہؓ نے ان کو ترجیح دی اور افضل سے غیر افضل کی طرف رجوع کیا..... حضرت معاویہؓ کی عدالت اور صحابیت اس کے سوا کچھ اور گمان کرنے سے مانع ہے (ابن خلدون بحوالہ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹) اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب حضرت حسنؓ کا وصال ہو گیا تو یزید کا معاملہ حضرت معاویہؓ کے نزدیک قوت پکڑ گیا اور حضرت امیر معاویہؓ نے اس کو اس امدت کا اہل سمجھا اور یہ بات باپ کی اپنی اولاد سے شدت محبت کی بنا پر اور اس وجہ سے کہ جب امیر معاویہؓ اس میں دشواری شرافت خیال کرتے تھے اور اس میں

شہزادوں جیسی علاتیں اور رفون جنگ سے واقفیت اور انتظام سلطنت اور اس کی ذمہ داری پوری کرنے کی صلاحیت دیکھتے تھے۔ اور ان کا گمان یہ تھا کہ کوئی صحابی اس انتظام کو اتنا قائم نہیں رکھ سکے گا اسی وجہ سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اپنے بعد رہا یا کو ان منتشر بکریوں کی طرح نہ چھوڑ جاؤں جن کا کوئی چرواہا نہ ہو (البدایہ والنہایہ، صفحہ ۸۳، جلد ۸)

یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کی نامزدگی کے بعد یہ دعایا گئی تھی کہ اے اللہ! اگر میں نے یزید کی ولی مہدی کا فیصلہ اس بنا پر کیا ہے کہ مجھے اس میں یہ فضیلت نظر آئی ہے تو اس کو میرے مقصد تک پہنچا اور اس کی مدد کر اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس کی محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ اس نامزدگی کا اہل نہیں ہے تو اس کے اس مقصد تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض کر لے۔ (تاریخ ذہبی بحوالہ حضرت معاویہؓ، تاریخی حقائق، صفحہ ۱۱) ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات نامزدگی میں مخلص تھے ان کی نیت پر شبہ نہ تاراضیت ہے البتہ نامزد ہونے کے بعد اگر یزید نے باپ کی وصیت پر عمل نہیں کیا تو اس میں ان پاکیزان صحابہ کرام کا کیا قصور؟ کیا قرآن یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی خود اس نے کوشش کی (سورۃ نجم) اور حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مجرم اپنے جرم پر خود ہی مامور ہو گا دوسرے سے اس کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدثؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر غیر عادل سمجھ کر بغیر کسی وجہ اور خلیفہ بنایا تو من سن سنة حسنة والی حدیث کے تحت وہ اس گناہ میں شریک ہوں گے اور یزید کی نامزدگی کا قصہ بالکل اس کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو گیا۔ پھر اگر آپ شاہ ولی اللہ محدثؒ پر ہی اعتماد ہے تو ان کی واضح عبارت دیکھ لیتے، صفرے کبرے ملائے

سرور نہ رہتی۔ حضرت فرماتے ہیں دعاۃ ضلال یعنی کمرانی کی دعوت دینے والے شام میں یزید اور عراق میں مختار تھے (جینۃ اللہ الہدایہ، صفحہ ۲۱۳، جلد ۲)

یزید حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ خیر القرون کے ہر شخص کو غیر خیر القرون کے ہر شخص پر فضیلت دینا ممکن نہیں کیونکہ خیر القرون میں بالاتفاق وہ شخص بھی ہیں جو منافق یا فاسق ہیں اور ان میں سے حجاج، یزید، بن معاویہ اور مختار بھی ہیں (جینۃ اللہ ص ۲۱۵ ج ۲) اور حضرت شاہ صاحب شرح تراجم بخاری میں یزید کو قتل حسینؑ، مدینہ کو یرمان کرنے اور شراب و فخر پر اصرار جیسے قبیح کار نکاب کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ (بخاری، صفحہ ۶۲ مقدمہ) شاہ صاحب اپنے کلیوں کو زیادہ سمجھتے تھے ان کے کلیے نقل کر کے ان کے خلاف جزوی نتیجے نکالنا ہر باطل فرقہ کا کام ہے شامل حق کا شیوہ۔

حضرت حسینؑ کی یزید کی بیعت پر آمادگی:

آپ نے الہدایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت حسینؑ بھی طبر عادل کی بیعت پر آمادہ ہو گئے اور اس کے ثبوت میں آپ نے الہدایہ، الاصابہ، اور نہ اس کے تین حوالے دیئے ہیں۔ الہدایہ میں حافظ ابن کثیرؒ نے مختلف روایات نقل کی ہیں۔ ۱۔ عبداللہ بن سلیم اور مزری بن شمعل اسدی کی اس میں جر بن یزید نے حضرت حسینؑ کو تیسرا راستہ اختیار کرنے کا اور یزید کو خط لکھنے کا حکم دیا ہے اور قتل کی دھمکی پر حضرت حسینؑ وہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ ہے کہ: "میں یقیناً اپنے مقصد پر پہل رہا ہوں اور جب انسان کا مقصد حق ہو اور اسلام کی حالت میں جہاد کرے تو اس پر موت عار نہیں۔" اور اس روایت کے آخر میں یہ ہے کہ اہل کوفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر تم نے مجھے ناپسند کیا ہے تو میں تمہیں چھوڑ کر واپس جاتا ہوں (الہدایہ، صفحہ ۶۷، جلد ۸) ابن زیاد نے یزید کی بیعت پر مجبور کرنے کا حکم دیا۔ پھر عمر بن سعد رات گئے حضرت حسینؑ کے ساتھ دونوں لشکروں میں کافی دیر اس بارہ

میں ہم کلام رہا لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ وہاں کیا باتیں ہوئیں لیکن بعض لوگوں نے گمان کیا کہ حضرت حسینؑ نے عمر بن سعد سے کہا کہ میرے ساتھ یزید کے پاس شام چل اور ہم دونوں لشکر یہاں چھوڑ دیں لیکن عمر بن سعد نے کہا کہ ابن زیاد میرا مکان گرا دے گا۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں تیرا مکان پہلے سے عمدہ بنا دوں گا، عمر بن سعد نے کہا کہ وہ میری جائیداد پر قبضہ کر لے گا۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں اپنی تہذیب کی عمدہ جائیداد تجھے دوں گا۔ تو عمر بن سعد یہ بات سن کر ناراض ہو گیا اور بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت حسینؑ نے اس سے سوال کیا کہ دونوں یزید کے پاس چلیں یا حضرت حسینؑ کو حجاز یا ترکوں کی لڑائی کے لیے کسی سرحد پر جانے کی اجازت دے، عمر بن سعد نے عبید اللہ کو لکھا عبید اللہ بن زیاد راضی ہو گیا مگر شمر نے اسے کہا کہ تو اپنے ہاتھ پر بیعت لے۔ (البدایہ صفحہ ۷۷، جلد ۸)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تین شرطوں والی روایت محض اٹکل ہے ورنہ حقیقت حال کسی کو معلوم نہیں کہ وہاں کیا باتیں ہوئی پھر اس روایت میں بھی یزید کے پاس جانے کا ذکر ہے بیعت کا کوئی ذکر نہیں اس کے بعد ابن کثیرؒ نے عقبہ بن سمان کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے لے کر حضرت حسینؑ کی شہادت تک ان کے ساتھ رہا ہوں اللہ کی قسم انہوں نے کسی مقام پر کوئی بات نہیں کی جو میں نے نہ سنی ہو اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے یہ سوال نہیں کیا کہ وہ یزید کے پاس جا کر اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھیں اور نہ کسی سرحد کی طرف جانے کا مطالبہ کیا، ہاں وہ چیزوں میں سے ایک کا مطالبہ کیا تھا کہ یا جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلیں یا انہیں چھوڑ دیں اور وہ اللہ کی وسیع زمین میں چلیں جائیں تاکہ دیکھیں کہ لوگوں کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہے (البدایہ صفحہ ۷۷، جلد ۸)

اس روایت میں ابن کثیرؒ واضح طور پر آپ والی روایت کا انکار کر رہے ہیں اور اسی بات کو علامہ محمد حنفیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت حسینؑ نے ان پر یہ بات

تجسس کی تھی کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھتا ہوں۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ صفحہ ۱۲۸)

تیز البدایہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت حسینؑ کو آخری رات حضور ﷺ نے خواب میں بشارت دی کہ شام تک تو ہمارے پاس آ جائے گا۔ آپ نے آخری رات ساری عبادت میں گزاری اور اپنے ساتھیوں کو حکم دے دیا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اس لیے تم میں سے جو واپس جانا چاہے جا سکتا ہے۔ لیکن ساتھیوں نے اپنی جاٹاری کا عہد کیا۔ پھر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسینؑ نے فرمایا "اے لوگو! مجھے چھوڑ دو میں زمین سے اپنے امن کی جگہ لوٹ جاؤں تو لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس بات سے کیا چیز مانع ہے کہ آپ اپنے چچا ذات بھائیوں کے فیصلے سے راضی ہو جائیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ ہے۔ اسی عدلت برہی و ربکم من کل مشکور لا یؤمن بیوم الحساب میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ پکڑتا ہوں ہر ایسے مشکور سے جو قیامت کے دن پر ایمان نہ لاتا ہو" (البدایہ و النہایہ صفحہ ۱۸۱، جلد ۸) اسی طرح جب قیس بن الاضعت نے بیعت کا مطالبہ حضرت حسینؑ کے واپسی کے مطالبہ پر کیا تو حضرت حسینؑ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا، میں ان کو اپنا ہاتھ ذلت کے طور پر نہیں دوں گا، اور نہ ان کے حق میں غلاموں جیسا اقرار کروں گا۔

(البدایہ صفحہ ۱۸۱، جلد ۸)

پھر اسی صفحہ پر جریر بن یزید کا قول تین خصال میں سے ایک کو قبول کرنے کا ہے مگر ان کی تفصیل نہیں اور جریر بن یزید کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ اس نے ابن زیاد کے لشکر کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اس (حسینؑ) اور اس کے چچا زاد بھائی کے معاملہ میں نہ آؤ اس کو جہاں چاہے جانے دو۔ (البدایہ صفحہ ۱۸۲، جلد ۸)

پھر جریر بن یزید کا اہل کوذ کا خطاب نقل کیا ہے کہ تم نے حسینؑ کو اپنی طرف آنے کی

دعوت دی جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کی مدد چھوڑ دی اور تم نے کہا تھا کہ ہم اس کے لیے جان دے دیں گے۔ پھر تم ان کے مخالف ہو کر انہیں قتل کرنا چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ان وسیع و عریض شہروں میں ان کو جانے سے روکتے ہو جہاں سے کتے اور خنزیر کو بھی نہیں روکا جاتا اور تم ان کے اور فرات کے اس جاری پانی کے درمیان حائل ہو گئے ہو جس سے کتے اور خنزیر بھی پانی پیتے ہیں۔ (البدایہ، صفحہ ۱۸۲، جلد ۸)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مطالبہ وسیع عریض شہروں میں واقعی کا تھا ایک روایت ابن کثیرؒ نے عمار و ابی شیبہ کی تین شرطوں والی ذکر کی جس میں فاذهب الی یزید کے لفظ ہی۔ (البدایہ، صفحہ ۱۹۹، جلد ۸) اس میں بھی بیعت کا کوئی لفظ نہیں آپ ابن کثیر کے وہ لفظ دکھائیں جن سے صرف بیعت یزید کی آمادگی معلوم ہوتی ہو۔ اگر آپ کے ذہن میں کوئی شیبہ کی ایسی روایت ہے جس میں تیسرا مطالبہ ہاتھ میں ہاتھ رکھنے کا تھا۔ تو جناب ہاتھ میں ہاتھ رکھنا یہ بیعت کرنے پر نہ عبارت اللس ہے نہ اشارۃ اللس اور نہ اقتناء اللس، یہ استدلال بھی غیر مقلد کا ہوگا۔ پھر وسیع کالفت میں معنی ذلیل و رسوا کرنا بھی آتا ہے تو اس و امی اور شیبہ کی روایت کا معنی یہ ہو سکتا تھا اگر دو مطالبے نہیں مانتے تو میں اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کو با مر مجبوری رسوا کر سکتا ہوں۔ اس کا معنی معاملہ چلانا بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایک پروفیسر نے تو مرادی معنی شیخ آزمائی بھی کیا ہے۔ بہر حال یہ روایت عقبہ بن سمان کے قول کے مطابق جھوٹی ہے اور صفحہ ۱۷۷ والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف بعض لوگوں کا وہم و گمان تھا اور اگر آپ والے الفاظ کہیں سے ثابت بھی ہو جائیں تو یہ تین مطالبوں میں سے ایک مطالبہ تھا اگر آپ اس مردود روایت پر ہی اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ تین مطالبوں کی وجہ سے حضرت حسینؑ ۳/۱ حصہ بیعت کی طرف مائل ہوئے تھے جو معتقدوں کے ہاں ظن اور شک سے بھی کم درجہ یعنی وہم بیعت کا بنتا ہے۔ اگر آپ سو فیصد آپ کا بیعت

کا ارادہ ثابت کرنے کو آپ کا ایک وہی روایت کی بنا پر سو فیصد مدعی ثابت ہو جاتا اور اگر آپ ساٹھ فیصد آپ کا اس طرف رجحان ثابت کر دیتے تو ہم مان لیتے کہ ایک جھوٹی وہی روایت کی بنا پر آپ کا دعویٰ یقینی نہیں ظنی طور ثابت ہو گیا اور آپ دو مطالبوں کے ضمن میں اس مطالبہ کو ۵۰ فیصد ثابت کر دیتے تو آپ کے دعویٰ کا ثبوت مشکوک ہوتا مگر کیا کریں آپ نے تو تین مطالبوں کے ضمن میں اس کا تیسرا حصہ ثابت کیا..... ۳۳ فیصد وہم کا بھی اونٹنی درجہ ہے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ ایک جھوٹی اور وہی بات لے کر ایک اور وہم میں ڈوب گئے۔ پھر شریعت کا بھی یہ اصول ہے اور عرف میں بھی یہی ہے یقین لا یزول بالمشک کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا حضرت حسینؑ کی یزید سے مخالفت یقینی ثابت ہے اور آپ اس یقینی بات کو شک میں بلکہ وہم سے دور کرنا چاہتے ہیں کیا آپ نے سمجھ لیا ہے کہ دنیا میں کوئی اصول شرع اور قوانین عقلیہ کی حفاظت کرنے والا نہیں رہا؟

فائدہ:

واضح رہے قرآن پاک نے الا متحرفا لفقنا (الانفال) میں لڑائی میں ہینترا بدلنے کی اجازت دی ہے حضور ﷺ نے بھی فرمایا:..... الحرب حدیۃ کہ لڑائی دھوکا ہے یعنی لڑائی میں دھوکا دینے کی اجازت ہے لہذا اگر ایسے الفاظ کہیں ثابت مان بھی لیں تو اس کو عربی میں "مخادعہ" کہا جائے گا۔ کیا البدایہ میں اور باقی کتب میں یہ واقع نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے جب مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو خط لکھا کہ میری بیعت کے بارہ میں عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ ابن زبیرؓ، حضرت حسینؑ سے شدید مواخذہ کر، تو ولید بن عقبہ نے حضرت حسینؑ اور حضرت ابن زبیرؓ کو بلایا اور حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر دی اور بیعت کا کہا تو حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت کرے؟ اور ایسی بیعت تو شاید تو بھی مجھ سے کافی نہ سمجھے اور لیکن جب لوگ جمع ہو گئے تو ہم کو ان کے

ساتھ بلانا تا کہ معاملہ سمجھ رہے۔ (الہدایہ صفحہ ۱۵۰ جلد ۸) اور اس کے بعد موقع پا کر کہ تشریف لے گئے جس طرح یہ مفاد حدیث ہے تھی۔ اس روایت کو بھی مفاد حدیث پر جمول کرنا موزوں ہوگا۔

واضح حکم کو چھوڑ کر مبہم استدلال ہر باطل فرقے کا کام ہے۔ آپ بھی ابن کثیر صغریٰ کبرے ملا کر یزید کی عدالت ثابت کرنا چاہتے ہیں کیا ابن کثیر نے واضح طور پر یزید کو فاسق قاجر نہیں لکھا اور صحابہؓ اور تابعین کے صریح اقوال بندہ پہلے نقل کر چکا ہے۔ حافظ ابن حجر کی اصابت سے بھی آپ نے یزید کی یزید والی منکر روایت ذکر کر کے یزید کی عدالت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی واضح عبارات کو چھوڑ دیا۔ تہذیب التہذیب، صفحہ ۳۶۱ پر تفصیل کے ساتھ انہوں نے یزید کے افعال قبیحہ کا ذکر کیا ہے جو الہدایہ کے حوالے سے پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ اور تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ یزید اس کا اہل ہی نہیں کہ اس سے کوئی روایت نقل کی جائے۔ (تہذیب، صفحہ ۲۸۲)

صاحب نیراس مولانا عبدالعزیز صاحب پر ہارون سے بھی آپ نے وہی روایت بیان کی ہے اور عدالت یزید ثابت کی ناکام کوشش کی ہے۔ واضح رہے کہ نیراس نے لفظ لا باجہ پر چٹھی نے اعتراض کیا ہے کہ یہ الفاظ میں نے کہیں نہیں دیکھے البتہ تاریخ الخلفاء میں ہاتھ دینے کی روایت ہے۔ (شاید آپ کی طرح کسی نے یہ روایت بالسنی کر دی ہے جس کی تردید پہلے ہو چکی) یہاں بھی آپ نے مولانا عبدالعزیز صاحب کے واضح نیلے چھوڑے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے کہ اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑ دی اور اس کو معزول کر دیا اور ان میں صحابہؓ اور تابعین بھی تھے۔ (نیراس، صفحہ ۵۳۰، صفحہ ۵۳۱) اور آپ نے عبارت نقل کی ہے اس کی ایک منظر پر اس کے کچھ کفریہ شعر بھی نقل کئے گئے ہیں اور یہ فرمایا کہ حضرت معاویہؓ نے اس کو صالح سمجھ کر ناز دیکھا پھر ذمہ لیا کہ اے اللہ! اگر یزید میرے گمان کے مطابق ہے تو درست ورنہ اس کو جلدی موت دے دینا۔

حضرت امیر معاویہؓ کی ذمہ قبول ہوئی، چنانچہ اس کی سلطنت لمبی نہ ہوئی۔ (نیراس، صفحہ ۵۳۱) پھر فرماتے کہ بعض اسلاف سے منقول ہے کہ ہم نے یزید کے خلاف بغاوت اس وقت تک نہیں کی جب تک ہمیں آسمان سے پتھروں کے برسے کا خوف نہیں ہوا۔

(نیراس، صفحہ ۵۳۲)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ تحقیقی بات ہے کہ یزید سے اور بہت سے فسق و فجور والے منکر امور صادر ہوئے ہیں اور سب سے زیادہ وہ منکر معاملہ ہے جو اس نے اہل بیعت سے کی۔

(نیراس، صفحہ ۵۵۱)

اسی صفحہ پر یزید کو امیر المؤمنین کہنے پر میں کوڑوں کی سزا نقل کی ہے۔ نیز فرماتے ہیں یزید کے قبیح افعال مشہور ہیں اور حب اہل بیت واجب ہے۔ (نیراس، صفحہ ۵۵۵)

ایسی واضح عبارات چھپا کر مبہم استدلالات ذکر کرنا علم اور دیانت کا خون کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرما کہ صراطا مستقیما پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

لفظ امیر المؤمنین:

اگر اضافیت تشریحی کی بنا پر ہو تو فاسق فاجر کے لئے اس کا استعمال درست نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یزید کے لئے اس لفظ کے استعمال کرنے پر (۲۰) بیس کوڑے لگوائے اور اگر شرافت سے قطع کر کے صرف اضافی معنی مراد ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے جو حضرت نعمان بن بشیر اور امام زین العابدینؓ کے اور الہدایہ میں بیان کیا ہے کہ جو حوالے دیئے ہیں وہ سارے اس دورے مفہوم کے اعتبار سے ہیں اس اعتبار سے تو آپ اپنے دور کے تمام ظالم حکمرانوں کو اس لقب سے یاد کر سکتے ہیں۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ابن کثیر اس لقب کے استعمال کے باوجود یزید کو فاسق قاجر لکھتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

امام زین العابدینؑ

امام زین العابدینؑ کا پورا واقعہ آپ نے نقل نہیں کیا کہ واقعہ حرمہ میں مسلم بن عقبہ جس کو اسلاف مسرف بن عقبہ کہتے تھے، نے مدینہ کو تین دن مباح قرار دیا اور اشراف مدینہ اور قراء مدینہ میں سے خلق عظیم کو قتل کیا اور وہاں کے اموال لوٹے اور عظیم شر اور بڑا فساد واقع ہوا تو اس نے امام زین العابدینؑ کو بلایا جو مروان بن الحکم اور عبد الملک بن مروان کے ساتھ امان حاصل کرنے کے لئے آئے، ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ یزید نے ان کے بارہ میں مسلم کو کوئی حکم دیا ہے۔ جب امام زین العابدینؑ اس کے سامنے بیٹھے تو مروان نے کوئی پینے کی چیز منگوائی۔ مسلم بن عقبہ شام سے جو برف لایا تھا اس کو اس میں ملا دیا گیا۔ مروان نے تھوڑا سا پی کر اپنا جھوٹا امام زین العابدینؑ کو دیا تاکہ اس سے ان کے لئے امان ثابت ہو جائے۔ مروان امام زین العابدینؑ سے موت ہی چاہتا تھا مگر یزید کے سپہ سالار مسلم بن عقبہ نے جب یہ حال حضرت امام زین العابدینؑ کے ہاتھ میں دیکھا تو کہا کہ ہمارا مشرہ بمت نبی، پھر حضرت سے کہا کہ تو ان دونوں کو اس لئے ساتھ لایا ہے کہ ان کی وجہ سے امن حاصل کرے؟ تو امام زین العابدینؑ کے ہاتھ کا پینے لگے۔ نہ وہ پیالہ رکھتے تھے نہ پیتے تھے، پھر مسلم نے کہا کہ اگر تو چاہتا ہے تو پی لے اور اگر تو چاہتا ہے تو اور پانی منگولیں تو امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ جو نمیر سے ہاتھ میں ہے میں اسی کا ارادہ رکھتا ہوں، پھر پانی پی لیا۔ (البدایہ، صفحہ ۲۳۳، جلد ۸)

آپ نے ابن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے۔ اس کے راوی محمد باقرؑ ہیں۔ وہ روایت بیان کرتے ہوئے مسلم کو مسرف کہتے ہیں اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مدینہ کو قتل کرنے کے بعد یزیدی سپہ سالار نے پوچھا کہ امام زین العابدینؑ یہاں ہیں، ان کو کون نے کہا ہاں، تو اس نے کہا میں ان کو دیکھتا کیوں نہیں۔ یہ بات حضرت الامام کو پہنچی تو وہ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ آپ کے دو بیٹے عبد اللہ اور احسن بھی تھے۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو مر جہا کہا اور اپنے ساتھ بٹھایا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے مجھے تیرے ساتھ حسن

سلوک کی وصیت کی ہے تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو اس حسن سلوک کا صلہ دے۔ (طبقات، صفحہ ۱۶۶، جلد ۵)

اس میں صنعت مشاکلت ہے جیسے جزاء سیدہ کو سیدہ قرآن پاک میں کہا ہے حالانکہ برائی کا برائی کے برابر بدل لینا برائی نہیں مگر پہلے لفظ کی مشاکلت کی وجہ سے اس کو سیدہ کہا ہے۔ اسی طرح چونکہ مسلم بن عقبہ نے وصلی اللہ امیر المؤمنین کہا تھا تو جواب میں انہوں نے بھی وہی الفاظ استعمال کر دیئے۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جزاء الاحسان بالاحسان کے بطور کہا تھا پھر اس کی وصیت پر بھی جو عمل کیا البدایہ کی روایت سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ قتل کی دھمکیاں اس کے باوجود جاری ہیں، پھر انہی امام محمد باقرؑ کی روایت طبقات ابن سعد میں ہے کہ امام زین العابدینؑ حمرات کی طرف پیدل جاتے تھے اور آپ کا مکان منیٰ میں تھا۔ اہل شام آپ کو تکلیف دیتے تھے تو آپ قرین شغالب یا اس کے قریب منتقل ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد، صفحہ ۱۶۹، جلد ۵)

منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام زین العابدینؑ کے پاس گیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تندرست رکھیں، آپ نے کیسے صبح کی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس شہر کے تھکے جیسے شیخ کے بارہ میں میرا خیال نہیں تھا کہ اسے معلوم نہ ہو کہ ہم نے کیسے صبح کی ہے۔ بہر حال جب تھکے کو علم نہیں ہے تو تھکے ٹہر دینا ہوں ہم نے اپنی قوم میں ایسے صبح کی ہے جیسے بنی اسرائیل آل فرعون میں صبح کرتی تھی کہ وہ بن کے بچوں کو ذبح کرتے تھے اور بچیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ ہمارے دشمن کا قرب ہمارے شیخ اور ہمارے سردار کو منہروں پر سب و شتم سے حاصل کیا جاتا ہے اور قریش سمجھتے ہیں کہ ہمیں تمام عرب پر اس لئے فضیلت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہیں، ان کی یہی فضیلت شمار کی جاتی ہے اور تمام عرب ان کے لئے اس فضیلت کا اقرار کرنے والے ہیں اور تمام عرب مجھ پر اس لئے اپنی فضیلت شمار کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہیں، ان کی فضیلت اسی کے

ساتھ ہے اور اہل عجم ان کی اس فضیلت کا اقرار کرنے والے ہیں۔ تو اگر عرب اس بات میں چپچپے ہیں کہ ان کو عجم پر فضیلت ہے اور قریش اس بات میں سچے ہیں کہ ان کو باقی عرب پر فضیلت ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہیں تو بیشک ہم اہل بیت کو بھی باقی قریش پر فضیلت ہے اس لئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ ہمارا حق لیتے ہیں اور ہمارے کسی حق کو پیچھتاتے نہیں۔ ہم نے اس طرح صبح کی ہے اگر تو یہ نہیں جانتا کہ ہم نے کس طرح صبح کی ہے۔ (ابن سعد، صفحہ ۷۰، جلد ۵)

ان حالات میں حضرت خود بھی صبر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت کے پوتے علی بن محمد فرماتے ہیں کہ اہل خراسان نے حضرت امام زین العابدین کے پاس اپنے احکام کے ظلم کی شکایت تو آپ نے ان کو صبر اور لڑائی سے رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں تو ایسے ہی کہتا ہوں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ۔ ان تعلمہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزيز الحكيم "اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔" (طبقات ابن سعد، صفحہ ۱۶، جلد ۵)

اور ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے کی طرح ہے مگر یہ کہ اس کو خطرہ ہو۔ پوچھا گیا کہ خطرے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کسی جبار سرکش کا خوف ہو کہ وہ زیادتی کرے اور یا سرکشی کرے۔ (ابن سعد، صفحہ ۱۶۵، جلد ۵)

تو جو وقت کے حکام سے اس طرح خوفزدہ ہو اور ان کو فرعون کے ساتھ تشبیہ ہے اس کے ساتھ صنعت مشاکلت کے طور پر امیر المؤمنین بھی کہہ دے تو اس سے اضافت تشریفی کہاں سے مفہوم ہوگی۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے بھی اضافت تشریفی کے طور پر امیر المؤمنینؓ نہیں کہا بلکہ وہ تو امیر المؤمنینؓ کہہ کر یہ فرماتے ہیں انشدک اللہ فی عشیرتک وانتصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (البدایہ، صفحہ ۲۲۱، جلد ۸) یعنی اے امیر المؤمنین! میں نے آپ کو اپنے قبیلہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کے بارہ میں خدا کا واسطہ دیا ہوں (یعنی اہل مدینہ پر چڑھائی نہ کریں) تو وہ اس گناہ سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ اس سے باز نہ آیا۔ ابن تیمیہ کی عبارت میں آپ نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ کوئی شخص بزرگ شمشیر فاسق و فاجر مسلمانوں پر مسلط ہو جائے اور اس کا حکم نافذ ہو تو اس کو خطبہ اور امیر المؤمنینؓ کہہ سکتے ہیں۔ (خطبہ ۸، بحوالہ خارجی فتنہ)

تو عرض ہے کہ آپ اپنے نقل کردہ حوالے کے مطابق بزرگ کو فاسق فاجر بزرگ شمشیر مسلط ہونے والا مان کر امیر المؤمنینؓ کہہ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت یہ اضافت تشریفی نہیں ہوگی۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ اضافت تشریفی کے طور پر یہ لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جو بزرگ کو امیر المؤمنینؓ کہنے پر (۴۰) میں کوڑے لگوائے تھے وہ شخص اگر ساتھ ساتھ اس کو فاسق فاجر بھی کہہ دے تو یقیناً کوڑے نہ کھاتا۔

خلاصہ یہ کہ:۔۔۔۔۔ صرف اضافی معنی مراد ہو تو اس کا استعمال فاسق فاجر پر جائز ہے اور اضافت تشریفی کے طور پر جیسے کہ آج کل عام بزرگی کرتے ہیں درست نہیں۔

بزرگ کے مامورین کفار یا مؤمنین؟

آپ نے اس عنوان کے تحت لکھا ہے کہ اس کے مامورین خیر القرون، عالم اسلام، صحابہ کرام و تابعین تھے اور یہ سب مؤمنین ہیں تو بزرگ امیر المؤمنینؓ ہوا اور آپ مامورین کو مؤمن نہیں مانتے تو بزرگ دشمنی میں آپ دور خیر القرون صحابہ و تابعین اور اہل بیت

سب کو کافر کہہ رہے ہیں۔ (خلاصہ خط صفحہ ۷)

جواب:..... یزید کے مأمورین کافر ذمی بھی تھے اور معاہدہ حربی بھی تھے اور وہ مومنین بھی تھے جو یزید کو شرابی، زانی، تارک صلوٰۃ، دشمن اہل بیت، سرکش، جبار، ارجاء کے عقیدہ والا خیال کرتے تھے اور انہی وجوہ کی بناء پر بیعت کرنے والوں میں سے تقریباً سب نے بیعت توڑ دی، سوائے ایک دو صحابہ کرام کے۔ بہر حال آپ کا یہ کہنا کہ اگر امیر المومنین نہیں تو امیر الکفرین ہوگا اور اس سے تمام صحابہ کرام اور تابعین اور خیر القرون کو کافر کہنا لازم آئے گا۔ میں نے تو امیر المومنین کی حیثیت اضافیت تشریحی والی متعین کر دی ہے۔ باقی اس کے جو لوازمات آپ ذکر کر رہے ہیں یہ لوازمات تو بریلی سے صادر ہوا کرتے تھے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عموں قدرت باری تعالیٰ کی مہارت لے کر لکھ دیا کہ اس میں صاف تصریح ہے کہ جو کچھ آدمی اپنے لئے کر سکتا ہے وہ سب خدا نے پاک کی ذات پر بھی روا ہے جس میں کھانا پینا، سونا، پاختا، پھرتا، پیشاب کرنا، جلنا، ڈوبنا، مرنا سب کچھ داخل ہیں۔

(الکتابت الشہابیہ، صفحہ ۱۵)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا مولانا احمد رضا خان بریلوی کی میں نے ایک کتاب جس میں سو کفریات و باہیہ کے نام سے لکھی ہے، دیکھی کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ مانو، آگے اس پر حاشیہ لگایا کہ گویا رسول کو بھی نہ مانو، فرشتوں کو بھی نہ مانو، قیامت کو بھی نہ مانو کیونکہ یہ سب اللہ کے سوا ہی تو ہیں اور یہ تین کفر ہوئے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے۔ (مجالس حضرت رائے پوری، صفحہ ۱۷۲)

ایسے لوازمات کی وجہ سے نہ احمد رضا خان ہمارے بزرگوں کو خائف کرے گا تھا اور نہ ہی آپ ہی کر سکتے ہیں۔ صحابہ کرام کے کچھ اقوال میں پہلے لکھ چکا ہوں، اگر امیر المومنین نہ کہنے سے آپ کے بقول اگر صحابہ کرام اور تابعین کو تعویذ باللہ کافر کہنا لازم آتا ہے تو

اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ دور یزید میں جو ذمی کافر تھے امیر المومنین کہنے سے ان سب کفار کا مومن ہونا تو لازم نہیں آتا۔ یہ آپ کا لزوم آپ کو لے ڈوبے گا۔

لو آپ اپنے دام میں سیاد آ گیا

مسئلہ تکفیر و لعن یزید:

اس بارہ میں، میں نے امام احمد اور ابن جوزی وغیرہ کا قول نقل کر کے آگے لکھ دیا تھا کہ محققین کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ درست قوی طریق کفر یزید میں توقف کرنا ہے اور اس کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے اس لئے کہ وہ مخفیات کا جاننے والا ہے اور پوشیدہ رازوں پر مطلع ہے۔ پس ہم اس کی تکفیر کے پیچھے بالکل نہیں پڑیں گے کیونکہ یہی زیادہ لائق اور سلامتی کا راستہ ہے۔ (الخیر مجرم الحرم صفحہ ۲۳، ۲۴) اور اس کے بعد ابن حجر مکی کے حوالے سے یہ بھی لکھا تھا کہ اس قول پر کہ وہ مسلمان ہے پس وہ قاسق شریر، نش باز عالم ہے۔

(الخیر، ایضاً) آپ نے یہ آخری قول جو محقق ہے یہ نہ دیکھا اور تکفیر اور لعن کی فضول بحث شروع کر دی۔ یاد رکھیں کہ بندہ جمہور کی طرح مسبق یزید کا قائل ہے تکفیر کا نہیں۔ پہلا قول اس لئے لکھا تھا کہ یزید کو عادل اور صالح ثابت کرنے والے جان لیں کہ اہل سنت کے اس کے بارہ میں صرف دو قول ہیں (۱) کفر، (۲) فسق، صالح اور عادل والا قول کسی کا نہیں، تکفیر اور لعن شخصی کی بحث آپ نے خط میں فضول چھیڑی ہے۔ البتہ اس فضول بحث میں بھی آپ نے بہت سی فضول باتیں کی ہیں۔ (۱) سند کی بحث کی ان روایات کی سند نہیں۔ آج کل غیر مقلدین بھی آپ کی طرح فقہ کے ہر مسئلہ کی امام صاحب تک سند کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر قدوری، ہدایہ وغیرہ کے مسائل کی سند نہ ہو تو اس کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا جعل سازی قرار دیتے ہیں حالانکہ متواترات اور مشہورات کے لئے سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بات صرف اصول فقہ اور اصول حدیث ہی کی نہیں بلکہ تمام فنون کا وار و مدار اس پر ہے۔ کوئی

جو ایش جالبینوں کی جائیدادوں تک سند تلاش کرے تو ہرگز نہیں ملے گی، تنگ سلیمانی کا استعمال بغیر سند کے نہ کرے تو اپنا ہی نقصان اٹھائے گا جو کتب مشہور ہو چکی ہیں ان کی سند تلاش کرے۔ صرف کی کتاب کی واضح صرف تک اور نحو کی ہر کتاب کی واضح نحو تک سند بیان کرو تو اس کا مقصد تحقیق نہیں بلکہ ان فنون کو تباہ ویراں کرنا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ متواترات بلا سند کا درجہ خبر واحد یا سند سے قوی ہے۔ اس کے مقابلہ میں سند متروک ہوتی ہے، اس کی صرف ایک مثال ذکر کرتا ہوں کہ امام بخاری نے چھ سندوں کے ساتھ والذکر والانشی کی قراءہ نقل کی ہے اور وما خلق الذکر والانشی والی ایک سند بھی ذکر نہیں کی جبکہ یہ دوسری قراءہ متواتر ہے۔ اب اس کی وجہ سے چھ سندوں والی قراءہ چھوڑی دی جائے، نہ کہ سند کا لحاظ کر کے اس متواتر قراءہ کو چھوڑا جائے۔

لطیفہ ہمارے ایک دوست قاری عبدالاحد صاحب کسی دعوت میں شریک ہوئے جس میں غیر مقلد مولوی بھی مدعو تھے تو ایک غیر مقلد کو شرارت سوجھی، قاری صاحب سے کہنے لگا کہ تمہاری نماز بخشی کی سند ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو یاد نہیں، تو انہوں نے شور مچا دیا کہ تمہاری بے سند نماز مستبر نہیں اس کو چھوڑ دو۔ اس سے تو بہ کر لو، قاری صاحب فرماتے ہیں کہ میں کچھ شرمندہ سا ہوا مگر فوراً ذہن میں ایک بات آئی، میں نے اس غیر مقلد سے سوال کیا کہ تو اپنا نسب آدم علیہ السلام تک سند سے ثابت کرے گا؟ اس نے کہا نہیں، تو میں نے کہا کہ میری تو نماز گئی حیرانہ ہی گیا۔ اب بتا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے تو تو نہیں اب ہم تجھے کس طرف منسوب کریں۔

یاد رکھیں کہ یزید کے افعال ناشائستہ پوری امت میں شہرت سے پھیلے ہوئے ہیں اس لئے بیان سند کی ضرورت نہیں۔ تلخی بالقبول مستقل دلیل ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ان افعال ناشائستہ کو حلال سمجھ کر کرتا تھا یا حرام سمجھ کر، جن کو پہلی بات متحقق ہو گئی۔ انہوں

نے کفر کا قول کیا مگر جمہور اہل سنت کہتے ہیں کہ ان افعال کی حلیت قطعی طور پر ثابت نہیں اس لئے کفر میں کف لسان ضروری ہے۔

مسوئین کو کافر کہنا کفر ہے:

آپ نے اس بارہ میں مسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو اگر وہ کافر نہ ہو تو کفر اس پر لوٹتا ہے۔ (مسلم، صفحہ ۵۷) آپ اس کے نیچے نووی کا حاشیہ بھی دیکھ لیتے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن کو بعض علماء نے اس وجہ سے مشکلات میں سے شمار کیا ہے کہ اس کا ظاہری معنی مراد نہیں اور یہ اس لئے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ کسی مسلمان کی زنا، قتل جیسے معاصی کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی اور اسی طرح کسی کا اپنے بھائی کو کافر کہنا دین اسلام کے بطلان کے اعتقاد کے بغیر کفر نہیں۔ (نووی، صفحہ ۵۷)

معلوم ہوا کہ یہ کفر کا حکم اس وقت لگے گا جب دین اسلام سے بغض رکھ کر کسی مسلمان کو کافر کہے۔ یزید کو جن حضرات نے کافر کہا ہے اس کی وجہ اس کے افعال ناشائستہ ہیں، دین اسلام سے بغض نہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ذانت اور تشدید پر مضمون ہے۔ اس حدیث کا ظاہری مفہوم مراد نہیں۔ اگر آپ نے اس حدیث کا خلاف اہل حق ظاہری ہی مطلب لیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے جیسے احمد مجتہدین جن کی امامت یزید کے فسق و فجور کی طرح متواتر ہے کو کافر بنانا ہے تو سب لوگوں کو یقین ہو گا کہ آپ کی تکفیر سے وہ تو ان شاء اللہ محفوظ رہیں گے تو تکفیر امام احمد بن حنبل کس گھر کی طرف لوٹے گی؟ خبیب یزید میں مست ہو کر آپ کے اپنے بقول یہ کزو و گھوٹ آپ کو نہ بھرتا پڑے۔ باقی امام احمد کے مسلک کو آج تک تمام نے قبول کیا ہے اس لئے یہ کہنا کہ آپ کے اس تکفیری اصول سے ڈر کر امام احمد بن حنبل اپنے مسلک کو چھوڑیں گے یا لوگ ان سے اعتماد اٹھالیں گے، ان شاء اللہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ آپ ہی اپنی

ادواں کو چھوڑ دیں۔ باقی یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خیر القرون اس کے فسق و فجور پر متفق تھا ایک آدھ آدھی نے اگر اس کے خلاف کام نہیں کیا تو اس کو امام عادل وغیرہ بھی قرار نہیں دیا۔ بیعت کے توڑنے والے حوالے پہلے آچکے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ جلیلی:

امام احمد کے مسلک کو بقول آپ کے زیادہ جانتے تھے لہذا ابن حجر مکی کی نقل درست

نہیں۔ (ملخصاً)

جو اباً عرض ہے!

امام ابن تیمیہ نے بھی منہاج السنہ میں فرمایا ہے کہ:..... ونقلت عنہ روایۃ

فی لعن یزید کہ امام احمد کی روایت لعن یزید کی بھی ہے۔ (بحوالہ خارجی، قنہ، صفحہ ۱۳۵)

مگر اس روایت کو منقطع شمار کیا ہے مگر جس روایت پر آپ کی نظر ہے وہ کس سبب متصل سے

منقول ہے وہ تو آپ ذکر کرتے، پھر آپ نے مثلاً علی قارئی پر اعتماد کیا ہے وہ بھی شرح فقہ

اکبر میں فرماتے ہیں:..... وَ لَعْنَةُ وَجْهٍ مَا قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ بِتَكْفِيرِهِ (شرح فقہ اکبر،

صفحہ ۸۷) یعنی فخر کو حلال سمجھتے اور یزید کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ میں نے قتل حسین سے بد رجا

بدل لیا ہے شاید اس کی بنا پر امام احمد نے اس کی تکفیر کی ہے۔ پھر حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں،

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت صالح فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے کہا

کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ یزید سے محبت کرتے ہیں، تو امام احمد نے فرمایا اے میرے

بیارے بیٹے! یزید سے کوئی ایسا آدمی محبت کر سکتا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو؟

میں نے کہا اے اباجی! آپ کس وجہ سے اس پر لعنت نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تم

نے کب اپنے باپ کو کسی پر لعنت کرتے دیکھا ہے؟

(فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۳، صفحہ ۴۱۲، ایضاً، جلد ۴، صفحہ ۴۸۳)

مہربنا فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کے بارہ

میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہی شخص ہے کہ جس نے مدینہ میں وہ کام کیا جو اس نے

کیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو قتل

کیا اور بھی کچھ کیا، میں نے پوچھا کہ اور کیا کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے مدینہ کو لوٹا، میں

نے کہا کہ اس کی حدیث لی جائے تو امام احمد نے فرمایا کہ اس کی حدیث نہ لی جائے۔ (فتاویٰ

ابن تیمیہ، صفحہ ۴۸۳، جلد ۴) اور ایک قول میں یہ بھی فرمایا کہ یزید کی روایت میں کوئی ٹکڑا

نہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۳، صفحہ ۴۱۲) لیکن حافظ ابن تیمیہ کے بقول حضرت امام احمد بن

حنبل یزید کی محبت کو خدا اور آخرت پر ایمان سے متضاد سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ اور یزید:

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ یزید کے بارہ میں دو گروہ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔

ایک گروہ اس کو کافر کہتا ہے اور دوسرا گروہ اس کو امام عادل، ہادی، مہدی، ستاجی، ولی بلکہ بعض

اس کو نبی تک کہتے ہیں۔ دونوں طرفوں کا یہ غلو اہل علم و ایمان کے اجماع کے خلاف ہے۔

(فتاویٰ، جلد ۳، صفحہ ۴۱۰)

پھر فرماتے ہیں کہ یزید ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو دین اور صلاح میں مشہور

ہیں۔ (ایضاً، صفحہ ۴۱۰) اور فرماتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے بعد بعض مسلمانوں کی رضا اور

بعض کی عدم رضا کے باوجود حاکم بن گیا۔ (ایضاً، صفحہ ۴۱۰) نیز فرماتے ہیں کہ یزید سے قتل

حسین کے انکار کا ظہور نہیں ہوا اور اس نے اس کا انتقام اور قصاص جو اس پر واجب تھا نہیں

لیا۔ پس اہل حق اس پر ترک واجب اور بہت سے امور کی بنا پر اس پر ملامت کرتے ہیں۔

(فتاویٰ، صفحہ ۴۱۰، جلد ۳) نیز فرماتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑی اور اس

کے نائبین کو مدینہ سے نکال دیا تو اس نے اہل مدینہ کی طرف لشکر بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ اگر یہ

تین دن تک اطاعت نہ کریں تو مدینہ میں تلواریں داخل کی جائیں اور اس کو تین دن کے لئے مباح قرار دیا جائے تو یزید کا لشکر مدینہ میں نفل و غارت کرتا رہا اور حرام شرم گاہوں کے پردہ بکارت زائل کرتا رہا، پھر اس نے مکہ کی طرف لشکر بھیجا۔ انہوں نے مکہ کا محاصرہ کیا۔ اسی حال میں یزید فوت ہو گیا اور یہ سب ظلم و زیادتی یزید کے حکم سے ہوئی۔ (فتاویٰ، جلد ۳ صفحہ ۳۱۲)

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت اور ائمہ امت کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ اس پر سب کی جائے اور نہ اس سے محبت کی جائے۔ (فتاویٰ، جلد ۳ صفحہ ۳۱۲) نیز فرماتے ہیں کہ یزید علمائے ائمہ المسلمین کے نزدیک ایک بادشاہ ہے، وہ یزید سے صالحین اور اولیاء جیسی محبت نہیں رکھتے اور نہ اس پر سب کرتے ہیں۔ (فتاویٰ، جلد ۳ صفحہ ۳۱۲) اور فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود اہل سنت کا ایک گروہ اس پر لعنت کو جائز قرار دیتا ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۳ صفحہ ۳۱۳)

اگرچہ جمہور کی طرح ابن تیمیہ اس رائے کو پسند نہیں کرتے مگر اس رائے رکھنے والوں کو اہل سنت کہتے ہیں جبکہ آپ ایسے عقیدہ والوں کو اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں نیز وہ تین گروہوں میں سے راجح اس گروہ کو قرار دیتے ہیں کہ اس کی حسرت بھی ہیں اور سخیات بھی وہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں پیدا ہوا اور وہ کافر نہیں تھا لیکن اس کی وجہ سے حضرت حسینؑ شہید ہوئے اور اہل حرہ کے ساتھ اس نے جو سلوک چاہا کیا۔ وہ صحابی اور ولی نہیں تھا۔ یہ عام عقلاء و علماء اور اہل السنۃ والجماعت کا قول ہے، پھر ان اہل سنت کے تین گروہ نقل فرمائے۔ ایک وہ جو لعنت کرتا ہے اور دوسرا جو اس سے محبت رکھتا ہے، تیسرا نہ سب کرتا ہے اور نہ محبت، پھر اس تیسرے گروہ میں امام احمدؒ کو ذکر کیا کہ جو فرماتے ہیں کہ اللہ اور آخرت پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ یزید سے محبت نہ کی جائے اور اس کو صحابہ کرامؓ کا قاتل اور بدینہ کو لوٹنے والا اور پاک دامن عورتوں کی عصمتوں کو تار تار کرانے والا اور اس کی روایت کو

تاریخ قرار دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ باتیں بیان کرنا سب نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے اور پھر یزید سے ترک محبت کے تحت لکھتے ہیں کہ حجت خاصہ تو صرف عیسیٰ، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ یزید ان چار جماعتوں میں سے کسی سے نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے، اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے وہ اس بات کو اختیار نہیں کرے گا کہ وہ یزید یا اس جیسے ان بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں۔ (فتاویٰ، جلد ۳ صفحہ ۳۱۸)

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ یزید کو غیر عادل کہنا اور مومن کا یزید کی صحبت کو پسند نہ کرنا یہ سب نہیں بیان حقیقت ہے۔ پھر یزید سے ترک محبت کے دو ماخذ ذکر کرتے ہیں:

۱۔ اس سے کوئی ایسا عمل صالح صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس کی محبت واجب ہو، تو وہ ان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہوا جو بزرگوار مسلط ہونے والے ہیں اور اس قسم کے اشخاص کی محبت جائز نہیں۔

۲۔ دوسری یہ بات ہے کہ اس سے ایسے افعال صادر ہوئے ہیں جو اس کے اوصاف میں ظلم و فسق کا تقاضا کرتے ہیں اور اس سے حضرت حسینؑ اور اہل حرہ کے معاملے کا صدور ہوا۔ (فتاویٰ، جلد ۳ صفحہ ۳۱۸)

اس کے بعد یزید سے محبت رکھنے والوں کے دو ماخذ ذکر کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ساری اس کی خطائے اجتہادی تھی اور کچھ تاریخی روایات کا درست نہ ہونا اور دوسرے اس کا امیر جمہور لشکر قسطنطنیہ ہونا اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ لعنت اور محبت والے دونوں قول اجتہادی ہیں اس لئے کہ مرتکب معصیت پر لعنت کرنے میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور اسی طرح جو حسنت اور سنیات دونوں کا مرتکب ہو اس سے محبت بھی ہو سکتی ہے بلکہ ہمارے

نزدیک اس میں منافات نہیں کہ ایک آدمی میں تعریف اور مذمت دونوں، اسی طرح اجراء ثواب دونوں کا اجتماع ہو جائے اور اسی طرح اس میں بھی منافات نہیں کہ وہ مختلف اعتبار سے ایک شخص کے حق میں دعا بھی کی جائے اور لعن طعن بھی کی جائے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ، صفحہ ۳۸۶، جلد ۴)

ابن تیمیہ کی مختلف عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو انہوں نے اہل محبت کہا ہے وہ بھی یزید کو عادلین، صلحاء میں شمار نہیں کرتے بلکہ اس کی خطاؤں کو اجتہادی قرار دے کر فاسق نہیں قرار دیتے۔ ان عبارات سے ابن تیمیہ کا مسلک بھی واضح ہو گیا کہ وہ یزید کو عادل اور صالح ماننے کے لئے تیار ہیں اور امام احمد کا مسلک بھی انہوں نے بتا دیا کہ اگرچہ ان سے کفر کی روایت منقطع ہے مگر وہ اس کو فاسق، فاجر مانتے تھے۔

بارہ خلفاء:

آپ نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ، ابن حجر عسقلانی، ملا علی قاری، سید سلیمان ندوی جیسے حضرات اس کو بارہ خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔ (اللمع) (صفحہ ۱۰)

محترم! بات فسق یزید کی ہو رہی ہے۔ ان میں سے کسی ایک شخص سے اس کا عادل ہونا ثابت کر دیں، مجھے تو آپ طعن دیتے ہیں کہ سند ذکر نہیں کرتا اور صدیوں کی چھلانگ لگاتا ہے مگر آپ نے تو یہاں حوالہ بھی ذکر نہیں کیا بلا سند اور بلا حوالہ آٹھویں صدی تک پہنچ گئے ہیں اور پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابن تیمیہ اس کو فاسق فاجر وغیرہ بہت کچھ مانتے ہیں، پھر ملا علی کی روایت کے مطابق لایزال الامور عزیزاً ہے کہ بارہ خلفاء تک اسام کا غلبہ رہے گا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ سارے عادل اور صالح ہوں گے۔ یہی وہ ہے کہ یزید کو ان بارہ میں داخل کرنے کے باوجود بھی ملا علی قاری اس کو مجتہدین میں شمار کرتے ہیں۔ (مرقاۃ، صفحہ ۵۲، جلد ۴)

اور اسی شرح فقہ اکبر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ اکابر، یزید، حجاج اور زیاد جیسے لوگوں سے خائف تھے اور ان ارباب عناد کے خلاف بغاوت بھی کامیاب ہوتی نظر نہ آتی تھی، بلکہ اس بغاوت پر بہت سے فساد مرتب ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر، گو دعویٰ خلافت سے روکتے اور منع کرتے تھے یا وجود یکہ حضرت ابن زبیر بلا اختلاف خلافت کے زیادہ لائق اور حق دار تھے ان ظالم امراء سے۔ (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۷۷۱) بہر حال بارہ خلفاء میں شامل کرنے والے بھی اس کو ظیفہ عادل نہیں کہتے تھے۔

مسئلہ لعنت:

شخصی لعنت چونکہ کافر جس کا خاتمہ یقیناً کفر پر ہوا ہو اس پر جائز ہے، باقی کسی پر جائز نہیں۔ اس لئے اس کا عدم فسق یزید سے کوئی تعلق نہیں، جن لوگوں نے لعنت سے روکا ہے وہ اکثر اس یزید کو غیر عادل مانتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ وغیرہ کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

فاسق و فاجر بنانا یا بتانا:

آپ نے حضرت قاضی صاحب کے بارہ میں لکھا کہ یزید کو فاسق و فاجر کہنے اور بنانے کے لئے بزرگ خود خدمت دین کا عقیم کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے سات آٹھ سو صفحات کی کتاب لکھ ماری۔ (خط، صفحہ ۱۱)

مرزائی وغیرہ تمام باطل فرقوں کا یہی طریق کار ہے کہ اہل حق جب ان کو ان کا کفر بتاتے ہیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں تو وہ عوام میں یہی شور مچاتے ہیں کہ دیکھو مولوی کا فر بناتے رہتے ہیں لیکن یہ بات اس وقت توچی ہوگی جب کوئی مولوی ان کو کہے کہ تم مرزائی عقائد اپنا لو مگر علماء تو مرزائیت سے عوام کو بچاتے ہیں اور اگر کوئی اس بیماری میں مبتلا ہو جائے اس کا اس کو اس کا کفر بتاتے ہیں، جیسے ڈاکٹر عوام کو بیماریوں سے بچاتے ہیں مگر بیمار

ہونے کے بعد اس کو اس کی بیماری بتاتے ہیں اور یہ ان کا فرض ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ڈاکٹر لوگوں کو بیمار بناتے ہیں تو یہ قلعہ پروپیگنڈا ہوگا۔ اسی طرح پہرے دار عوام کو چوری سے بچاتا ہے، اگر کوئی چوری کا ارتکاب کر لے تو وہ اس کا چور ہونا بتاتا ہے مگر چور یہی شور مچائے گا کہ یہ پہرے دار لوگوں کو چور بناتا رہتا ہے۔

اگر تو حضرت قاضی صاحب نے یزید کو مشورہ دیا تھا کہ تو یہ فسق و فجور کر اور وہ ان کے مشورہ کے بعد فسق و فجور میں مبتلا ہوتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ قاضی صاحب نے اس کو فاسق بنایا، مگر افسوس ہے کہ آپ کو بنانے اور بتانے کا فرق معلوم نہیں۔ یزید کو فاسق بنانے والوں میں تو سر جو بن منصور سیسائی تھا جس سے یزید نے حضرت حسینؑ کے بارہ میں مشورہ کیا تھا اور اس نے کوفہ عبید اللہ بن زیاد کے سپرد کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو امام حسینؑ اور واقعہ کربلا، مصنفہ حافظ ظفر اللہ شفیق، صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۹) ششم (۱) و (ب) (۱) (صفحہ ۱۱)

اس ساری بحث کا تعلق بھی تکفیر سے ہے جو ہمارا موضوع نہیں۔ حافظ ابن تیمیہ نے بدر کے بدلے کے بارہ میں یہ قول نقل کر دیا ہے کہ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں اس کا نائبہ اور نائبہ کا بھائی شیبہ اور اس کا ماموں ولید بن عقبہ قتل ہوئے تھے تو حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد اس نے اسی بدلے کا ذکر کیا تھا۔ باقی اگر ایسے الفاظ اس نے کہے تو سب لکھتے ہیں کہ یہ کفریہ کلمات ہیں مگر چونکہ تاریخی روایات کی وجہ سے جمہور نے اس کے قبول کرنے میں احتیاط کی ہے۔

حضرت حسینؑ کا سر:

آپ نے لکھا ہے کہ حضرت حسینؑ کا سر مبارک یزید کے پاس نہیں گیا اور حافظ ابن تیمیہ کا حوالہ خارجی فتنہ سے دیا اور ابن کثیر کا بھی حوالہ دیا ہے۔ حضرت قاضی صاحب نے ابن تیمیہ کا قول نقل کیا ہے مگر ابن کثیر کی عبارت نقل کر کے فرمایا کہ ابن کثیر کی عبارت سے واضح

ہوتا ہے کہ سر کاٹے جانے میں علماء کا اختلاف نہیں بلکہ یزید کے پاس لے جانے میں ہے اور خود ابن کثیرؒ کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ یزید کے پاس سر بھیجا گیا تھا۔ واللہ اعلم (خارجی فتنہ، حصہ دوم، صفحہ ۳۷۹)

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۹۳ پر عاز بن ربیعہ جرشمی عمیری کی روایت یزید کے سامنے سر لانے کی نقل کی ہے اور پھر وہ شعر بھی نقل کیا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ: "وہ تم کو اس میں ان جوانوں کی کھوپڑیوں کو توڑ دیتی ہیں جو ہم پر گراں ہوتے ہیں اور وہ بڑے نافرمان اور ظالم تھے۔" (ابن کثیر، صفحہ ۱۹۳، جلد ۸)

پھر اگلے صفحہ پر ابن کثیرؒ نے حضرت مجاہد سے یزید کے سامنے سر جانے اور اس کے چند شعر پڑھنے کا ذکر کیا ہے، جن کے آخری شعر کا ترجمہ یہ ہے: "ہم نے تمہارے دگنے سرداروں کو قتل کیا ہے اور ہم نے بدر کی کئی کئی کوسیدھا کیا ہے۔" اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ حضرت حسینؑ کا سر شام میں یزید کے پاس گیا یا نہیں؟ دو قولوں میں سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ابن زیاد نے اس سر کو یزید کے پاس بھیجا اور اس کے بارہ میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ (ابن کثیر، صفحہ ۱۹۳، جلد ۸)

یہ حوالہ حضرت قاضی صاحبؒ نے بھی خارجی فتنہ صفحہ ۳۷۹ حصہ دوم پر نقل کیا ہے۔ آپ کو ابن تیمیہ کا قول تو نظر آ گیا مگر وہ ہیں یہ حوالہ نظر نہیں آیا کہ خارجی فتنہ کے حوالہ سے اس کو بھی نقل کر دیئے، ایک آنکھ سے دیکھنا اور دوسری کو بند کر لینا علمی خیانت ہے۔ پھر ابن کثیرؒ نے اسی صفحہ پر قاسم بن مخیت اور امام جعفر صادقؑ اور حضرت حسن بصریؑ سے بھی سر مبارک پر چھڑی مارنے کا ذکر کیا ہے اور پھر البدایہ صفحہ ۱۹۶ اور صفحہ ۱۹۷ پر پھر یزید کے سامنے سر جانے کا ذکر کیا ہے اور صفحہ ۱۹۹، جلد ۸ پر امام محمد باقرؑ کی روایت سر مبارک کو چھڑی مارنے والی ذکر کی ہے اور پھر امار اس الحسین کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں

کہ اہل تاریخ و اہل سیر کے نزدیک مشہور یہ بات ہے کہ ابن زیاد نے سر مبارک کو یزید کے پاس بھیجا تھا اور بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور میرے نزدیک پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔ (البدایہ والنہایہ، صفحہ ۲۰۵، جلد ۸)

پھر حضرت قاضی صاحب نے یہ عنوان باعہ حاشیہ "سر سین یزید کے دربار میں" (متورخ خضری) اس میں علامہ انضری کے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، جلد ۲، صفحہ ۲۹ سے ثابت کیا تھا کہ سر مبارک یزید کے پاس گیا تھا۔ آپ نے خط میں حضرت قاضی صاحب کا حوالہ دے کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت قاضی صاحب کا مسلک بھی تمہارے والا ہے اور آپ نے ابن کثیرؒ کی جو عبارت نقل کی ہے والصحیح انہ لم یبعثہا اس الحسین المی الشام یہ مذکورہ بالا ابن کثیر کی عبارات کے خلاف ہے اور ابن کثیر میں یہ عبارت ہمیں تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملی۔ شاید غبارِ سُومَن رَاحی میں چپے ہوئے نسخے سے یہ نقل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل حق سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

چند سوالات کے جوابات

"الخیر" کے ایک قاری نے چند سوالات تحریر کر کے "الخیر" میں جواب کا مطالبہ کیا ہے۔ ان شاء اللہ ترتیب وار ان کے جواب تحریر کئے جائیں گے۔

"حضرت سید انور شاہ صاحب اور تحریف قرآن"۔ ڈاکٹر صاحب نے داؤد ارشد غیر مقلد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا انور شاہ کشمیری تحریف قرآن کے قائل تھے اور آگے انہوں نے فیض الباری صفحہ ۳۹۵، جلد ۲ کا حوالہ دیا ہے۔ جو بالآخر ہے۔۔۔۔۔ کہ ہمیشہ چور چوکیدار کا دشمن ہوتا ہے۔ حضرت سید انور شاہ صاحب نے ساری زندگی قرآن و سنت کا دفاع کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن پاک کی آیات میں تحریف معنوی کی آیت ختم نبوت اور حیاتِ نبوی علیہ السلام پر دلالت کرنے والی آیات کے معنی بگاڑے، حضرت شاہ صاحب نے "عقیدۃ الاسلام" "اکثار المسجدین" "خاتم النبیین" جیسی کتابیں لکھ کر اس کی تحریف معنوی کا قلع قمع کیا۔ اس لاد مذہب فرقے نے بھی قرآن پاک میں تحریف معنوی کی بتوں والی آیات اولیاء اللہ پر فٹ کیں۔ قرآن پاک نے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔۔۔۔۔ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر (الآیہ) لیتفقہوا فی الدین ولیندروا قومہم اذا رجعوا الیہم مگر انہوں نے یہود احبار اور یہان کی آیات کو ائمہ مجتہدین پر فٹ کر کے تقلید کو بدعت اور شرک وغیرہ قرار دیا اور یہ سارا کام برصغیر میں انگریز کے تسلط کے بعد ہوا تو علماء حق نے اس باطل فرقہ کی سرکوبی کی اور ان کی تحریفات معنویہ کی قلبی کھولی تو انہوں نے اپنی طرف

سے حوام کی توجہ ہٹانے کے لئے انہیں اکابرین پر تحریف لفظی کا بھی الزام لگا دیا کہ یہ سب لفظی تحریف کے قائل ہیں۔ ایضاً الادلہ میں سہاولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم (سورۃ نساء، آیت ۸۳) کی جگہ ردوہ الی اللہ والی الرسول والی اولی الامر منکم لکھا گیا تو ان کو انہوں نے تحریف قرار دے دیا حالانکہ پہلی آیت کے جوش نظر اگر ایضاً الادلہ کے مقام کو پڑھا جائے تو ساری تقریر اسی جگہ کی ہے۔ پھر یہ بات بھی قائل ثور ہے کہ ایضاً الادلہ ۱۳۳۰ھ میں مطبع قاسمی سے چھپ گئی تھی۔ حضرت شیخ البند نے ۱۳۳۵ھ میں ترجمہ قرآن لکھا جس میں یہ آیت بالکل درست چھپی، کیا اگر تحریف ہی لغوی یا لہ مقصد تھا تو پانچ سال بعد وہ آیت کیسے درست ہو گئی، کبھی اختلاف نسخ کو تحریف کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں کہیں کتابت کی غلطی کو مصنف کی تحریف کہہ دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب یہ کتابت قرآن کی غلطیوں کو خدا تعالیٰ اور کتب حدیث کی کتابت غلطیوں کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیں۔ (معان اللہ)

حقیقت حال:

اسی طرح حضرت سید الورشاح صاحب کشمیری بخاری شریف کی حدیث ابن عباس: "قد حدثکم اللہ ان اهل الكتاب بدلوا ما کتب اللہ وغیروا بایدہم الكتاب یشتروا بہ ثمناً قليلاً" تحقیق تم سے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کے نوشتہ کو بدل دیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اپنے ہاتھوں سے تغیر کیا تا کہ اس کے ذریعہ دنیا کی قلیل پونجی کو حاصل کریں۔" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: "واعلم ان فی التحریف ثلاثہ مذاہب ذہب جماعة الی ان التحریف فی الکتب السماویۃ قد وقع بكل نحو فی اللفظ والمعنی جمعاً وهو الذی مال الیہ ابن حزم، وذہب جماعة الی ان التحریف قلیل، ولعل الحافظ ابن تیمیہ جنح

الیہ، وذہب جماعة الی انکار التحریف اللفظی رأساً فالتحریف عندهم کلمہ معنوی، قلت: یلزم علی هذا المذہب ان یکون القرآن ایضاً محرفاً، فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیہ ایضاً، والذی تحقیق عندی ان التحریف فیہ لفظی ایضاً اما اللہ عن عمد منہم او لمعلطۃ فاللہ اعلم بہ "یعنی جان تو کہ ما کتب اللہ میں تحریف کے بارہ میں تین مذاہب ہیں۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تحریف آسانی کتابوں میں لفظوں اور معنوں میں ہر قسم کی واقع ہوئی ہے، اس مذہب کی طرف ابن حزم مائل ہوئے ہیں اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تحریف بہت کم ہے اور شاید کہ حافظ ابن تیمیہ اس مذہب کی طرف مائل ہیں اور ایک جماعت کا مذہب تحریف لفظی کا بالکل انکار ہے تو ان کے نزدیک تحریف ساری کی ساری معنوی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی بناء پر الزام آئے گا کہ قرآن بھی محرف ہو اس لئے کہ تحریف معنوی قرآن میں بھی بہت ہے اور جو چیز میرے نزدیک محقق ہے وہ یہ ہے کہ ما کتب اللہ میں تحریف تحریف لفظی بھی ہے یا اہل کتاب کے قصد اور ارادہ کی وجہ سے یا مغلطہ کی وجہ سے۔"

بندہ نے حضرت شاہ صاحب کی عبارت مع بخاری شریف کے متن کے ذکر کر دی ہے اور بتا دیا کہ ان التحریف فیہ لفظی میں فیہ کی ضمیر واحد نائب کا مرجع بخاری شریف میں حضرت ابن عباس کا قول بدلوا ما کتب اللہ میں ما کتب اللہ ہے نہ کہ قرآن جیسا کہ داؤد ارشد غیر مقلد نے سمجھا لیا اور حضرت شاہ صاحب پر تحریف قرآن کے کفر یہ عقیدے کا الزام لگا دیا جس کی شاہ صاحب نے بھی تردید کی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور اس فیہ کی ضمیر کا مرجع ما کتب اللہ اس لئے متعین ہے کہ واللہ تحقیق عندی سے حضرت شاہ صاحب اختلافی مذاہب مذکورہ میں قول محقق ذکر فرما رہے ہیں اور مائل میں اختلافی مذاہب کتب سماویہ یعنی ما کتب اللہ میں ذکر فرمائے ہیں نہ کہ قرآن پاک کے بارہ میں۔ نیز فیض

الباری کی عبارت: "اما الله عن عمد منهم في ضمير غائب كما مر في بعض النسخ" کتاب ہے جو بخاری میں قول ابن عباس میں مذکور ہے اور فیض الباری کی عبارت میں وہ مرجع مذکور نہیں۔ داد دار شد اور زمانہ حال کے غیر مقلد ضمیر مبہم کے مرجع میں مخالفت سے کراہت کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی تحریف معنوی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب اور مسئلہ حفاظت قرآن:

حضرت شاہ صاحب کے نزدیک تو قرآن پاک کا متواتر اور محفوظ ہونا ان ضروریات دین سے ہے جن کا منکر کافر ہے۔ اسی فیض الباری میں حضرت فرماتے ہیں:

ان الايمان تصديق بامور مخصوصة على كونها من الدين ضرورية "یعنی ایمان امور مخصوصہ کی ان کے ضروریات دین میں سے ہونے کی بنا پر تصدیق ہے۔" (فیض الباری، صفحہ ۳۶، جلد ۱) پھر ضروریات دین کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں: "والمراد من الضرورة ما يعرف كونها من دين النبي صلى الله عليه وسلم بلا دليل بان تواتر عنه واستفاض حتى وصل الى دائرة العوام وعلمه الكوفاً منهم "یعنی ضروریات دین سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہونا بلا دلیل معلوم ہوا، اس طرح کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہو اور یہاں تک پھیل جائے کہ عوام کے دائرے تک پہنچ جائے اور تمام عوام کو اس کا علم ہو جائے۔" (فیض الباری، صفحہ ۶۹، جلد ۱) اور پھر اقسام متواتر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تواتر کی دوسری قسم تواتر من حیث الطبقة ہے جیسے قرآن پاک کا تواتر اس لئے کہ یہ قرآن روئے زمین پر مشرق و مغرب میں درس و تلاوت و حفظ و قرأت کے اعتبار سے پھیل گیا ہے اور ہر ایک طبقے کے تمام لوگوں نے پہلے طبقے کے تمام لوگوں سے اس کو لیا ہے۔ پس یہ کسی سند معین کا محتاج نہیں کہ فلاں عن فلاں سے اس کی سند ہو۔ (فیض الباری، صفحہ ۷۰، جلد ۱) لیجئے شاہ صاحب کی اسی کتاب

سے بدینی طور پر ۲+۲=۴ کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن پاک اپنے تواتر کی وجہ سے ان ضروریات دین میں داخل ہے جن کی تصدیق ایمان کے لئے ضروری ہے اور اس کے منکر کا ایمان ہی ختم ہو جاتا ہے تو حضرت کے نزدیک تو تحریف لفظی کا قائل ضروریات دین کا منکر ہو کر ایمان سے محروم ہے مگر یہ اہل اللہ سے سوہن کا نتیجہ ہے کہ ان کو ایک ضمیر مبہم کی وجہ سے قائل تحریف کہا جائے۔ نیز حضرت شاہ صاحب کے شاگرد مولانا احمد رضا صاحب بجنوری حضرت سید انور شاہ صاحب کا ملفوظ نقل فرماتے ہیں کہ فرمایا: "آیات قرآنی متواتر ہیں اور قرآن وحدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچی ہیں اس کی وہ جانب ہیں ایک ثبوت کی دوسری دلالت کی، ثبوت قرآن مجید کا متواتر ہے، اگر اس تواتر کا کوئی انکار کرے تو پھر قرآن مجید کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں اور ایسے ہی جو شخص تواتر کی صحت کا انکار کرے اس نے دین کو ڈھا دیا۔" (ملفوظات محدث کشمیری، صفحہ ۵۳) نیز حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: "حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید سارا بسم اللہ سے لے کر وہ الناس تک قطعی الثبوت ہے۔" (ملفوظات، صفحہ ۵۲) نیز فرمایا: "متواترات دین سے انکار کرنا کفر صریح ہے۔" (ملفوظات صفحہ ۵۶) ارتدادی تعریف میں فرمایا: "ارتداد دین اسلام سے ایک مسلمان کا کلمہ کفر کہہ کر یا ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے خارج ہو جانا۔" (ملفوظات، صفحہ ۵۶) ملفوظات میں بھی حضرت شاہ صاحب نے تواتر کی اقسام ذکر کی ہیں۔ دوسری قسم تواتر طبقہ کے بارہ میں فرمایا: "تواتر طبقہ، جب یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کس سے لیا اور صرف یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی نسل سے سیکھا جیسا کہ قرآن مجید کا تواتر ہے۔" اس کے چند سطر بعد فرماتے ہیں: "ان جملہ اقسام کے تواتر کا انکار کفر ہے، اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے تو اسلام کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی، ان متواترات میں تاویل کرنا یا مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے۔" (ملفوظات، صفحہ ۵۷) ان

مذکورہ بات سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک تحریف لفظی جو قرآن کے تو اتر طبقہ کے خلاف ہے کفر ہے اسی طرح حضرت شاہ صاحب اپنی مایہ ناز کتاب "اکفار الملحدین" میں قرآن پاک کے تو اتر کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:۔۔۔ ہم آئے والی ضلوس میں زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ثابت کریں گے کہ ارباب حل و عقد علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کرنا بھی کفر ہے جس سے اس کی صورت باقی نہ رہے جو تو اتر سے ثابت ہے اور جو اب تک ہر زمانہ کے خاص و عام مسلمان سمجھتے سمجھاتے چلے آئے ہیں اور جس پر امت کا تقابل رہا ہے۔ علماء احناف تو اس پر اور اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی بھی قطعی اور یقینی حکم شرعی یا عقیدہ کا انکار کفر ہے۔ (ترجمہ اکفار الملحدین از مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی، صفحہ ۳۷، ۳۸)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی عظمت علماء کے اذہان میں اتنی ہے کہ ان پر جرح کر کے داؤدار شدہ جیسے غیر مقلدین خود بخود ہو گئے ہیں کیونکہ علماء سبکی فرماتے ہیں کہ اس بات میں ذرا شک نہیں کہ جو شخص ایسے پیشوا کے بارہ میں کلام کرے جس کی عظمت اذہان میں چلتے ہو چکی ہو اور عام روایہ اس کی خوبیاں نقل کریں تو یہ جرح کرنے والا اپنے نفس ہی کی طرف ملامت کھینچ لائے گا۔ (قاعدہ فی الجرح والتعديل، صفحہ ۵۶)

نیز فرماتے ہیں کہ:۔۔۔ "جارج کی مفسر جرح بھی اس شخص کے حق میں قبول نہیں کی جاتی جس کی طاعات اس کے معاصی پر غالب ہوں اور اس کی مذمت کرنے والوں سے تعریف کرنے والے زائد ہوں اور اس پر جرح کرنے والوں سے اس کی صفات دینے والے زیادہ ہوں۔" (قاعدہ فی الجرح والتعديل، صفحہ ۲۳)

جواب سوال نمبر ۲:

نور الانوار میں ہے کہ بعض اوقات جہالت تاج و مسووخ کی وجہ سے اول میں صورتاً

ہمارے ہاں تعارض پیش آتا ہے۔ واقع میں وہاں تعارض نہیں ہوتا تو اس صورتی تعارض کو ختم کرنے کے لئے وجود ترجیح کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس جیسی صورتیں اجتہادی ہوتی ہیں تو جہاں حدیث قرآن کے خلاف بظاہر نظر آتی ہو تو یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہوگی یا تعارض صرف صورتی ہوگا حقیقی نہیں ہوگا اور بعض اوقات آیت کے معنی میں دو احتمال ہوتے ہیں ایک معنی کے اعتبار سے مخالفت معلوم ہوتی ہے دوسرے معنی کے اعتبار سے مخالفت نہیں ہوتی، اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال اگر حدیث سے معارض معلوم ہوں تو وہ تعارض صورتی ہمارے علم عام کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ حقیقتاً اور وہاں وجود ترجیح کی ضرورت ہوگی تو تجلیات صلہ میں نفی اختلاف حقیقی کی ہے اور احسن الکلام میں اختلاف صورتی کا اثبات ہے اس لئے کوئی اختلاف نہ رہا۔

جواب سوال نمبر ۲

تحقیق مسئلہ آئین مجموعہ رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ ادارہ مہنامہ احناف نے اسے شائع کیا ہے۔ اس کے صفحہ ۷۱ پر یہ حدیث ہے:۔۔۔ حضرت مغیرہ امام نجفی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب تکبیر کہتے تو تھوڑا سا تھوڑا سا ساکت فرماتے اور جب ولا الضالین کہتے تو تھوڑا سا ساکت فرماتے۔ اس سے استدلال آئین کے آہستہ ہونے پر کیا ہے کیونکہ بلند آواز سے آئین کہنا سکوت کے مترافی ہے۔ اس رسالہ میں آئین بالجبر کے قائلین سے زبردست مطالبات کئے تھے کہ عملی طور پر غیر مقلدین کے دعویٰ کے تین حصے ہیں۔

غیر مقلدین جب نماز اکیسے پڑھتے ہیں تو ہر نماز میں خواہ فرض ہو خواہ شکر یا نفل آئین آہستہ کہتے ہیں۔

اگر فرض باجماعت ادا کریں تو امام اور مقتدی صرف چھ رکعتوں میں آئین بلند آواز سے کہتے ہیں باقی گیارہ رکعات میں آہستہ آواز سے کہتے ہیں۔

۳۔۔۔۔۔ باقی تمام اذکار اور دعائیں ہر حال میں آہستہ پڑھتے ہیں جیسے ثناء، تسبیحات رکوع و سجود، تشہد، اور وہ آخری دعائیں وغیرہ۔ الغرض ان کے دعوے کے تین حصے ہیں۔ آج تک پہلے اور تیسرے حصے تو یہ زیر بحث نہیں لاتے ان کے آمین کے رسائل اس سے بالکل خالی ہیں، صرف دوسرے حصے پر یہ قلم اٹھاتے ہیں لیکن اس میں بھی چھ رکعات کی یہ کوئی تخصیص نہیں دکھاتے کہ ہمارے یہ دلائل چھ رکعات کے متعلق ہیں، باقی گیارہ رکعات اس حکم میں داخل نہیں۔ (تحقیق مسئلہ آمین مع مجموعہ رسائل، صفحہ ۱۰۰)

یہ اتنا زور وار مطالبہ تھا کہ پوری غیر مقلدیت مع داؤدار شد اس کے جواب سے عاجز تھی تو عوام کی توجہ اس سے ہٹانے کے لئے لکھ دیا کہ اس رسالہ میں ایک غلط روایت حضرت ابن مسعود کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ اکبر کہتے تو تھوڑی دیر خاموش رہتے اور جب وہ ولا الضالین کہتے تو تھوڑی دیر خاموش رہتے۔ الخ اور بعد میں لکھا ہے کہ ایسی کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں یہ مولوی امین اوکاڑوی کی سینڈ گزٹ ہے (تحد حنیف، صفحہ ۶۸)

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ گروہ کتابتی غلطی کو تحریف سے تعبیر کرتا ہے۔ ولا الضالین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکتہ کرنا اسی رسالہ میں حضرت سرہ بن جبہ اور ابی بن کعب سے نقل کیا ہے جس سے واضح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے آمین نہیں کہتے تھے۔ جس روایت پر داؤد نے اعتراض کیا ہے اصل میں وہ حضرت ابراہیم کا موقف اثر تھا۔ گو جراثیم غیر مقلدین کی کتابت سے ابن مسعود کی مرفوع روایت بنی ادارہ خدام احناف والوں نے اس کی تصحیح کر دی۔ تجلیات ملتان والوں نے غالباً وہ غیر مقلدین کی کتابتی غلطی والے نسخے سے حوالہ نقل کر دیا حالانکہ یہ حضرت اوکاڑوی نے پہلے رسائل کی عدم تصحیح کی بنا پر جو جراثیم والوں سے حقوق تصنیف لے کر مولوی جمیل

ابن اسحق کو دیے۔ چنانچہ برادر مکرم کا وہ خط مجموعہ رسائل جلد اول کے شروع میں شائع ہو چکا ہے اور یہ حضرت ابراہیم نخعی کا اثر ابن ابی شیبہ، جلد ۱، صفحہ ۳۰۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان میں لکھ کر ہے جب مصنف نے خود غلطیوں کی نشاندہی کی ہے تو اب اس کو تحریف کہنا غیر مقلدیت کا ہی کرشمہ ہے۔ غیر مقلدین کی تصحیح شدہ کتب میں اس مسئلہ آمین پر حضرت اوکاڑوی نے (۷) جھوٹ تحریر کئے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں مجموعہ رسائل، صفحہ ۲۶۳، ۲۶۴ کہ ہر ایہ شرح وقایہ در مختار میں فقہاء کا نام لے کر جھوٹ بولے اور حافظ عبداللہ صاحب روپڑی نے ایک آمین کی روایت نقل کر کے لکھا کہ اس حدیث کو دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اسناد اس کی اچھی ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور کہا کہ بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا کہ حسن صحیح ہے۔

(امتیازی مسائل، صفحہ ۷۶)

اس پر برادر مکرم نے لکھا تھا کہ یہ جھوٹ ہے۔ دارقطنی حاکم اور بیہقی نے اس حدیث کو روایت ہی نہیں کیا چہ جائیکہ اس کو حسن صحیح وغیرہ کہا ہو، نیز یہ بتایا تھا کہ نور حسین گر جاگھی اپنے رسالہ آمین بالجبر میں صفحہ ۲۲ پر سرفخی لکھتے ہیں "نیوڈ کا آمین بالجبر پر حسد کرتا" اور اس کے تحت دس نمبر دیئے ہیں جن میں سے ایک حدیث بھی صحیح نہیں اور جبر کا لفظ تو ان جھوٹی روایات میں بھی نہیں ہے۔ (مجموعہ رسائل، صفحہ ۲۶۳)

غیر مقلدوں کو یہ قرض ادا کرنا تھا یا انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ان غلطیوں کو تسلیم کر لیتے مگر قبول حق کی بجائے کتابت کی ان غلطیوں کو تحریف کا نام دینا شروع کیا جن غلطیوں پر مصنف خود نوٹ بھی لکھ چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ضد سے بچا کر اہل حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

آپ نے داؤد ارشد کے حوالہ سے حبیب الرحمن کا نہ صلوٰی کے وضع حدیث کا حوالہ نقل کیا ہے کہ اس نے من ادرك الروكوع مع الامام فقد ادرك الروكوع روايت جعلی بنائی ہے۔ تو اصل مسئلہ سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ حبیب الرحمن کا نہ صلوٰی منکر حدیث ہے جس کو حنفی دیوبندی کے نام سے داؤد ارشد نے عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کی کتاب "مذہبی داستانیں" پڑھنے والے کو خوب معلوم ہے کہ اس نے بخاری و مسلم کی کئی روایات کو جعلی قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے حصہ نمبر ۴ میں لکھتا ہے: "میں کسی ایسی روایت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جس کا راوی کوئی سہائی ہو، خواہ اس سے بخاری روایت کرے یا مسلم کیونکہ میرے نزدیک یہ حضرات بھی انسان تھے اور انسان سے جنموں چوک اور غلطی واقع ہو سکتی ہے۔" (مذہبی داستانیں، صفحہ ۱۸، جلد ۳)

تیز لکھتا ہے: "یہ بھی ذہن میں رہے کہ میں نے بخاری و مسلم پر اس طرح کبھی ایمان نہیں رکھا کہ ان کی یہ کتابیں قرآن کے برابر ہیں بلکہ میرے نزدیک ان روایات پر اس طرح نظر ڈالنی ہوگی کہ کس روایت کا راوی رافضی ہے وہ روایت خبر واحد ہے یا نہیں، اگر وہ خبر مشہور ہے تو راویوں کے الفاظ میں کیا کیا فرق ہے اور یہ کہ ابتدائی دور کے علماء نے اس راوی کو قبول کیا یا نہیں۔" الغرض اس پر بحث ہوگی لیکن اگر خبر واحد ہے اور اس کا راوی کوئی رافضی ہے خواہ وہ حارث عمور ہو یا خالد بن مخلد یا عبدالرزاق بن ہمام یا اور کوئی شیخ، پھر تو اس کی روایت سے تو گندہ نال بھی ناپاک ہو جائے گا اور وہ بخاری و مسلم کے پاک کرنے سے ہرگز پاک نہ ہوگا۔ اس لحاظ سے بخاری و مسلم کو ان ضعیف راویوں کی روایت سے پاک کرنا ہوگا۔ دیگر قسم کے جو راویوں پر اعتراضات ہیں ان کی حیثیت ایک جداگانہ ہے لیکن پہلے بخاری و مسلم کو اس گندہ نال سے پاک کر کے نکالنا ہوگا۔ میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ بخاری و مسلم کی ہر روایت قابل قبول ہے اور نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ ان کی ہر روایت قابل رد ہے۔ حافظ

و سکا میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا لیکن تب بھی بخاری و مسلم کی وہ تمام روایات جن کے راوی سہائی ہوں وہ تو ہرگز ہی قابل قبول نہ ہوں گی خواہ اہل علم مجھے منکر حدیث ہی کہیں۔ یہ تو ان کا فتویٰ ہے وہ اپنے فتویٰ کے خود جواب دہ ہیں۔ ان حضرات کے پروپیگنڈے سے یہ ضرور ہوا کہ لوگوں نے مجھے منکر حدیث سمجھ لیا۔ (مذہبی داستانیں، صفحہ ۱۹، ۱۸، حصہ ۴)

اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے: "ایمانیات اور اعتقادات احکام دین اور امر و نہی اور حرام طہال سے متعلق ہر چیز اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان فرمادی ہے۔ قرآن سے باہر دین کا کوئی حصہ نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "الما نحن لولنا الذکر وانما له لحافظون یعنی ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں جبکہ احادیث کے لئے ایسی کوئی ضمانت نہیں۔" (مذہبی داستانیں، صفحہ ۱۵، ۱۴، حصہ ۴)

بہر حال ایک منکر حدیث کو دیوبندی کہنا یہ دیوبندی پر بڑا بہتان ہے اور ایسے دھوکے اور فراڈ اس جماعت کے ضمیر میں داخل ہیں۔ محمد اشرف سلیم غیر مقلد نے مسئلہ رفع یدین پر تین لاکھ کا پینچ شائع کیا ہے۔ اس اشتہار کی بائیں جانب "محققین علمائے احناف کے فیصلہ کن فتوے" کے عنوان کے تحت سترہ نام لکھ کر عوام کو یہ ذہن دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ بڑے بڑے حنفی بھی رفع یدین کے مسئلہ کو صحیح مان گئے ہیں۔ ان میں سب سے آخری نام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ہے جن کے بارہ میں سارا عالم جانتا ہے کہ وہ حنفی ہیں، حنفی نہیں۔ ان سے پہلے عبدالدین فیروز آبادی کا نام ہے جو شافعی ہیں۔ اسی طرح نمبر ۱۳ پر محمد معین سندھی حنفی کا نام لکھا ہے جو شیعہ ہے اور نمبر ۸ پر ابن عربی مالکی کا نام لکھا ہے اور نمبر ۳ پر ابوالحسن غیر مقلد کا نام لکھا ہے۔ ان تمام حضرات کو حنفی بنا کر پیش کرنا انتہائی دہل و فریب ہے۔ یہی دہل و فریب داؤد ارشد نے کیا ہے کہ منکر حدیث کو حنفی دیوبندی لکھ دیا۔

اصل مسئلہ:.....

یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے یا نہیں؟ ائمہ اربعہ بلکہ بعض غیر مقلدین کا بھی یہ مسلک ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے۔ چنانچہ مولوی ولی محمد کوٹ کیوری غیر مقلد مولوی سعید خانہ الوہی کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ جب آپ مولانا شرف الدین صاحب سے بخاری شریف پڑھا کرتے تھے تو اس وقت حدیث ابو بکرہ والی آئی تھی تو کیا آپ نے اس وقت مولوی صاحب سے یہ بات مل نہیں کروائی تھی جبکہ صحابی رسول رکوع میں شامل ہوتے تھے تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ زادک اللہ حوصا اللہ تیری خزس کو زیادہ کرے۔ جملانا ایسے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو دوبارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا؟ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سکوت فرمائے جو کہ جواز پر دال ہے یا پھر آپ بخاری شریف میں وہ لفظ دکھائیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ دوبارہ رکعت پڑھیں اور وہ بخاری شریف کے کون سے صفحہ پر مرقوم ہے؟ یہ یاد رہے کہ غلطی پر نبی ہرگز سکوت نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ یہ تو ایک بکے مسلمان کی شان کے بھی خلاف ہے۔

(صحیفۃ الہدیٰ، ۱۶، ربیع الاول ۱۳۸۹ھ، صفحہ ۱۶)

آگے فرماتے ہیں: رکوع کی رکعت پر سکوت اس کو جائز ثابت کرتا ہے کہ رکوع پانے سے رکعت ہو سکتی ہے۔ (حوالہ بالا) اسی طرح مولوی عبداللہ ریوی غیر مقلد لکھتے ہیں آج کل اخباروں میں رکوع کی رکعت کا مسئلہ درپیش ہے اور بڑا زور لگایا جاتا ہے کہ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی، جب ان کے دلائل پر نظر کی جاتی ہے تو خیر سلا۔ سوا فاتحہ خلف الامام کی حدیثیں پیش کرنے کے اور کوئی دلیل واضح پیش نہیں کی جاتی۔ پیش کریں کہاں سے جبکہ کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ (صحیفۃ الہدیٰ، حکیم جمادی الثانی ۱۳۷۶ھ، صفحہ ۵)

آگے فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے:..... اذا جنتہ الی الصلوۃ ونحن سجدوا فاسجدوا ولا تعدوا ما ومن ادرك الرکعة فقد ادرك الصلوة یعنی جب آؤ تم طرف نماز کے اور ہم سجدہ کی حالت میں ہوں تو تم سجدہ میں شامل ہو جاؤ لیکن سجدہ کو شمار نہ کرو اور جس شخص نے رکوع پایا اس نے رکعت پائی۔

(رسالہ بالا، صفحہ ۶)

پھر فرماتے ہیں:..... ماننا پڑے گا کہ من ادرك الرکعة من رکوع مراد ہے کیونکہ دارقطنی صفحہ ۱۳۲ پر صاف حدیث نبوی ہے:..... من ادرك الرکعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان یقیم الامام صلبہ یعنی جس نے رکوع پایا امام کی کمر اٹھانے سے پہلے تو اس نے رکوع پایا۔ (رسالہ بالا، صفحہ ۶)

پھر فرماتے ہیں:..... قبل ان یقیم الامام صلبہ کی تائید صاف لفظوں میں بخاری شریف جلد ۲، صفحہ ۸۹ پر موجود ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا جنتہ والامام راکع فارکعوا وان کان ساجداً فاسجدوا ولا تعدوا بالسجود اذا لم یکن مع الرکوع یعنی نبی علیہ السلام نے فرمایا جب تم آؤ اور امام رکوع کی حالت میں ہو پس رکوع کرو تم اگر امام سجدہ کی حالت میں ہو پس سجدہ کرو تم اور سجدہ کو شمار نہ کرو جبکہ تم نے اس سجدہ کے ساتھ رکوع نہ پایا ہو۔ (رسالہ بالا، صفحہ ۷، ۶)

پھر فرماتے ہیں:..... اب صحابہ کرام کے فتووں پر غور کریں۔ بیہقی جلد ۲، صفحہ ۹۰ میں ہے:..... عن ابن عمرؓ انه کان یقول من ادرك الامام راکعاً فرکع قبل ان یرفع الامام راسہ فقد ادرك تلك الرکعة یعنی عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس شخص نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا اور امام کے سر اٹھانے سے پہلے جماعت میں شامل ہو گیا پس اس شخص نے یہ رکعت پائی۔ بیہقی جلد ۲، صفحہ ۹۱ میں ہے عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں

کہ جب تم لوگوں کو رکوع میں پاؤ تو دو تکبیریں کہو ایک تکبیر شروع نماز کے لئے دوسری واسطے رکوع کے تحقیق اس نے رکعت پالی۔ (رسالہ بالا، صفحہ ۷)

پھر فرماتے ہیں: ان دلائل سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ رکعت بمعنی رکوع ہے اور قبل ان یقیم الامام صلہ یہ الفاظ بالکل صحیح اور درست ہیں۔ (سوال بالا)

غیر مقلدین کے یہ چند حوالے ذکر کر دیئے گئے ہیں جس سے معلوم ہو گیا کہ ان کے ہاں بھی ائمہ اربعہ کی طرح رکعت رکوع میں ملنے سے مل جاتی ہے تو اب اگر کسی نے ائمہ اربعہ کی تائید میں روایت بالمعنی کرتے ہوئے لکھ دیا کہ: عن ادرك الرکوع مع الامام فقد ادرك الرکعة تو اس میں کیا حرج ہے؟

حکم روایت بالمعنی: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ روایت بالمعنی میں اختلاف مشہور ہے۔ اکثر علماء جواز کے قائل ہیں اور ان کی سب سے قوی دلیل بھی جاسنے والے کے لئے جمیوں کے لئے جمی زبان میں شریعت کی تشریح کے جواز پر اجماع ہے کیونکہ جب دوسری لغت میں تبدیلی (ترجمہ) جائز ہے تو عربی لغت میں اس کا یہ درجہ اولیٰ جواز ہو گا۔ (شرح نوپہ الفکر، صفحہ ۸۳)

ابوالحسن سندھی فرماتے ہیں کہ: علامہ عراقی نے فرمایا کہ صحابہ کرام کا ایک قصہ کو مختلف الفاظ میں روایت کرنا روایت بالمعنی کے جواز کی دلیل ہے اور ابن وقیف العید نے فرمایا کہ تصنیفات سے ہمارے اجزاء اور ہماری تحریجات کی طرف نقل بالمعنی جائز ہے اور سخاوی نے شرح الیہ میں کہا کہ امام شافعی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی وجہ سے اپنی کتاب کو سات لغات پر نازل فرمایا تو کتاب اللہ کے ماسوائے میں بدرجہ اولیٰ اختلاف فقط جائز ہے بشرطیکہ معنی میں تغیر نہ ہو اور اسی جیسا قول یحییٰ بن سعید قطان سے منقول ہے۔

(بجیہ النظر، صفحہ ۱۶)

اس کے بعد زہری کا بھی اس جیسا قول نقل کر کے ابوالحسن سندھی فرماتے ہیں: وهذا كله يدل على ان جواز الرواية بالمعنى عند هؤلاء لم يكن مقيداً بالضرورة على انه ربما يدعى ان الضرورة داعية اليه مطلقاً اذ لو لم يجز لعسر ضبط الالفاظ وقل التحديث بها لربما ادى الى قلة نفعها بل الى فواته خصوصاً بالنسبة الى الازمنة المتاخمة (بهيجة النظر، صفحہ ۱۲۸) یعنی یہ پوری کلام اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان اکابرین کے نزدیک روایت بالمعنی ضرورت کے ساتھ مقید نہیں ہے، علاوہ اس بات کے کہ بسا اوقات یہ دعویٰ کیا جاتا ہے ضرورت مطلق روایت بالمعنی کی دعوت دینے والی ہے اس لئے کہ اگر روایت بالمعنی جائز نہ ہوتی تو الفاظ کا ضبط کرنا مشکل ہوتا اور الفاظ کا بیان کرنا کم ہوتا تو یہ بات بسا اوقات احادیث کے قلت نفع بلکہ نفع کے فوت ہونے تک پہنچاتی، خصوصاً سو خزانوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف کے اکثر گروہ جن میں سے ائمہ اربعہ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ روایت بالمعنی تمام صورتوں میں جائز ہے جبکہ معنی کی ادائیگی یقینی ہو سکے، اس لئے کہ صحابہ کرام اور اسلاف کے احوال اس کے گواہ ہیں اور اس پر دلیل صحابہ کرام کا ایک قصہ کو مختلف الفاظ میں روایت کرنا ہے اور اس مسئلہ میں حدیث مرفوعہ بھی آئی ہے جس کو ابن مندہ نے معرفۃ الصحابہ میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن سلیمان یثیبی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میں آپ سے حدیث سن کر اس کو آگے اس طرح بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا جیسا کہ میں آپ سے سنتا ہوں، اس میں کوئی حرف زائد یا کم ہو جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام نہ کرو اور مقصد گواہی زیادتی میں کوئی حرج نہیں۔ تو یہ حدیث حضرت حسن بصری کے سامنے ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو

اہم احادیث بیان کرنا چھوڑ دیتے۔ (تہذیب الراوی، صفحہ ۵۸، جلد ۲)

تکلفی نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ میں اور ابو الازہر حضرت واہلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ہم نے ان سے کہا اے ابو الاسقع! ہم سے ایسی حدیثیں بیان کریں جن کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، اس میں کسی قسم کا وہم نہ زیادتی اور بھول نہ ہو تو حضرت واہلہ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے کچھ قرآن پڑھا ہے؟ ہم نے کہا ہاں، لیکن ہم اتنے اچھے حافظ نہیں۔ کبھی (متشابہ کے طور پر) ہم واؤ اور الف کی زیادتی اور کمی کرتے ہیں، تو حضرت واہلہ نے فرمایا کہ یہ قرآن تمہارے سامنے رکھا ہوا ہے تم اس کے حفظ میں کوتاہی نہیں کرتے (اس کے باوجود) تم کہتے ہو کہ ہم سے اس میں زیادتی یا کمی ہو جاتی ہے تو ان احادیث کا کیا حال ہوگا کہ جن کو ہم نے ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک ہی مرتبہ سنا ہو۔ جب ہم تم تک حدیث کا مفہوم پہنچادیں تو تمہیں کافی ہے اور مدخل میں بھی حضرت جابر بن عبد اللہ سے سند سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت حدیفہ نے فرمایا کہ بے شک ہم عرب قوم احادیث کو بار بار بیان کرتے ہیں تو اس میں ہم سے تقدیم تاخیر بھی ہو جاتی ہے اور شعیب بن الخباب سے بھی سنداً ذکر کیا گیا ہے کہ میں اور عبدان، حضرت حسن بصری کے پاس آئے اور ہم نے کہا کہ اے ابو سعید! ایک شخص حدیث بیان کرتا ہے، اس دوران اس سے لفظی کمی یا زیادتی ہو جاتی ہے (اس کا کیا حکم ہے؟) تو حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ کذب علی النبی کا وبال اس پر ہوگا جو ارادہ کی زیادتی کرے اور جریر بن حازم سے بھی سنداً مذکور ہے کہ میں نے حضرت حسن بصری سے بہت سی احادیث سنی ہیں۔ اصل مفہوم ایک ہونا تھا اور الفاظ مختلف ہوتے تھے اور ابن عون سے سنداً منقول ہے کہ حضرت حسن بصری حضرت ابراہیم، امام شعبی احادیث کو روایت بالمعنی کرتے تھے۔

(تہذیب الراوی، صفحہ ۵۹، ۵۸، جلد ۲)

بیز علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ تکلفی نے ابو اویس سے سنداً نقل کیا ہے کہ ہم نے زہری سے حدیث میں (لفظی) تقدیم و تاخیر کے بارہ میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب یہ (متشابہ کے طور پر) قرآن میں ناجائز نہیں تو حدیث میں کیسے ناجائز ہوگی، جب تو مفہوم حدیث کو بیان کر دے اور کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کرے تو کوئی حرج نہیں اور سقیان سے بھی سنداً نقل ہے کہ عمرو بن دینار حدیث کی روایت بالمعنی کرتے تھے اور حضرت وکیع سے بھی سنداً منقول ہے کہ اگر روایت بالمعنی میں وسعت نہ ہوتی تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔ (تہذیب الراوی، صفحہ ۵۹، جلد ۲)

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ سلفاً خلفاً حدیث کی روایت بالمعنی جلی آ رہی ہے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ روایت باللفظ ہو اور روایت بالمعنی کی کچھ شرائط بھی ہیں اور بعض حضرات نے اس میں کچھ تفصیل بھی کی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے روایت بالمعنی جائز ہے نہ ادبوں کے لئے یا الفاظ یاد ہونے کی شرط کے ساتھ روایت بالمعنی جائز ہے تاکہ اس معنی میں تصرف پر صحیح قدرت ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر الفاظ بھول گئے ہوں تو ضرورتاً روایت بالمعنی کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر آج تک کسی نے روایت بالمعنی کو وضع حدیث قرار نہیں دیا تھا۔ یہ نصیب داؤدار شد اور آج کل کے غیر مقلدین ہی کا ہے کہ روایت بالمعنی کو جھوٹی اور جعلی حدیث قرار دیتے ہیں اور خاص الفاظ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اب ہم اس انتظار میں ہیں کہ داؤدار شد کب جمہور سلف خلف کو روایت بالمعنی کی وجہ سے جعلی حدیثیں گھڑنے والے قرار دے کر حضرت عبد اللہ بن سلیمان، لیشی، حضرت واہلہ بن الاسقع، جابر بن عبد اللہ، حضرت حدیفہ، اور حضرت حسن بصری، ابن شہاب زہری، عمرو بن دینار اور حضرت وکیع رحمہم اللہ کے خلاف اشتہار شائع کرنے کا کہ یہ سارے لوگ روایت بالمعنی کر کے جعلی حدیثیں بنایا کرتے تھے۔

یہ تمام بحث ہم نے غیر مقلدین کی اصولی لفظی کو واضح کرنے کے لئے عرض کر دی ہے ورنہ حبیب الرحمن کا مدح صلی کے بارہ میں ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ وہ منکر حدیث اور ترک تقلید کا قائل ہے اور اس کی صفائی دینا ہمارا مقصد نہیں۔

علامہ کشمیری حضرت سید انور شاہ صاحب پر بھی لفظی گرفت مہار کپوری نے کی تھی کہ حضرت علیؑ کی ان الفاظ کے ساتھ حدیث نہ ابوداؤد میں ہے اور نہ حدیث کی کسی اور کتاب میں ہے، ان الفاظ سے اس حدیث کا ابوداؤد یا حدیث کی کسی اور کتاب میں ثابت کرنا ضروری ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

معلوم ہوا کہ یہاں بھی صرف الفاظ کا مطالبہ ہے اور روایت بالمعنی کا انکار نہیں، مہار کپوری نے تو صرف یہی الفاظ پر اعتراض کیا تھا مگر داؤد وارشد نے اس کو موضوع اور گھڑی ہوئی روایت قرار دے دیا۔ اس کی جرأت مہار کپوری کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ حدیث کنز العمال میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: عن علیؑ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الضحیٰ حین کانت الشمس من المشرق فی مکانها من المغرب صلوة العصور (کنز العمال، صفحہ ۱۸۷، جلد ۸)

اللہ تعالیٰ اہل علم سے بدگمانی اور ان پر بدزبانی سے محفوظ رکھیں اور اہل سنت والجماعت سے ہمیشہ وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

مولانا حبیب اللہ صاحب ڈیروی مدظلہ پر اعتراض:

دور حاضر کے غیر مقلدین نے جن فروعی مسائل کو اصولی مسائل کا درجہ دے کر عوام میں سر پستول کروائی ہوئی ہے، ان میں سے ایک رکوع کو جانے اور رکوع سے سر اٹھانے اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ ان علاقوں میں جب سے اسلام آیا اس وقت سے ترک رفع یدین والی نماز پڑھی جاتی تھی۔ انگریز کے ہندوستان پر تسلط کے بعد

جس طرح دوسرے مسائل میں اختلاف چلا اس مسئلہ رفع یدین کو مردہ سنت سمجھ کر زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ ابو یحییٰ خان نوشہروی غیر مقلد کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے چندوستان میں رفع یدین محمد یوسف پٹنہ نے امرتسر شہر میں ۱۸۶۰ء میں کی جس کی وجہ سے وہاں انتشار ہوا۔ یہ شخص انگریز کا ملازم تھا اور بقول مولوی محمد حسین بنالوی یہ بعد میں مرزائی ہو گیا تھا۔ اس شخص کا تعلق نہ کسی شافعی یا حنبلی سے تھا اور نہ ہی یہ کہیں سفر حرمین شریفین سے اس رفع یدین کو لایا تھا بلکہ خود لکھتا ہے کہ میں نے مہلکو کا اردو ترجمہ مظاہر حق دیکھ کر یہ کام شروع کیا تھا اور بقول اس محمد یوسف کے میاں نذیر حسین دہلوی کو بھی اسی نے رفع یدین کی ترغیب دی تھی اور پھر ان کے شاگردوں کے ذریعہ یہ سارے ہندوستان میں پھیل گئی اور گھر گھر جھگڑے شروع ہو گئے اور آج تک یہ انگریزی رفع یدین مسلمانوں میں تفریق کا سبب بنی ہوئی ہے۔ کبھی متواتر ترک رفع یدین والی نماز بدعت، گمراہی اور اس کا انجام جہنم بتایا جاتا ہے اور کبھی ترک رفع یدین کو سنت اور تارک کو خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں کا عذاب میں پڑنے والے اور ان کے عمل کو بر باد کیا جاتا ہے۔

(ملاحظہ ہو جزو رفع یدین خالد گھر جا بھی، صفحہ ۷)

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری لکھتے ہیں کہ اگر تو اتنی صریح اور صحیح احادیث کے بعد بھی رفع یدین کو سنت نہیں مانتا تو احادیث رسول کا منکر ٹھہرتا ہے، اگر سنت مان کر پرواہ نہیں کرتا تو اللہ اور اس کے رسول کی لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے جو تارک سنت پر برکتی رہتی ہے۔

(رسائل بہاولپوری، صفحہ ۷۳۱)

آگے فرماتے ہیں کہ نبی کی اطاعت نبی کی سنت پر چلنے میں ہے، جتنی سنتیں چھوٹی جائیں گی اتنا اسلام گھٹتا جائے گا اور بالآخر بالکل ختم ہو جائے گا جیسا کہ آج کل نظر آ رہا ہے۔

(رسائل بہاولپوری، صفحہ ۳۱۹)

نیز پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:..... خدا خوف خفیوں کو اب سوچنا چاہئے کہ جو رفع یدین کو جو سنت رسول ہے اور قطعاً منسوخ نہیں صرف خفی ہونے کی وجہ سے ترک کئے ہوئے ہیں تو کیا یہ خفیت ان کو اللہ اور اس کے رسول کی لعنت سے بچالے گی۔ کیا ان کو اللہ اور اس کے رسول کی لعنت سے ڈر نہیں لگتا جو رفع یدین والی اہم اور دائمی سنت کے صرف تارک ہی نہیں بلکہ مخالف بھی ہیں۔ (رسائل بہاؤ پوری، صفحہ ۸۱)

اسی طرح نور حسین گھر جا کھی غیر مقلد نے قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین صفحہ ۳ پر:..... قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین آیت کا ترجمہ کر کے رفع یدین سے اعراض کرنے والوں کو کافر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر لکھا ہے۔

یہی فیصلہ ہے کتاب ہدی کا

مخالف نبی کا ہے دشمن خدا کا

گو یا رفع یدین کا منکر نبی اقدس کا مخالف اور خدا کا دشمن ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ من اقتدی بہی فہو منی ومن رغب عن سننی فلیس منی جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ میری امت سے ہے اور جو شخص میری سنت سے روگردانی کرتا ہے وہ میری امت سے خارج ہے۔ (قرۃ العینین، صفحہ ۳)

گو یا رفع یدین کی سنت پر عمل نہ کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے خارج ہیں۔ نیز لکھتے ہیں:..... فلیحذر الذین یخالقون عن امرہ ان تصیبہم فتۃ او یصیبہم عذاب الیم (سورۃ النور، پارہ ۱۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ہمارے رسول کے حکم اور طریقہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس بات کا خوف کرنا چاہئے کہ کہیں ان کو کوئی بلا یا دردناک عذاب نہ پہنچ جائے۔ (قرۃ العینین، صفحہ ۳)

یعنی رفع یدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، اس کے تارک حکم رسول کے مخالف اور فتنہ اور عذاب الیم کے مستحق ہیں اور اسی رسالہ کے صفحہ ۴ پر ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ جس نے نماز میں رفع الیدین چھوڑ دی وہ نماز کے رکن کا تارک ہے۔

نیز یہی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رفع یدین سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے اور اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتا (کتاب میں لفظ جاتا ہی ہے از ناقل) ہے (قرۃ العینین، صفحہ ۶۹) اسی طرح خالد گھر جا کھی صاحب لکھتے ہیں کہ:..... مجھے علم ہے کہ ایک بھی صحیح حدیث سے عدم رفع ثابت نہیں ہے، نہ ہی کسی صحابی کا بد صحیح بغیر رفع یدین کے نماز پڑھنا ثابت ہے تو جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں اگر نہ کروں تو منکر رسول بنتا ہوں جس کے لئے قرآن کا فیصلہ ہے:..... ومن یشاقق الرسول کہ جو بھی علم ہونے کے بعد جو غیر کی مخالفت کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (حدیث اور غیر اہم حدیث، صفحہ ۷)

غیر مقلدین کی ان جیسی بے اعتدالیوں کے پیش نظر مولانا حبیب اللہ صاحب ڈیروی مدظلہ نے ایک کتاب نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح لکھی جس میں اس علاقے کی متواتر ترک رفع یدین والی نماز کو صحیح ثابت کیا اور بتایا کہ سبکی کا نماز باطل ہونے والا قول نور حسین نے بے موقع رکوع والی نماز پر فت کیا ہے اور نووی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ رفع یدین کسی مقام میں بھی واجب نہیں۔ (نور الصباح، صفحہ ۲۱) اور اس بات کو صفحہ ۲۰ تا ۲۳ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ غیر مقلدین کا غلو ہے۔ پھر غیر مقلدین کا یہ دوسرے رکوع کی رفع یدین بچا اس صحابہ سے منقول ہے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب نے شوکانی غیر مقلد علامہ زبیدی، شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد اور امیر ایرانی غیر مقلد کے حوالوں سے ثابت کیا کہ یہ رفع یدین تکمیل تحریر والی ہے۔

(ملاحظہ ہو نور الصباح، صفحہ ۲۳، ۲۵)

نیز مولانا ڈیرونی نے ابن حزم، علامہ احمد شاکر، مولوی عطاء اللہ صلیف، محمد طویل
براس، علامہ شعیب الارناؤف اور محمد زبیر الشاہ پیش جیسے غیر مقلدین کے بزرگوں سے ترکِ رفع
یدین والی حدیث کی صحت کو دلائل سے ثابت کیا اور مرزا حیرت کا یہ قول بھی نقل کیا کہ حضرت شاہ
اسامیل شہید فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص رفع یدین نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اس کو
انصاف والا فیصلہ فرماتے تھے۔ (خلاصہ نور الصباح، صفحہ ۲۶، ۲۷)

پھر بڑے بڑے محدثین و فقہاء سے ترکِ رفع یدین والا مسلک نقل کیا، بلکہ یہ ثابت کیا
کہ ۱۹۳ھ سے پہلے ایک فقیر بھی رفع یدین نہیں کرتا تھا اور اہل کوفہ (جہاں بقول علیؑ پندرہ سو صحابہ
مستقل رہائش پذیر تھے اور حضرت علیؑ کرمؓ کا دار الخلافہ تھا) کا ترکِ رفع یدین پر اجماع نقل
کیا۔ (نور الصباح، صفحہ ۳۱، ۳۲) اور یہ بھی ثابت کیا کہ امام مالکؒ سن ۹۹ھ نہ خود رفع یدین
کرتے تھے اور ان کے زمانے میں مدینہ میں رفع یدین ہوتی تھی۔ (نور الصباح، صفحہ ۳۸، ۳۹)
پھر نور الصباح میں صفحہ ۵۳ سے صفحہ ۱۶۹ تک ۱۹۹ روایات سے اور صفحہ ۱۶۹ سے صفحہ ۱۸۹ تک
صحابہ کرامؓ کے ترکِ رفع یدین کے آثار نقل کئے ہیں جنہیں صفحہ ۷۷ پر صحابہ کرامؓ کا ترکِ رفع یدین
پر اجماع نقل کیا اور صفحہ ۱۸۹ سے لے کر صفحہ ۲۲۳ تک غیر مقلدین کے دلائل کا جواب نقل کیا تھا۔

بہر حال اس کتاب نور الصباح سے عوام کے اکثر مغالطات دور ہونے اور ان کو اپنی
نماز کے بارہ میں الطینان قلبی حاصل ہوا۔ اس کتاب کی افادیت سے خوفزدہ ہو کر غیر مقلدین
نے عوام کو اس کتاب سے متفر کرنے کے لئے لکھ دیا کہ اس کے صفحہ ۲۱۵ پر ایک جعلی روایت بنا
ذالی ہے جس کا وجود کتب احادیث میں قطعاً نہیں پایا جاتا۔ وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے ترکِ رفع
یدین والی نماز اپنے استاد حماد وغیرہ سے سیکھی ہے۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؒ سے اور انہوں
نے حضرت اسودؒ اور علقمہؒ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؒ سے اور انہوں نے جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اور حضرت جبرئیل

علیہ السلام خدا تعالیٰ سے لے کر آیا۔ فلہذا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز میں رفع یدین نہ کیا کرو۔
(تحفہ حنیفہ صفحہ ۷۷) یہ خلاصہ ہے ماہ دار شد کے اعتراض کا تا کہ لوگ اس کتاب سے متفر ہو جائیں۔

حقیقت حال:

اہم حقیقت حال واضح کرنے کے لئے عوام کے سامنے نور الصباح کی عبارت
بلفظ درج کرتے ہیں:۔۔۔ (حنیفہ) مولوی نور حسین صاحب گھر جا کھی غیر مقلد اپنے رسالہ
قرۃ العینین صفحہ ۱۱ میں عنوان قائم کرتے ہیں۔ دوسری حدیث صدیق اکبرؓ پھر آگے لکھتے
ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:۔۔۔ ابن جریرؒ رفع یدین کرتے تھے، امام عبدالرزاق فرماتے ہیں
کہ ابن جریرؒ نے نماز عطاء سے سیکھی ہے اور عطاء نے حضرت ابن زبیرؓ سے اور انہوں نے
حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور انہوں نے جبرئیل
علیہ السلام سے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام خدا سے لے کر آیا۔ (حنیفی، صفحہ ۷۷، جلد ۲)

گھر جا کھی صاحب نے اس کو حدیث سمجھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے، حالانکہ یہ امام
عبدالرزاق کا قول ہے۔ چنانچہ خود گھر جا کھی صاحب لکھتے ہیں کہ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں
اور حافظ عنایت اللہ صاحب اثری گجراتی غیر مقلد منکر مجزات نے اپنے رسالہ فیہ الصلوٰۃ،
صفحہ ۹ میں اسے عبدالرزاق کا قول کہا ہے۔ اگر اسی کا نام حدیث ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں
کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ترکِ رفع یدین والی نماز اپنے استاد حماد وغیرہ سے سیکھی ہے اور
انہوں نے ابراہیمؒ سے۔ (لوح) (نور الصباح، صفحہ ۲۱۹)

قارئین کرام! خط کشیدہ الفاظ کو پڑھیں کہ مولانا ایسے استدلال کو جہالت قرار
دے رہے ہیں اور یہ کہ گھر جا کھی صاحب نے قول عبدالرزاق کو حدیث بنا دیا، پھر اگر اسی کا
نام حدیث ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان الفاظ سے گھر جا کھی صاحب کو التزام دینا ہے کہ
اگر ہمارے اس قول کو وہ حدیث نہیں مانتے تو عبدالرزاق کے قول کو کیوں حدیث بنا دیا،

یعنی جس طرح یہ جاہلانہ استدلال ہے اسی طرح گھر جاگھی صاحب کا بھی جاہلانہ استدلال ہے۔ داؤد ارشد نے پوری عمارت پیش نہیں کی اور الزامی جواب کو ان کی تحقیق بنا کر منہلی حدیث گھڑنے کا الزام دے دیا، اگر اس کا نام حدیث گھڑنا ہے تو حقیقتاً یہ اعتراض نور حسین گھر جاگھی پر ہوتا تھا کہ انہوں نے اس کو تحقیق کے طور پر پیش کیا ہے مگر اس کی طرف سے تو یہ ہنا کر اس کا کیا کر آیا مولانا حبیب اللہ صاحب ڈیوٹی مدظلہ کے گلے میں ڈال دیا تاکہ ان کی کتاب کا افادہ رک جائے، لیکن ان شاء اللہ۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ازالۃ الرین کی عمارت بھی اسی طرح کی الزامی ہے۔

ننگے سر نماز کا مسئلہ:

جن چیزوں کو غیر مقلدین نے آج کل اپنا شعار بنا رکھا ہے ان میں سے ایک ننگے سر نماز ہے، حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ گھڑی کے ساتھ دو رکعتیں بغیر گھڑی کے ستر رکعت سے افضل ہیں۔ (کنز العمال، صفحہ ۱۲۳، جلد ۱۵) ایک روایت میں ہے نعل یا فرض نماز گھڑی کے ساتھ بغیر گھڑی کے پچیس نمازوں کے برابر ہے اور گھڑی کے ساتھ جمعہ بغیر گھڑی کے ستر جمعوں کے برابر ہے۔ (کنز العمال، صفحہ ۱۳۳، جلد ۱۵) نیز فرمایا کہ تم مسجدوں میں خود اتار کر اور کپڑا اوڑھ کر آؤ۔ (کنز العمال، صفحہ ۱۳۳) حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ سناپہ کرام کی قوم گھڑی اور ٹوپی پر سجدہ کرتی تھی۔ (بخاری، صفحہ ۵۶)

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ گھڑی کے بیچ پر سجدہ مکروہ ہے یا نہیں۔ امام بخاری کے استاد ابن ابی شیبہ نے پہلے عدم کراہت کا باب باندھا ہے اور اس میں عبد الرحمن بن یزید، سعید بن المسیب، حضرت حسن بصری، حضرت بکر، حضرت سکول، امام زہری، ابن ابی اوفی، رحمہم اللہ سے جواز کی روایات نقل کی ہیں اور پھر اس کے بعد کراہت کا باب باندھا ہے اور

درج ذیل روایات نقل کی ہیں۔

۱۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو اپنی پیشانی سے گھڑی کو ہٹالیتے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۰۰، جلد ۱)

۲۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو گھڑی کو پیشانی سے ہٹالے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۰۰، جلد ۱)

۳۔ حضرت ابن عمرؓ اپنی گھڑی کے بیچ پر سجدہ نہیں فرماتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۰۰، جلد ۱)

۴۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میرے سر میں رقم ہو گیا، میں نے حضرت ابو عبیدہ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا میں اس پتی پر سجدہ کر لوں تو انہوں نے فرمایا نہیں۔

۵۔ عیاض بن عبد اللہ قرشی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی گھڑی کے بیچ پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو اپنی پیشانی کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اپنی گھڑی کو اونچا کر لے۔

۶۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ گھڑی باندھنے والے کے لئے پسند کرتے تھے کہ وہ اپنی گھڑی کے بیچ کو اپنی پیشانی سے ہٹالے۔

۷۔ محمد بن سیرینؒ گھڑی کے بیچ پر سجدہ کو مکروہ سمجھتے تھے۔

۸۔ حضرت عروہؒ گھڑی باندھنے والے کے بارہ میں فرماتے تھے کہ وہ اپنی پیشانی کو زمین پر ٹکائے۔

۹۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک شخص کو (انکار کے طور پر) فرمایا کہ شاید تو ان لوگوں میں سے ہے جو گھڑی کے بیچ پر سجدہ کرتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۰۰، ۳۰۱، جلد ۱)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں ننگے سر نماز پڑھنے کا رواج نہیں

تھا، البتہ پگڑی کے بیچ پر سجدہ کرنے میں اختلاف تھا کہ یہ عمل مکروہ ہے یا نہیں اور عام حالات میں بھی ننگے سر پھرنے کا رواج نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے منکلام ہوئے تو ان کے سر پر ان کی ٹوپی تھی۔ (ترمذی شریف، صفحہ ۳۰۴، جلد ۱)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سیاہ پگڑی تھی۔ (ترمذی شریف، صفحہ ۳۰۴، جلد ۱) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پگڑی باندھتے تو (شملہ) کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔ (ترمذی، صفحہ ۳۰۴، جلد ۱) حضرت ابن عمرؓ اور قاسم بن محمد اور سالم بھی اسی طرح شملہ لٹکاتے تھے۔ (ترمذی، صفحہ ۳۰۴، جلد ۱) ابو کبیرہ انصاری کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی ٹوپیاں گول اور سروں سے چپکی ہوتی تھیں۔ (ترمذی، صفحہ ۳۰۸، جلد ۱) حضرت رکانہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، فرماتے تھے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان (ظاہری) فرق ٹوپوں پر پگڑیاں باندھنا ہے۔ (ترمذی، صفحہ ۳۰۸) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اس حال میں کہ آپ پر تیل سے آلودہ کپڑا تھا۔ (شمائل ترمذی، صفحہ ۸) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اکثر سر پر کپڑا رکھتے تھے، گویا آپ کا کپڑا تیلی کا کپڑا ہے۔ (شمائل ترمذی، صفحہ ۸)

ان روایات اور ان جیسی بہت سی اور روایات سے سرؤہاچنے کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے اور پوری امت ان روایات پر عمل کرتی تھی حتیٰ کہ غیر مقلدین کے اکابر مولوی اسماعیل سلفی (فتاویٰ علمائے حدیث صفحہ ۲۸۸، جلد ۴) داؤد غزنوی، میاں نذیر حسین، مولوی شام اللہ، مولوی شرف الدین، مولوی عبدالغفار سلفی، عبدالجید سوہدروی وغیرہ بھی ننگے سر نماز کو ناپسند کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۱، جلد ۱، فتاویٰ نذر، صفحہ ۱۳۰، جلد ۱، فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۵۲۵، جلد ۱، صفحہ ۵۲۳، جلد ۱، فتاویٰ ستاریہ، صفحہ ۵۹، جلد ۳)

تحفہ اہل حدیث:

مولانا محمد اسماعیل صاحب محمدی نے تحفہ اہل حدیث میں ایک ضمیمہ غیر مقلد سے مکالمہ کی صورت میں اس مسئلہ کو شائع کر دیا۔ تو بجائے اس کے کہ غیر مقلدین اپنے عوام کو سرؤہاچنے کی ہدایت کرتے داؤد ارشد نے بخاری سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی روایت ذکر کر دی اور یہ نہیں بتایا کہ محمد بن المنکدر نے اعتراض کیا کہ یہ آپ کیسے نماز پڑھ رہے ہیں اور بخاری صفحہ ۵۲ کی روایت کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے لئے دو کپڑے ہیں، سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت عذر کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ پھر بخاری صفحہ ۵۳ پر حضرت عمرؓ کا حکم ہے کہ جب اللہ نے وسعت دے دی تو تم بھی وسعت پیدا کرو اور امام بخاری نے باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب باندھا ہے۔ (بخاری، صفحہ ۵۱) اور حضرت حسنؓ کا قول (صلوٰۃ) فی الثیاب اور زہریؓ کا قول یلمس من لیاب الیمن (بخاری، صفحہ ۵۲) جمع کے الفاظ ذکر کئے ہیں اور جمع کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا، پھر اگر ایک کپڑے سے سر کا ٹھکا ہونا ثابت ہوتا ہے تو باب ہی حکم تصلی المرأة میں حضرت عمرؓ کا فرمان کہ لو واردت جسدھا فی ثوب جاز کہ عورت اگر اپنے جسم کو ایک کپڑے میں چھپالے تو (نماز) جائز ہے۔ (بخاری، صفحہ ۵۳، جلد ۱) کا مطلب غیر مقلدین کے نزدیک یہی ہوگا کہ عورت ننگے سر نماز پڑھا کرے۔ اللہ تعالیٰ فیم سلیم عطا فرمائیں۔ آمین!

تحفہ اہل حدیث میں مولانا محمد اسماعیل صاحب نے مشکوٰۃ شریف کے حوالہ سے یہ لکھ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ننگے سر آدمی کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے اور جب سجد فرماتے ہیں تو ایک ہاتھ سے عمامہ مبارک کو معمولی اوپر اٹھاتے ہیں اور ایک ہاتھ سے سجد فرماتے ہیں۔ اتنی دیر تک بھی ننگے سر رہنا پسند نہیں فرماتے کہ عمامہ کو اتار کر نیچے رکھ دیں اور سجد فرمائیں اور امتی ہمیشہ ننگے سر نماز پڑھیں، اکثر گلیوں، بازاروں میں ننگے سر پھریں اور

کہلائیں الحمد ریث۔ (تحفہ الحمد ریث، صفحہ ۱۳)

بات تو مولانا کی بڑی مضبوط تھی، چاہئے تو یہ تھا کہ اس نصیحت کو قبول کر کے غیر مقلدین بننے سے بچنے کی عادت ترک کر دیتے مگر ہوا یہ کہ داؤدار شد صاحب نے اس پر وضع احادیث کا عنوان باندھا اور لکھا کہ مولوی اسماعیل نے ایک صد سے کم صفحات کی کتاب تحفہ الحمد ریث تحریر کی، اس کے ایک صفحہ میں دو روایات وضع کی ہیں۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۶۶)

اس کے بعد لکھتے ہیں یہ دونوں روایات مولوی ابوبال اسماعیل کی وضع کر رہے ہیں۔ مشکوٰۃ تو کجا پورے ذخیرہ احادیث میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۶۶) پھر فرماتے ہیں کتب احادیث میں ان کا قطعاً کوئی وجود نہیں اور سینئر گزٹ روایات کا کوئی وجود نہیں ہوا کرتا۔ ہم آج بھی اپنے دین و ایمان کی محکمگی اور خدا داد فرست کو ہرے کار لا کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۶۷، ۶۸) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کا عنوان دے کر لکھتے ہیں "اولاً" مشکوٰۃ تو ہم نے دیکھ لیا ہے اس میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جو آپ نے ذکر کی ہے۔ دوسری حدیث جو آپ نے ذکر کی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اس کا حوالہ دو کیونکہ ہمیں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ بھی آپ نے جھوٹ بولا ہے۔ الفرض آپ نے یہ کذبات بول کر اکانب آل دیوبند میں مزید افتراء علی الرسول کا اضافہ کیا ہے۔

(تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۳)

نوٹ: قارئین کرام کو اندازہ ہو رہا ہوگا کہ داؤدار شد کے غبارہ سے ہوا نکلتی جا رہی ہے۔ پہلے قطعی حکم لگایا تھا کہ دو روایات وضع کی ہیں۔ (صفحہ ۶۶) اب فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ بھی آپ نے جھوٹ بولا ہے۔ کسی نے سچ کیا کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ: "ہاں مؤلف تحفہ الحمد ریث نے یہ کر دیا کہ اپنی طرف سے ایک حدیث بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی۔" (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۵۱)

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہنچ کر ان کا غالب گمان یقین سے تبدیل ہو گیا ہے کہ دوسری حدیث ذخیرہ احادیث میں موجود ہے۔ مگر واضح طور پر اعلان حق نہیں کرتے کہ دو حدیثوں میں سے ایک حدیث مجھے مل گئی ہے اور رجوع الی الحق کو عار کچھ کرنا رکو ترجیح دے رہے ہیں۔ پھر پہلی حدیث کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ: "مشکوٰۃ کتاب اللہ میں ترمذی اور ابوداؤد کے حوالے سے ایک روایت ہے کہ: "مرد رجل وعلیہ نوبان احمران فسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرد علیہ یعنی ایک آدمی گزرا اور اس کے اوپر دوسرے رنگ کے کپڑے تھے، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ علیہ السلام نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا۔" (مشکوٰۃ، صفحہ ۱۲۲، جلد ۲، الحدیث ۳۳۵۳)

(تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۳۸)

معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث کے بارہ میں بھی داؤدار شد کو یہ بات کھٹک گئی ہے کہ مولانا اسماعیل صاحب کا مسئلہ یہ روایت بن سکتی ہے کیونکہ عرف میں دو کپڑوں سے مراد قمیص اور شلوار یا قمیص اور تہبند ہوتے ہیں۔ لاحتمال اس شخص کا سرنگا ہوگا اور سرنگا ہونے کا احتمال تو بہر حال ہے اور حدیث میں سلام کے جواب نہ دینے کا واضح طور پر ذکر ہے تو جب اس حدیث کے مولانا محمد اسماعیل صاحب محمدی کے مسئلہ ہونے کا احتمال ہے تو اب یہ تمام قسم کے الزامات ختم ہو جاتے تھے مگر داؤدار شد صاحب اس استدلال پر مٹی ڈالنے کے لئے فرماتے ہیں، دیکھئے اس حدیث میں ترک سلام سرخ لباس پہننے کی وجہ بیان کیا گیا مگر مؤلف تحفہ الحمد ریث کو جھوٹ کی اتنی کثرت سے عادت پڑ چکی ہے کہ اس نے اس روایت میں بھی تقلیدی آدمی چلا کر متن روایت میں ردوبدل کر دیا ہے۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۳۵)

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ پہلے تو بڑے زور شور سے دعویٰ کیا تھا کہ پورے ذخیرہ احادیث میں انہیں کوئی روایت نہیں ملی۔ اب کہتے ہیں کہ متن تبدیل کر دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے کون سا متن ذکر کیا ہے۔ انہوں

نے سرنگا ہونے کے مفہوم کو ذکر کیا ہے اور ترک سلام کی یہ وجہ بیان فرمادی آپ نے ترک سلام کی وجہ سرخ لباس پہننا ذکر کر دیا، حدیث پاک میں ترک سلام کی کوئی وجہ ذکر نہیں فرمائی گئی۔ یہ سب امتیوں کی فہم ہے ورنہ داؤد ارشد صاحب کسی صحیح صریح مرفوع حدیث سے یہ ثابت کریں کہ اس عدم جواب کی علت صرف سرخ رنگ کا پہننا ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی علت نہیں۔ محدثین کے ابواب ان کی ذاتی رائے ہے، ان کی تقلید کرنا غیر مقلدین کے ہاں شرک ہے۔ پھر اگر ترک سلام کی علت ننگے سر کو بیان کرنا متین روایت میں رد و بدل ہے تو یہ داؤد ارشد کا سرخ رنگ کو علت بنا کر یہ کہنا کہ..... "اس حدیث میں ترک سلام سرخ لباس پہننے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے۔" یہ متین میں رد و بدل نہیں۔ داؤد ارشد صاحب اپنے ذکر کردہ متین پر بھی نظر دوڑائیں (مرد رجل و علیہ ثوبان احمران فسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرد علیہ) اس میں کون سے الفاظ ہیں کہ جن میں ترک سلام سرخ لباس کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے، اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو وہ ساری کی ساری گروہ ان جو مولانا محمد اسماعیل صاحب پر پڑھی ہے وہ اپنے اوپر پڑھ لیں کہ میں نے بھی یہ حدیث وضع کی ہے اور متین میں رد و بدل کیا ہے، وغیرہ۔

اصل بات: یہ ہے کہ اس حدیث کے تحت ملا علی قاری وغیرہ نے یہ تشریحی نوٹ لکھا تھا کہ یہ صریح دلیل ہے آدمیوں کے لئے سرخ لباس کے حرام ہونے کی اور اس بات کی بھی صریح دلیل ہے کہ منہی عنہ کا حالت سلام میں ارتکاب کرنے والا جواب اور سلام کا مستحق نہیں ہے۔ (مرقات، صفحہ ۲۵۷، جلد ۸) داؤد ارشد نے اس امتی کی تشریحی رائے کو حدیث بنا دیا اور قبول کر لیا اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کی رائے کو کذب علی الرسول قرار دیا حالانکہ دونوں باتیں حدیث سے مستحب ہیں۔ پھر ملا علی قاری نے تو بات مزید بڑھادی تھا کہ منہی عنہ کے مرتکب کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے اور ننگے سر پھرنا اور نماز پڑھنا بالخصوص آج کل کے نوجوان غیر مقلدوں کا سنت کے ساتھ استخفاف ہے اور درمختار میں ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا

سستی کی وجہ سے طرہ ہے اور اہانت کی بنا پر کفر ہے۔ (درمختار، صفحہ ۲۴۱، جلد ۱) علامہ شامی بھی فرماتے ہیں کہ نماز کے ساتھ استخفاف اور تحقیر کی غرض سے ہو تو یہ کفر ہے۔ (رد المحتار، صفحہ ۲۴۱، جلد ۱ مع الدر) مولوی شرف الدین غیر مقلد بھی فرماتے ہیں یہ بعض کا جو شیوہ ہے کہ گھر سے ٹوپی یا پگڑی سر پر رکھ کر آتے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے۔ یہ فعل سنت سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۵۲۳)

نیز فتاویٰ ثنائیہ میں ہے کہ صحیح مستون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالذم ثابت ہوا ہے۔ یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا، پگڑی سے ہو یا ٹوپی سے۔ (صفحہ ۵۲۳، ۵۲۵)

مولوی اسماعیل صاحب سلفی فرماتے ہیں کہ کپڑا موجود ہو تو ننگے سر نماز پڑھنا یا شد سے ہو گا یا قلع عقل سے۔ (فتاویٰ علماء حدیث، صفحہ ۲۸۸، جلد ۲) نیز فرماتے ہیں کہ اگر حسن لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو ننگے سر نماز پڑھنا ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۲۸۹) مولوی داؤد غزنوی غیر مقلد فرماتے ہیں کہ اس ہند (ہندی) رسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہئے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی، اگر تعبد اور خشوع و خضوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ سبب ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر غسل یا سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ (فتاویٰ علماء حدیث، صفحہ ۲۹۰، ۲۹۱، جلد ۳)..... جب نصاریٰ سے ننگے سر پھرنے میں سبب ہے تو ملا علی قاری کے بقول منہی عنہ کا فرد ہونے کی وجہ سے اس حدیث میں داخل ہوگا خواہ گزرنے والا شخص ننگے سر نہ ہو کیونکہ ننگے سر پھرنا جب منافقوں کی عادت اور نصاریٰ سے سبب ہے تو اس کا منہی عنہ ہونا واضح ہے۔ عموم علت کی وجہ سے پائے جانے والے

علم کی نسبت بھی قرآن و سنت کی طرف کر دی جاتی ہے اگرچہ وہ حکم قرآن یا سنت میں صراحتاً نہ پایا جاتا ہو۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خوبصورتی کے لئے جسم گودنے والیوں، چہرے کے بال اکھیرنے والیوں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں میں فاصلہ پیدا کرنے والیوں یعنی اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اعضاء میں تخریب کرنے والیوں پر لعنت کی توأم یعقوب نامی ایک عورت نے کہا کہ یہ لعنت کیسی ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس شخص پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور وہ اللہ کی کتاب میں بھی ہے توأم یعقوب نے کہا اللہ کی قسم! میں نے تو دو گتوں کے درمیان پورا قرآن پڑھا ہے۔ میں نے اس قرآن میں نہیں پایا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر تو نے قرآن پڑھا ہے تو تم نے یقیناً اس کو پایا ہو گا کہ..... وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی اللہ کے رسول جو تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ۔ (بخاری، صفحہ ۸۷۹، جلد ۲)

اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ میں ان مذکورہ عورتوں پر لعنت نہیں مگر حضرت ابن مسعودؓ نے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ (الجم) کے عموم کی وجہ سے اس لعنت کو قرآن پاک کی طرف منسوب کیا ہے کہ چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے اور قرآن کہتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں دیں اس کو لے لو تو ان عورتوں کے لئے لعنت کا حکم قرآن سے ثابت ہو گیا اب کوئی داؤد ارشد کے ذہن والا آدمی کہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قرآن کے متن میں ردو بدل کر دیا ہے یا قرآن پر نعوذ باللہ جھوٹ بولا ہے یا قرآن نیا بنا لیا ہے تو یہ غلط ہے۔ انہوں نے قرآن پاک کے عام حکم میں سے اس خاص جزئیہ کا حکم مجھ کر اس جزئیہ کی قرآن پاک کی طرف نسبت کی ہے۔ اسی طرح مولانا محمد اسماعیل صاحب نے اسی مشکوٰۃ شریف

والی روایت سے معلوم ہونے والے عمومی اصول کہ منہی عنہ کے مرتکب کو سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے کہ عموم میں ننگے سر پھرنے کے خالص جزئیہ کو تہہ بالاصرائی منہی عنہ کی بناء پر اس حدیث کی طرف اگر منسوب کر دیا تو اس سے کوئی حدیث میں کمی یا زیادتی لازم نہیں آتی۔ اگر داؤد ارشد ایسے استدلال کو خدا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ممنوع ثابت کر دیں یا یہ ثابت کر دیں کہ یہ کذب علی الرسول ہے یا یہ روایت میں ردو بدل ہے تو درست ہے۔ ہم مولانا محمدی کی تردید کریں گے اور اگر وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے تو پھر شریعت ساز بن کر خدا یا رسول خدا کا منصب سنبھالنے سے توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

ہو حکم عساں کارھا دشوار نیست

پھر داؤد ارشد صاحب نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ..... "اس حدیث کو علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۳، جلد ۲ میں ضعیف کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کی تضعیف کی ہے۔ (کذا فی تنقیح الرواۃ، صفحہ ۲۳۰، جلد ۳) وہ ضعیف یہ ہے کہ اس کی سند میں ابو یحییٰ التتات راوی ہے۔ (ابوداؤد، صفحہ ۲۰، جلد ۲) اور یہ لیکن الحدیث ہے۔ (تقریب، صفحہ ۳۳۲) تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۳۸"

ہمارا سوال:..... یہ ہے کہ اگر یہ روایت مولانا اسماعیل صاحب کا مستدل ہی نہیں تو اس پر جرح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لئے چند امتیوں کو پیش کیا۔ (۱) البانی، (۲) ابن حجر مگر یہاں اپنا زور دار فرہ۔

اہلحدیث کے دو اصول

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول

بجول گئے۔ یہاں البانی اور ابن حجر کی تقلید شروع کر دی۔ ذرا سوچ کر جواب دیں کہ حجر پرستی شرک ہے تو ابن حجر پرستی شرک نہیں؟ پھر البانی نے ضعف کا حکم لگایا ہے کوئی دلیل نہیں دی اور

آگے اس نے کہا تھا کہ سرخ کپڑے کی ممانعت میں کوئی صحیح حدیث نہیں، اس کو داؤد وارشد نے قبول نہیں کیا جیسا کہ فرماتے ہیں کہ: "اس حدیث میں ترک سلام سرخ لباس پہننے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے۔" (تحفہ صفحہ ۱۲۸) پھر ابن حجر کی تضحیف کا حوالہ بھی غلط دیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں:..... اخوجه ابو داؤد والنوعمانی وحسد یثقی ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اس کے بعد ابو یحییٰ کو مختلف فیہ قرار دیا ہے۔ (فتح الباری، صفحہ ۳۷۶، جلد ۱۰) اور مختلف فیہ راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے۔ (تواہد فی علوم الحدیث، صفحہ ۷۶) علامہ معزی نے بھی ترمذی سے اس حدیث کی تحسین نقل کی ہے۔ (تحفہ الاشراف، صفحہ ۷۷، جلد ۲) علامہ ابن حجر نے الذکت الظرف میں اس پر کوئی کلام نہیں کیا۔

دوسری حدیث:..... رہی دوسری حدیث جس کی وجہ سے وضع حدیث کا الزام لگایا ہے اور کہا ہے کہ کتب حدیث میں اس کا وجود نہیں۔ (خلاصہ تحفہ) تو عرض یہ ہے کہ یہ الزام بھی ان کا غلط ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا اور آپ ﷺ کے اوپر قطری عمامہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل فرمایا پھر اپنے سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔ (ابوداؤد، صفحہ ۳۰) اسی طرح نافع ابن عمر سے نقل فرماتے ہیں کہ ابن عمر جب اپنے سر کا مسح کرتے تو ٹوٹی گواٹھاتے اور اپنے سر کے اگلے حصہ کا مسح فرماتے۔ (دارقطنی، صفحہ ۱۰۷، جلد ۱) مولوی شمس الحق عظیم آبادی غیر منقولہ فرماتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (التعلیق المغنی، صفحہ ۱۰۸، مع الدر القطنی) نیز سید امام شافعی میں ہے کہ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی پگڑی کو بنایا اور اپنے سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا "فرمایا" کہ اپنی ناصیہ کا پانی کے ساتھ مسح کیا۔

(احیاء السنن، صفحہ ۱۱)

ان روایات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب کا یہ فرمانا کہ نبی کریم علیہ السلام جب مسح فرماتے تو ایک ہاتھ سے عمامہ مبارک کو معمولی اوپر اٹھاتے

ہیں اور ایک ہاتھ سے مسح فرماتے ہیں۔ اتنی دیر تک بھی ننگے سر رہنا پسند نہیں فرماتے کہ عمامہ کو اتار کر نیچے رکھ دیں اور مسح فرمائیں اور اتنی ہمیشہ ننگے سر نماز پڑھیں، اکثر گھٹیوں بازاروں میں ننگے سر پھریں اور کہلائیں الحمد للہ (تحفہ الحدیث، صفحہ ۱۳) یہ بہت مضبوط گرفت ہے، صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی یہ عمل نہیں صحابہ کرام کا بھی ہے۔ داؤد وارشد صاحب نے مولوی اسماعیل صاحب سے ملاقات کر کے جو تو یہ نامہ لکھنے کا مخلصانہ مشورہ دیا تھا اب اس اقلص سے اپنے ان الزامات سے توبہ کریں اور پھر اپنے تمام نوجوانوں کو جنہوں نے ننگے سر رہنے کو شعار بنا رکھا ہے توبہ کرنے کی تلقین کریں اور مولانا محمد اسماعیل صاحب سے پہلی ملاقات کی طرح ایک دوسری ملاقات کر کے ان سے معافی مانگ لیں اور وہ معافی نامہ آئندہ ایڈیشن میں شائع فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ حق بات سمجھے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

حضرت شیخ الہند پر وضع حدیث کا الزام:

داؤد وارشد مولانا محمود حسن خان صاحب کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ ان کا شمار آل دیوبند کے اکابرین میں ہوتا ہے۔ مولانا قاسم علی نانوتوی کے شاگرد و رشید اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ اہل حدیث کی مخالفت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مختلف فیہ مسائل پر ان کی ایک کتاب ایضاح الاول ہے، اس میں تحریر کرتے ہیں کہ: قول عبد اللہ بن مسعود رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرقعناہ و تروک فسر کناہ (ایضاح الاول، صفحہ ۱۷) یعنی عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کی تو ہم نے بھی کی، جب آپ علیہ السلام نے چھوڑ دی تو ہم نے بھی چھوڑ دی۔ یہ من گھڑت روایت فقہ حنفی کی معروف کتاب (بدائع الصنائع، صفحہ ۲۰۸، جلد ۱) میں موجود ہے مگر کوئی حنفی سپوت اور منکر سنت اس کا وجود کتب احادیث سے نہیں

ثابت کر سکتا۔ (تختِ حنیفہ، صفحہ ۷۷-۷۸) قارئین کے سامنے داؤد ارشد کی اصل عبارت مع اعتراض ہم نے تحریر کر دی ہے، اس میں لفظ آل دیوبند منکرِ شفت جیسے الفاظ سے اس کی شائستگی اور قاسم علی نانو توی سے علمی استعداد پڑھنے والوں پر خوب واضح ہوگئی ہوگی۔ بہر حال میں اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں۔

حقیقت حال:

یہ ہے کہ انگریز کے دور میں جنم لینے والے اس فرقہ نے صدیوں سے متواتر چلی آنے والی نماز اور فقہ حنفی کے دوسرے چند دیگر مسائل پر ایک اشتہار محمد حسین بنالوی کے ذریعہ علامتے لدھیانہ کے نام بالخصوص اور حنیان پنجاب اور ہندوستان کے نام بالعموم شائع کیا، جس میں دس مسئلے لکھے گئے ہیں۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی صاحبِ مسائل ذیل میں کوئی آیت قرآن یا حدیث صحیح جس کی صحت پر کسی کو شک نہ ہو اور وہ اس مسئلہ میں جس کے لئے نص صریح قطعی الدلیلہ ہو پیش کریں تو فی آیت اور فی حدیث کے بدلے دس روپیہ بطور انعام کے دیں گے۔ (نقل اشتہار از اولہ کاملہ، صفحہ ۹)

ان میں پہلا مسئلہ رفع یدین نہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے (حوالہ بالا صفحہ ۱۰) تھا۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ الہند نے ایک چھوٹا سا رسالہ "اولہ کاملہ" تحریر فرمایا، اس میں حضرت فرماتے ہیں کہ: "آپ ہم سے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث صحیح متفق علیہ مانگتے ہیں جو بارہ عدم رفع "نص صریح" بھی ہو۔ جناب من ہم آپ سے دوام رفع کی نص صریح حدیث متفق علیہ کے طالب ہیں، اگر ہو (تو) لائیں اور دس کی جگہ بیس لے جائیے ورنہ کچھ تو شرمائے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو آپ آخری وقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں کسی نص سے آپ کا رفع یدین کرنا ثابت کیجئے اور اگر نہ ہو سکے تو کہہ کسی کے سامنے منہ نہ کیجئے۔ زیادہ وسعت چاہئے تو ہم صحیح کی بھی قید نہیں لگاتے چہ جائیکہ متفق

علیہ ہو، اگر اس پر بھی آپ سے کچھ نہ آئے تو پھر آپ ہی فرمائیں کہ قبیح حدیث و سنت کون ہے؟ آپ یا ہم؟" (اولہ کاملہ، صفحہ ۱۲-۱۳)

حضرت شیخ الہند کی گرفت مضبوط تھی کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے۔ مولوی محمد حسین اور اس کا گروہ رفع یدین کا مدعی ہے اور مدعی بھی دوام اور بقائے رفع یدین کا ہے اسی لئے تو وہ اس مسئلہ پر ایک آیت یا ایک حدیث کا مطالبہ کرتا ہے کہ اس میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہ کرنے کا ذکر ہو اور سلب جزئی ایجاب کلی کی نفی ہے، معلوم ہوا کہ محمد حسین کا دعویٰ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر رفع یدین کی ہے اور رفع یدین آخر عمر تک باقی رہی۔ تو حضرت شیخ الہند نے یہ بتایا کہ مولوی محمد حسین نے ہم منکرین رفع یدین سے دلیل کا مطالبہ کیا ہے، حالانکہ اصولاً دلیل منکر کے ذمہ نہیں ہوتی مدعی کے ذمہ ہوتی ہے۔ آپ دوام رفع یدین کے مدعی ہیں تو اس پر اپنی شرائط کے مطابق نص صریح حدیث متفق علیہ پیش کریں اور مزید ذمیل دیتے ہوئے حضرت نے متفق علیہ اور صحت کی قید بھی ختم فرمادی کہ تمہارے دوام رفع یدین یا آخر تک بقائے رفع یدین اگر غیر متفق علیہ اور غیر صحیح حدیث بھی آپ پیش کر سکتے ہیں تو کریں ہم اس کو بھی قبول کر لیں گے اور یہ بھی مستحب کر دیا تھا کہ غیر مقلدین کے پاس اپنے دعویٰ کے مطابق کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں ہے۔ غیر مقلدین رفع یدین کے بارہ میں جو احادیث پیش کرتے ہیں ان میں اثبات رفع یدین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا مگر وہ باقی رہا اور آپ آخری نماز تک رفع یدین کرتے رہے، اس کی غیر مقلدین کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ محض قیاس کی ایک ادنیٰ قسم اصحاب حال سے یہ بقا کو ثابت کرتے ہیں کہ جب ثابت ہو گیا تو پھر ہوتا رہا ہو گا مگر ہمارے پاس ترک رفع یدین کی احادیث ہیں تو ہم نے حدیث پر عمل کیا اور غیر مقلدین قیاس پر عمل کر رہے ہیں، پھر حضرت نے یہ بھی بتایا تھا کہ ثبوت رفع یدین بقائے رفع یدین اور نسخ

رفح یدین سے سہاکت ہے کہ ایک دفعہ ہونے کے بعد باقی رہا یا منسوخ ہو گیا، غیر مقلدین نے تو قیاس کیا کہ باقی رہا ہوگا اور ہم نے ترک رفح یدین والی حدیث سے عدم بقا والے احتمال کو ترجیح دی۔ لہذا ہم تو حدیث کو ماننے والے ہوئے اور غیر مقلد صرف قیاس کو ماننے والے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے یہ اصولی مطالبات اتنے قوی تھے کہ مولیٰ محمد حسین بنا مولیٰ اپنے رسالہ "اشباح السنہ" میں جواب شائع کرنے کا بار بار اعلان کرتا رہا مگر ان فولادوی مطالبات کے سامنے آنے کی مملکت نہ ہوئی، بالآخر اس جماعت کے احسن المناظرین مولوی محمد احسن امر وہی نے خانہ پوری کرنے کے لئے مصباح الاولہ لدرغ الاولہ الاذلہ نامی رسالہ لکھا۔ اس میں حضرت شیخ الہندؒ کے کسی اصولی مطالبہ کو پورا نہیں کیا بلکہ عام غیر مقلدوں کی طرح اپنے دوام رفح کے دعویٰ کو چھوڑ دیا اور لکھا کہ ہم تو دوام کے مدعی نہیں، نیز لکھا ہم وہ جو رفح یدین کے بھی مدعی نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ثابت کیا کہ ہم سے یہ مطالبہ کرنا کہ سلب جزئی کے طور پر ترک رفح یدین ثابت کرو، نیز فرمایا اگر وہ جو رفح یدین کا دعویٰ نہیں تو سہیت و استحباب کا دعویٰ ہی ثابت کر دیتے۔ مولوی محمد احسن نے سہیت رفح یدین کی جو دلیل پیش کی اس میں اثبات رفح یدین فی الجملہ تھا ہاں اور دوام کا اس میں ذکر نہیں تھا۔ نیز شیخ الہندؒ نے یہ بھی فرمایا کہ احادیث ترک رفح یدین میں ترک بمعنی عدم فعل ہی نہیں بلکہ بعض احادیث رواج رفح یدین کے بعد رفح یدین کے موقوف ہونے پر دلالت کرتی ہیں جیسے روایت، ابو داؤد و میمونؓ کی نے حضرت ابن زبیرؓ کو رفح یدین کرتے ہوئے دیکھا تو ابن عباسؓ کے پاس شکایت لگائی کہ میں نے ان کو ایسی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ کسی کو ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ (لحم) اس میں میمونؓ کی کا یہ جملہ کہ: "میں نے ساری زندگی کسی کو ایسی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہؓ کے زمانے میں رفح یدین متروک ہو چکی تھی، مگر میں رہنے والا میمونؓ کی یہ کہتا ہے کہ میں نے ساری عمر رفح یدین دیکھی

تک نہیں اور مکہ وہ شہر ہے جس میں حج کے موقع پر ساری دنیا کے مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رفح یدین صرف مکہ میں ہی متروک نہیں بلکہ دنیا میں کسی خطہ پر رواج نہ تھا کہ مسنون فعل کو یک لفظ صحابہؓ کا چھوڑ دینا یہ شیخ رفح یدین کے احتمال کی ترجیح کے لئے کافی دلیل ہے۔ نیز فرمایا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفح یدین کی تو ہم نے بھی کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دی تو ہم نے بھی چھوڑ دی اور حضرت ابن عباسؓ، عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ کے اقوال جو کتب فقہ میں مذکور ہیں وہ ترک رفح یدین پر دلالت کرنے والے ہیں اور چند احادیث کی کتابوں کے حوالے دیئے کہ طبرانی و مصنف ابن ابی شیبہ اور امام بخاریؒ کا رسالہ رفح یدین اور علماء و غیرہ کو دیکھ لیا جائے۔ ان میں بعض احادیث مرفوعہ و موقوفہ آثار متحدہ ہمارے دعویٰ کی تائید کرتے ہیں اور جنی طبری شارح منیہ نے بھی ان میں سے بہت سے دلائل نقل کئے ہیں۔

خدایں گرفت:

محمد احسن امر وہی نے حضرت شیخ الہندؒ کے خلاف انتہائی غلیظ زبان استعمال کی تھی جس کی محسوس اس پر یہ پڑی کہ وہ مرزائی ہو کر مرزا۔ اس بات کا اقرار و اذہار شد نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اولہ کاملہ کا جواب مولوی محمد احسن امر وہی (جو نواب صدیق حسن خان مرحوم کا ملازم تھا اور بعد میں مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا) نے مصباح الاولہ کے نام سے لکھا۔ (تحفہ حنیفہ، صفحہ ۳۵)

بہر حال مولوی محمد حسین نے اشہار ۱۲۹۰ھ میں لکھا، حضرت شیخ الہندؒ کے سوالوں کا جواب نہ ہی مولوی محمد حسین دے سکا نہ محمد احسن امر وہی اور نہ ہی آج تک کسی غیر مقلد نے ان کو ہاتھ لگایا۔ صادق سیالکوٹی نے صلوات الرسول میں دوام ثابت کرنے کے لئے یہ عنوان باندھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رفح یدین کرتے رہے، اس

میں حضرت ابن عمر کی ایک روایت نقل کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں: فلما زالت تلك صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ (تفخیص الحیبر) اور ترجمے کے بعد لکھا کہ یعنی وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں اور رکوع سے سر اٹھاتے رفع یدین کرتے تھے۔ (صلوٰۃ الرسول، صفحہ ۲۳۳) مگر اولاً تو یہ حدیث سنداً صحیح نہیں، مولوی عبدالرؤف غیر مقلد نے صلوٰۃ الرسول کی احادیث کی تخریج کی ہے جو مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں، فرماتے ہیں حافظ ابن حجر نے تفخیص الحیبر (مصحف، جلد ۲۱) میں اس روایت کو بیہقی سے منسوب کیا ہے مگر مجھے یہ سنن بیہقی میں نہیں ملی، حافظ زبلیعی نے نصب الرایہ (صفحہ ۳۰۹، جلد ۱) میں اسے سنن بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نصب الرایہ کے محقق نے کہا کہ یہ روایت سنن بیہقی کے مطبوع نسخہ میں ہے، شاید کہ یہ کتاب المعروف وغیرہ میں ہو۔ علی کل حال یہ روایت انتہائی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن قریش بن خزیمہ ہے اور یہ متہم ہے (صلوٰۃ الرسول مع التخریج، صفحہ ۲۷۳)

دوسرے ایڈیشن میں یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں نمازالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ کا اضافہ انتہائی ضعیف ہے بلکہ باطل ہے۔ (صلوٰۃ الرسول مع حاشیہ عبدالرؤف، صفحہ ۳۱۳) اس روایت پر پوری جرح "تجلیات صفدر" جلد ۳ پر زیر عنوان رفع یدین کی چار روایات کی تحقیق کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ زمانہ حال کے بعض غیر مقلدوں نے حضرت شیخ الہندؒ کا چیلنج قبول کرتے ہوئے دوام رفع یدین کی ایک اور حدیث تلاش کی جو سند اور متن کے ساتھ درج کی جاتی ہے: قال محمد بن عصفہ لاسوار بن عمارہ ان رديح بن عطيه عن ابى زرعة بن ابى عبدالمجبار ابن معج قال رايت اباہریرہ فقال لاصلين بكم صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ازيد فيها ولا انقص فاقسم باللہ ان كانت ہی صلوتہ حتی فارق الدنيا (اللم) ترجمہ: "مگر

ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں ضرور ضرور تمہیں نبی پاک والی نماز پڑھاؤں گا نہ اس میں کچھ کمی کروں گا نہ زیادتی، پھر انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا چھوڑ گئے تو میں ان کی دائیں طرف کھڑا ہوا تو انہوں نے نماز شروع کی تو تکبیر کہی تو اپنا ایک ہاتھ اٹھایا، پھر کچھ دیر بعد رکوع کیا، اس کے بعد تکبیر کہہ کر رفع یدین کی، پھر سجدہ کیا، پھر تکبیر کہی، پھر سجدہ کیا اور تکبیر کہی یہاں تک کہ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے۔ "راوی نے کہا کہ انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے یہاں تک کہ آپ دنیا چھوڑ گئے۔ (کتاب العجم، صفحہ ۹، جلد ۱)

قارئین! ملاحظہ فرمائیں کہ اس میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والی رفع یدین کہاں ہے اور تیسری رکعت کی رفع یدین کہاں ہے۔ غیر مقلدین نے ان تین رفع یدین کا دوام ثابت کرنا تھا۔ اس حدیث پاک میں ان میں سے کسی ایک کا دوام تو ذور کی بات ہے نفس ذکر ہی نہیں، اگر دوام ثابت ہوا ہے تو رکوع کے اندر کی رفع یدین ثابت ہوتی ہے جس کے غیر مقلدین قائل نہیں۔ اس کی تفصیلی بحث بھی آپ "تجلیات صفدر، جلد ۳" میں ملاحظہ فرمائیں۔ بہر حال حضرت شیخ الہندؒ کی بات آج تک پکی ہے کہ غیر مقلدین دوام رفع یدین والے احتمال کو قیاس سے ترجیح دیتے ہیں نہ کہ حدیث سے اور ہم عدم بقاء رفع یدین والے احتمال کو احادیث کثیرہ سے ترجیح دیتے ہیں۔ بہر حال اس گرفت پر غیر مقلدیت پریشان تھی، اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے حضرت شیخ الہندؒ پر کچھ چھوٹے الزام لگانے شروع کئے۔ مثلاً:

..... مولوی محمود حسن خان حنفی دیوبندی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے، حنفی انہیں شیخ الہندؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انہوں نے معروف سلفی عالم حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم کے ایک اشتہار کا جواب "اولہ کاملہ" کے عنوان سے لکھا، جس میں انہوں نے ایک سطر عربی عبارت اپنی طرف سے بنا کر اسے قرآن کریم کی آیت باور کرا کر تقلید کا

و جواب ثابت کیا۔ (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۳۵)

نوٹ:..... اولہ کاملہ میں بحث تقلید میں سرے سے کوئی عربی عبارت ہی نہیں چر جائیگا اسے آیت قرار دے کر وجوب تقلید کو ثابت کیا ہو۔

۲۔ اسی طرح دوسرا التزام مسائل کے سوال کے شروع میں گزارا کہ ابن مسعود کی من گھڑت روایت پیش کی ہے۔ (خلاصہ تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۷)

الجواب:..... بندہ یہ پہلے عرض کر چکا ہے کہ داؤد ارشد کے نزدیک کتابت کی غلطی بھی تحریف ہے، روایت بالمعنی بھی تحریف ہے، ان کو روایت بالمعنی اور تحریف میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا اور یہ بات خود تسلیم کر چکا ہے کہ یہ روایت بدائع الصنائع میں موجود ہے۔

قارئین کرام! علامہ کاسانی مؤلف بدائع ۵۸۷ھ میں فوت ہو گئے تھے، ان کے فوت ہونے کے بعد ۱۳۲۱ھ میں داؤد ارشد نے اس روایت کو من گھڑت کہا۔ ۹۳۳ سال تک کسی نے اس کو من گھڑت نہیں کہا تھا بلکہ اس کے ہم معنی روایت حضرت عبد اللہ بن الزبیر سے بخاری کی شرح میں علامہ یحییٰ نے نقل کیا ہے اور اس کو دلیل نسخ بنایا ہے۔ (دیکھئے عمدۃ القاری، صفحہ ۹۸، جلد ۵) نیز اس کے اور بھی شواہد ہیں جن میں ابن عمر کی درج ذیل روایت ہے۔

حدثنی عثمان بن محمد قال قال لی عبد اللہ بن یحییٰ حدثنی عثمان بن سوادہ بن عباد عن حفص بن میسرۃ عن زید بن اسلم عن عبد اللہ بن عمر قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکہ نرفع ایدینا فی بداء الصلوٰۃ وفی داخل الصلوٰۃ عند الركوع فلما ہاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ ترک رفع الیدین فی داخل الصلوٰۃ عند الركوع وثبت علی رفع الیدین فی بداء الصلوٰۃ (اختیار الصحابہ، ج ۱، صفحہ ۲۱۳)

معلوم ہوا کہ نبی زندگی میں رفع یدین تھی اور مدنی زندگی میں متروک ہو گئی، بہر حال حضرت ابن عباس والی روایت کی طرح یہ روایت بھی حضرت ابن مسعود کی روایت کی مؤید

ہے، لہذا اس روایت کو من گھڑت کہنا حضرت شیخ الحداد اور صاحب بدائع الصنائع پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ اسلاف سے بدگمانی اور بد بڑائی کے مرض سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

صاحب ہدایہ پر وضع حدیث کا اعتراض:

قارئین کرام! صاحب ہدایہ چھٹی صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ آپ کی وفات ۵۹۳ھ میں ہوئی۔ مولانا عبدالحی صاحب ان کی توثیق ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ آپ امام فقیہ، حافظ، محدث، مفسر، جامع للعلوم، ضابطہ للفقہ، متقن، محقق، نظار، مدقق، زہاد، ورع، بارع، فاضل، ماہر، اصولی ادیب تھے۔ (الفوائد الصحیحہ، صفحہ ۱۳) صاحب ہدایہ نے ۵۷۳ھ کو ہدایہ لکھنا شروع کیا اور ۵۸۶ھ میں اس کا اختتام ہوا۔ اس ۱۳ سال ہدایہ کی مدت تصنیف میں آپ نے مسلسل روزے رکھے اور روزے بھی ایسے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ صبح کا کھانا آتا تو آپ خادم کو فرماتے، یہاں رکھ دو اور کسی طالب علم کو کھلا دیتے۔ خادم بعد میں برتن خالی لے جاتا اور کہتا کہ کھانا آپ نے کھالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک نصاب میں پریشی پڑھائی جاتی ہے۔

حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ مذاہب اربعہ کی کتب میں کوئی کتاب ہدایہ کے مرتبہ کی نہیں۔ فقہاء کی کلام کے خلاصہ کر کرنے میں اور اس کی عمدہ تعبیر میں اور غرائب نفس میں اہم مسائل کے ایسے کلمات کے ساتھ جمع کرنے میں جو تمام کے تمام چند ارموتیوں کی طرح ہیں۔ نیز حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک (غیر مذہب) شیخ فاضل نے یہ سچی بات کہی کہ مسلمانوں میں ادب عربی کی تین کتابیں ہیں۔ (۱) قرآن پاک۔ (۲) صحیح بخاری، (۳) ہدایہ۔ نیز حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ سے بعض فضلاء نے سوال کیا کہ آپ فتح القدر جیسی کتاب لکھنے کی قدرت رکھتے ہیں؟ میں نے کہا، ہاں..... انہوں نے کہا کہ ہدایہ جیسی کتاب؟ میں نے کہا، ہرگز نہیں۔ اگرچہ اس کی چند

مطریں ہی کیوں نہ ہوں۔ (مقدمہ نصاب الرایہ صفحہ ۱۳)

غیر مقلدین کی حالت:

انگریز کے دور میں پیدا ہونے والے اس فرقہ نے فقہ حنفی کے مقابلہ میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ مثلاً (۱) نزال الابرار من فقہ الہدی الخمار، (۲) ہدیۃ الہدی، (۳) کنز الحقائق، (۴) حرف الجادی، (۵) فقہ محمدی وغیرہا۔ مگر ان کتابوں کو غیر مقلدین نے ہی قبول نہیں کیا۔ چنانچہ ان کتب میں سے کوئی کتاب آج ان کے نصاب میں داخل نہیں، البتہ ہدایہ انگریز یونیورسٹیوں کے علاوہ ان غیر مقلدین کے نصاب میں بھی داخل ہے۔ اس سے اس کی قبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مگر تک حرامی کی یہ حالت ہے کہ اگر پوچھا جائے کہ آپ فقہ حنفی کی کتابیں کیوں پڑھاتے ہیں۔ تو کہیں کہ ہم ترویج کے لئے پڑھاتے ہیں۔

بہر حال بقول مولانا روم۔

مہ فشانہ نور و سنگ عمو کند ہر کسے بر طینت خود سے بند

غیر مقلدین اس مقبولیت عامہ پر جلتے بھی ہیں۔ چنانچہ داؤد دارشد صاحب فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ "صاحب ہدایہ ان کا شمار فقہائے احناف کے ان لوگوں میں ہوتا ہے جن پر تمام مقلدین کو فخر ہے۔ انہوں نے موضوع و من گزرت روایات اس قدر بیان کی ہیں کہ اگر ہم ان کو شمار کریں تو چالیس اربین بنا سکتے ہیں۔ مگر ہمارا مقصود استیعاب نہیں صرف یہ بتانا مطلوب ہے کہ وضامین میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے مذہب کی وکالت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ لقلولہ علیہ السلام من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف النبی (ہدایہ، صفحہ ۱۲۲، جلد ۱) پورے ذخیرہ حدیث میں اس کا قطعاً کوئی وجود نہیں، یہ صاحب ہدایہ نے اللہ کے خوف کو بالائے طاق رکھ کر وضع کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے (درایہ صفحہ ۱۶۱، جلد ۱) میں لم اجد کہا ہے۔ مثلاً علی قاری حنفی نے (موضوعات ۱۲۱) میں لا اصل

کہہ ہے۔ علامہ زبیدی حنفی نے (نصاب الرایہ، صفحہ ۲۶، جلد ۲) میں غریب لکھا ہے۔ علامہ البانی نے لا اصل کہہ ہے۔ الضعیف رقم الحدیث ۵۷۳ علامہ نقی نے لم اقف علیہ بہلذا اللفظ کہا ہے۔ تذکرہ صفحہ ۳۰ (تحت حنفیہ، صفحہ ۷۵، ۷۶)

قارئین کرام! صاحب ہدایہ کو آج تک کسی ناقد نے وضاع نہیں کہا۔ داؤد دارشد نے اس کو وضاع کہہ کر اسامہ رجال کے پورے فن سے اعتماد اٹھا دیا ہے کہ تقلید رجال کا یہ گوشہ تمام محققین سے پوشیدہ رہا ہے، تو معلوم نہیں کتنے وضاع حدیث پر کتب رجال میں پردہ ڈال دیا گیا ہوگا۔ یہاں بھی روایت بالمعنی کا پتھر ہے۔ جو حوالہ جات داؤد صاحب نے ذکر کئے ہیں اگر وہ پورے ذکر کر دیئے جائیں تو کسی کو کوئی اشکال پیش نہ آتا۔ حافظ ابن حجر کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔۔۔ "میں نے اس حدیث کو نہیں پایا۔" اور حاکم اور طبرانی نے مرشد بن ابی مرشد فتویٰ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:۔۔۔ "اگر تمہیں یہ بات اچھی لگے کہ تمہاری نماز مقبول ہو تو تمہارے نیک لوگ تمہاری امامت کرائیں۔" اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ:۔۔۔ "تمہارے علماء تمہاری امامت کرائیں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے قاصد ہیں۔" اور اس حدیث کو دارقطنی نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ:۔۔۔ "اپنے امام اپنے بہتر لوگوں کو بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے سفیر ہیں۔" (الدرایہ بر حاشیہ ہدایہ، صفحہ ۱۱۳)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر اس حدیث سے اپنی لائعلیٰ کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ الفاظ مجھے نہیں ملے اور پھر معنی حضرت مرشد اور حضرت ابن عباس کی دو حدیثیں اس کی تائید میں ذکر کر دیں اور بتا دیا کہ اگر الفاظ نہ بھی ملیں تو حرج نہیں، یہ روایت بالمعنی ہوگی۔ اسی طرح مثلاً علی قاری کا لا اصل کہہنا الفاظ کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس سے قبل مثلاً علی قاری نے اس کو غیر معروف کہا ہے اور علامہ سخاوی کا قول:۔۔۔۔۔ لم اقف علیہ بہلذا اللفظ (یعنی ان

الفاظ پر مجھ کو اوقیت حاصل نہیں ہوئی) نقل کر کے فرماتے ہیں: "ولکن معناه صحیح لما رواہ الدیلیمی من حدیث جابر مرفوعاً بلفظ قد صموا اخبارکم ترکوا اعمالکم وللحاکم والطیرانی بسند ضعیف عن مرثد بن ابی مرثد الغنوی دفعہ ان سرکم ان تقبل صلواتکم فلیؤمکم عیارکم (موضوعات، صفحہ ۷۸) یعنی اس حدیث کا معنی صحیح ہے۔ اس حدیث جابری جب سے جس کو دلیلی نے مرفوعاً ان الفاظ سے نقل کی ہے کہ اپنے بہتر لوگوں کو آگے کر دینا کہ تم اپنے اعمال کو پاکیزہ بناؤ اور حاکم اور طیرانی میں سند ضعیف سے مرثد بن ابی مرثد غنوی کی مرفوع روایت ہے کہ اگر تمہیں یہ بات اچھی لگے کہ تمہاری نماز قبول ہو تو اپنے اچھے لوگوں کو امام بناؤ۔"

علامہ زبیلی نے بھی اس حدیث کو غریب کہہ کر حضرت مرثد اور حضرت عبداللہ بن عمر کی روایات سے اس کی تائید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ، صفحہ ۲۶، جلد ۳) الباقی تخریق مقلد ہے۔ اس کی جرح کا اکتہار نہیں، اس نے تو صحاح اربعہ سمیت اکثر کتب کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ضعیف صحیح علامہ محمد طاہر جعفی نے بھی الفاظ سے لاعلمی کا اکتہار کیا ہے۔ صاحب ہدایہ پر اعتراض نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ جن حضرات کے حوالے نقل کئے ہیں ان میں سے کسی نے اس حدیث کو موضوع نہیں کہا بلکہ دوسری روایات سے اس کے معنی کو درست قرار دیا اور روایت بالمعنی کو وضع سے تعبیر کرنا یہ غیر مقلدیت ہی کا نتیجہ ہے ورنہ پہلے بندہ نے روایت بالمعنی کے جواز کو بقدر ضرورت ذکر کر دیا ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ کسی حدیث کا غریب ہونا جرح نہیں، بخاری شریف کی پہلی اور آخری دونوں روایات غریب ہیں۔

فائدہ: اسی طرح ضعیف روایت فضائل میں ذکر کی جاسکتی ہے اور اگر وہ ضعیف روایتیں مل جائیں تو وہ حدیث حسن بن جاتی ہے۔ (کذافی کتب الاصول) بہر حال

صاحب ہدایہ پر ارشاد صاحب نے وضع حدیث کا الزام لگایا، اس پر لازم تھا کہ اس کو دلیل سے ثابت کرنا اور دلیل انکے نزدیک صرف کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ وہ الحدیث کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں: "جو ان نو ایجادات اور تصورات سے دور رہ کر صرف اور صرف کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں، کتاب و سنت کے مقابلہ میں ان کو کسی ایک کے قول و رائے سے کوئی سروکار نہیں۔ اس جماعت کا نام طائفہ منصورہ، اہل سنت اہل حدیث ہے۔" (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۲۱) اسی طرح وہ ابن قیم کا قول نقل کرتے ہیں کہ: "وہ کسی ایک کے قول اور قیاس کی تقلید نہیں کرتے۔" (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۲۱) یہ تو بچی گوئی لوی کے اقوال انہوں نے ذکر کئے ہیں اسی طرح مبشر بانی فرماتے ہیں کہ: "تمام شرعی احکام کا دار و مدار قرآن و حدیث پر ہے۔" (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۵)

نیز داؤد صاحب فرماتے ہیں کہ: "واجب الاطاعت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انبیاء کی اتباع اور پیروی درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔" (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۲۷) نیز فرماتے ہیں کہ: "ہمارے نزدیک احکام شرعیہ میں قرآن و حدیث ہی کافی ہے۔" (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۲۸) نیز فرماتے ہیں کہ: "دین مہارت ہے قرآن و حدیث سے۔" (تحفہ حنفیہ، صفحہ ۱۸۰) تو صاحب ہدایہ کے وضاع حدیث ہونے کے دعویٰ کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنا تھا مگر بجائے قرآن و حدیث کے پیش کرنے کے چند ہمتیوں کے اقوال قطع و برید کر کے پیش کئے جو داؤد صاحب کے نزدیک بے دینی اور شرک ہے۔ اب اس کتاب کو پڑھنے والے بھی داؤد کی تقلید کر کے مشرک بن جائیں گے تو بعض فقہاء کی کیسی مار پڑی کہ خود بھی ایمان کھو بیٹھے اور دوسروں کو بھی مشرک کی راہ پر ڈال دیا اور دعویٰ خدا اور خدا کے رسول کو ماننے کا ہے۔ تمام غیر مقلدین عوام کو یہی کہتے ہیں کہ ہم خدا اور خدا کے رسول ہی کے فیصلے کو مانتے ہیں۔ اب داؤد ارشد کے اس فیصلے کو ماننا داؤد ارشد کو خدا

یا رسول کا درجہ دینا ہے جو شرک فی التوحید یا شرک فی الرسالہ ہے۔ سنوم ہوا کہ اس کتاب پر اعتماد کرنے والے شرک فی التوحید یا شرک فی الرسالہ کے مرتکب ہوں گے۔ اگرچہ عوام کو ہزار بار توحید کے نام پر دھوکہ دیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہم سلیم عطا فرمائیں۔ آمین

نسخہ ابن ابی شیبہ:

بندہ نے پہلے بھی یہ لکھا تھا کہ واڈو ارشد کا کام یہ ہے کہ روایت بالمعنی کو تحریف یا کتاب کی لفظی ہو تو اس کو تحریف اسی طرح اختلاف نسخہ ہو تو اس کو بھی تحریف کے عنوان سے عوام میں پھیلائے گی کوشش کرتے ہیں۔ ہر کتاب کے مختلف نسخے ہوتے ہیں اور نسخوں میں کئی اور زیادتی بھی ہوتی ہے۔ بخاری شریف کے مختلف نسخے ہیں جن کا تعارف بخاری شریف کے دیباچہ میں کرایا گیا ہے اور بخاری شریف کے حواشی پر متعدد جگہ نسخوں کے اختلاف کی وضاحت کی گئی ہے۔ مؤطا امام مالک کے تقریباً ۱۶ نسخے ہیں اور ہر نسخے کا دوسرے نسخے سے اختلاف ہے۔ آج تک کسی نے اس کو تحریف نہیں کہا۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ کے تحت السرة کے الفاظ حضرت وائل بن حجر کی روایت میں موجود ہیں اور بعض نسخوں میں نہیں۔ علامہ محمد ہاشم سندھی متوفی ۱۷۷۳ھ محمد حیات سندھی کے جواب میں لکھتے ہیں کہ تحت السرة کا لفظ مصنف ابن ابی شیبہ کے تین نسخوں میں پایا گیا ہے۔ (۱) شیخ محمد قاسم محدث دیار مصر یہ نسخہ، (۲) محمد اکرم نصر پوری کا نسخہ جس کو ہم نے سندھ میں دیکھا، (۳) مفتی مکہ شیخ عبدالقادر کا نسخہ جس کو ہم نے مکہ میں دیکھا ہے۔ البتہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری کے نسخے میں تحت السرة کے الفاظ ساقط ہیں۔ (خلاصہ ترصیح الدرہ، صفحہ ۸۲)

اصل میں یہاں دو مسئلے ہیں۔ (۱) ناز میں ہاتھوں کا باندھنا، (۲) ناف کے نیچے باندھنا۔ ایک نسخے میں صرف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اور تین نسخوں میں باندھنے کے مقام یعنی تحت السرة کو بھی ذکر کر دیا۔ ہم دونوں باتوں کو مانتے ہیں اور ہمارے نزدیک دونوں نسخوں

میں تعارض نہیں ہے۔ ہم ہاتھ باندھنے کے بھی قائل ہیں اور ناف کے نیچے باندھنے کے بھی قائل ہیں۔ غیر مقلدان نسخوں میں تعارض سمجھتے ہیں حالانکہ تعارض حب ہوتا کہ عبداللہ بن سالم کے نسخے میں تحت السرة کی لفظی ہوتی حالانکہ اس میں تحت السرة کی لفظی نہیں ہے۔ البتہ محمد حیات سندھی نے تعارض پیدا کرنے کے لئے یہ کہا کہ عبداللہ بن سالم کے نسخے میں علی الصدر کے الفاظ ہیں تو مولانا محمد ہاشم صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صریح کذب ہے جیسا کہ ہم نے خود اس نسخے کو دیکھا ہے۔ (ترصیح الدرہ، صفحہ ۸۲)

پھر اگر بغرض محال تعارض ہوتا بھی تو تین نسخوں کو ایک پر ترجیح ہونی چاہئے نہ ایک کو تین پر بالخصوص جبکہ مکہ والا نسخہ بھی تحت السرة والا ہے تو مکہ کا نام لینے والے آج کل لوگوں کو کئی نسخہ چھڑا کر بصری نسخے کی طرف لے جانا چاہئے ہیں تو طیب اکیڈمی ملتان والوں نے اگر بصری نسخے کے ساتھ ہی ابن ابی شیبہ کا فتوہ لگا دیا تو غیر مقلدوں کو تو کئی نسخے پر خوشی کا اظہار کرنا چاہئے تھا مگر وہ مکہ کے نام سے بڑے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ تحت السرة والا نسخہ طیب اکیڈمی سے پہلے کراچی سے بھی چھپ چکا ہے۔

تنبیہ: دور حاضر کے غیر مقلد عالم مولوی عبدالرؤف فرنیج کلید الشریعہ الجمیع الاسلامیہ المدینہ المنورہ نے بھی اس نسخے کو صحیح تسلیم کیا ہے اور اس حدیث کی سند کو بھی صحیح مانا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "مصنف ابن ابی شیبہ کے کسی نسخے میں حدیث وائل بن حجر کے ایک طریق میں تحت السرة کے الفاظ ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔ احناف میں سے بعض نے زیر ناف ہاتھ رکھنے پر اس سے بھی دلیل لی ہے۔" (ملاحظہ ہو التلخیص الضروری، حاشیہ صلوة الرسول، صفحہ ۲۳۰)

چور مچانے شور:

چور مچانے شور کا محاورہ مشہور ہے۔ یہاں بھی کچھ معاملہ یہی ہے کہ اپنی چوریوں پر

پر وہ اس کے لئے امت کے دو تہائی سے زائد احناف مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں تحریف کا الزام لگا دیا تاکہ اس مسئلہ میں ان کی خیانتوں سے صرف نظر کر لیا جائے۔

محل وضع یدین میں غیر مقلدین کی بددیانتیاں اور خیانتیں

مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ وہ ایت فصل لربک والحو کا معنی کرتے ہیں کہ نماز پڑھو اور سینہ پر ہاتھ باندھو۔ (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۵۳۳، فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۹۵، جلد ۳) حالانکہ یہ تفسیر مردود ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں اور جمہور مفسرین نے اس سے قربانی مراد لی ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب کے الفاظ یہ ہیں: وقیل المراد بقولہ والحو وضع الید الیمنی علی السری تحت النحر بروی ہذا عن علیؑ ولا یصح (تفسیر ابن کثیر، صفحہ ۳۸۸، جلد ۷) پھر اور اقوال تفسیر یہ نقل کر کے فرماتے ہیں: وکل ہذہ الاقوال غریبہ جدا والصحیح القول الاول ان المراد بالحو ذبح المناسک یعنی یہ تمام تفسیری اقوال بہت ہی غیر مانوس ہیں۔ صحیح پہلا قول ہے کہ نحر سے مراد قربانی کے جانور ذبح کرنا ہے۔ (ابن کثیر، صفحہ ۳۸۹، جلد ۷) تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اکثر مفسرین اس مسلک پر ہیں کہ نحر سے مراد قربانی ہے۔ (روح المعانی، صفحہ ۳۳۳، جلد ۱۵) علامہ طبرنی فرماتے ہیں کہ نحر کے مختلف تفسیری اقوال میں سے میرے نزدیک درستگی کے زیادہ لائق ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ اپنی قربانی اللہ ہی کے لئے کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی اس نکریم کا شکر ادا کر لے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ (جامع البیان، صفحہ ۲۱۲) غیر مقلدین کے وحید الزمان کے ترجمہ پر عبد القاسم کے حواشی نوآمد سلفیہ کے نام سے شائع کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے پانچ نماز کی طرح آپ کی قربانی بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ صحیح مسلم میں ہے

کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے لئے قربانی کی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (فتح البیان) اکثر مفسرین نے وانحر کے معنی قربانی کرنا ہی لئے ہیں اور یہی راجح ہے وہ قال غیور واحد من السلف مگر بعض نے اس کے معنی نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا بھی کئے ہیں۔

یہ حضرت علیؑ سے ایک روایت ہے ولا یصح (نوآمد سلفیہ بر حاشیہ ترجمہ قرآن، صفحہ ۷۱۸)

عجیب بات یہ ہے کہ فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۳ میں تو اس آیت سے سینہ پر

باندھنے پر استدلال کیا مگر جلد ۱۳ میں عبدالرحمن مبارکیوری فرماتے ہیں:..... فصل لربک

والحو پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھا اور قربانی کر۔ تقریباً تمام قدیم جدید مفسرین کے

نزویک والحو سے مراد دس ذوالحجہ کی قربانی ہے۔ چنانچہ فخر الدین رازی شافعی متونی

۶۰۶ھ، امام ابن کثیر متونی ۷۷۷ھ، مفسر شوکانی ۱۲۵۰ھ، مفسر محمود آلوسی حنفی ۱۳۷۰ھ، مفسر

قرطبی مالکی ۶۷۷ھ، نواب سید صدیق حسن اور شیخ احمد مرآئی ۱۹۳۵ء وغیرہ نے اس کو ترجیح دی

ہے۔ ہمیں اعتراض ہے کہ مفسرین نے اس کے علاوہ اور معنی بھی کئے ہیں، لیکن وہ صحیح نہیں

ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۱۹، جلد ۱۳)

جھوٹ نمبر ۲

حضور سلی اللہ علیہ وسلم سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ صحیح

بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۳۵، جلد ۱)

تبصرہ:..... یہ بخاری شریف پر صریح جھوٹ ہے۔ بخاری شریف میں سینہ پر ہاتھ

باندھنے کی کوئی روایت نہیں، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مرزا نظام احمد قادری نے لکھا تھا:.....

وہ خلیفہ جسکی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی ہذا

خلیفة اللہ المہدی (شہادۃ القرآن، صفحہ ۳۴) جس طرح یہ روایت بخاری میں نہیں اسی

طرح سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت بخاری شریف میں نہیں۔

جہوت نصیر ۳:

سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں صحیح احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عادت ہے۔۔۔۔۔ حدیثنا یحییٰ بن ہلب عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنصرف عن یمینہ وعن شمالہ ویضع یدہ علی صدرہ ووصف یحییٰ الیمنی علی البسری فوق المفصل رواہ الامام احمد فی سندہ (فتاویٰ ثنائیہ صفحہ ۳۳۵، ۳۳۶، جلد ۱) عن قبیصہ بن ہلب عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنصرف عن یمینہ وعن یشارہ وروایتہ یضع یدہ علی صدرہ (لحم قبیصہ بن ہلب سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) دائیں بائیں طرف پھرتے اور (نماز میں) سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل، فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۳۵۸، جلد ۱)

تبصرہ:۔۔۔۔۔ پہلے حوالہ میں قبیصہ بن ہلب کی جگہ یحییٰ بن ہلب بنا دیا ہے، اگرچہ

دوسرے حوالہ میں قبیصہ بن ہلب درست کر دیا، مگر اس حدیث میں بضع ہذہ علی صدرہ تھا۔ (مسند احمد، صفحہ ۳۳۶، جلد ۵) مگر ان دونوں حوالوں میں بضع یدہ علی صدرہ کر دیا اور ترجمہ بھی یہ کہ ہاتھ کر دیا اور پھر دوسرے حوالہ میں ترجمہ کرتے ہوئے بریکٹ میں (نماز میں) کا لفظ بڑھا کر اپنا استدلال بنایا حالانکہ اصل روایت میں فی الصلوٰۃ کا لفظ نہیں ہے اور پھر یہ بھی نہیں بتایا کہ اس روایت میں صدرہ کا لفظ سماک بن حرب کے چھ شاگردوں (زہیرہ سفیان، شریک، شعبہ، ابوالاحوص، زائدہ) میں سے صرف سفیان کے طریق میں ہے اور پھر سفیان کے شاگرد یحییٰ اس کو نقل کرتے ہیں۔ کعب کی روایت میں صدرہ کے لفظ نہیں پھر ابراہام اور تفصیل میں مطابقت نہیں۔ ہذہ علی صدرہ کی تفصیل خود یحییٰ نے الیمنی علی

البسری کے ساتھ کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل الفاظ ہذہ علی ہذہ تھا کہیں کتاب کی غلطی سے صدرہ بن گیا اس کو غیر مقلدین نے علاقے کے متواتر عمل کے خلاف پیش کرنا شروع کر دیا، اور اگر ہذہ علی صدرہ کے الفاظ تسلیم کر لئے جائیں تو ہذہ اسم اشارہ مفرد ہے تو ایک ہاتھ کا سینہ پر رکھنا ثابت ہوگا، دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھنے کا مسئلہ پھر بھی ثابت نہ ہوگا۔

نوٹ:۔۔۔۔۔ ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ذکر کیا ہے مگر اس میں سینہ کے الفاظ نہیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے بھی صفحہ ۶ پر ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے اس روایت کو سینہ کے لفظ کے بغیر ذکر کیا ہے۔

جہوت نصیر ۴

ابن خزیمہ کی روایت میں علی صدرہ کا لفظ تھا جس کی سند درج ذیل ہے:

اخبرنا ابو ظاہر نا ابو یحییٰ نا ابو یحییٰ نا ابو موسیٰ نا مؤمل نا سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر اس شعیف سدی جگہ مولوی عبدالرحمن مبارک پوری مولوی عبید اللہ مبارک پوری اور مولوی علی محمد سعیدی نے مسلم شریف کی یہ سند لگا دی۔۔۔۔۔ عن محمد بن یحییٰ عن عفان عن ہمام عن محمد بن جحادہ عن عبد الجبار بن وائل عن علقمہ بن وائل و مولیٰ لہم عن ابیہ النہی اور ای سند سے مسلم میں یہ متن بغیر زیادت علی الصدر کے ہاں الفاظ مروی ہے: ثم وضع یدہ الیمنی علی البسری (صفحہ ۱۷۳، جلد ۱) (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۳۳۳، فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۹۱، ۹۲) (اصل لفظ ان ہے نہ کہ من)

نوٹ:۔۔۔۔۔ مسلم شریف کی سند میں بھی گڑبڑ کر دی ہے۔ مسلم شریف میں سند اس

طرح ہے:۔۔۔۔۔ زہیر بن حرب قال لناعفان قال لہمام قال لہمام عن ابیہ النہی اور ای سند سے مسلم میں یہ متن بغیر زیادت علی الصدر کے ہاں الفاظ مروی ہے: ثم وضع یدہ الیمنی علی البسری (صفحہ ۱۷۳، جلد ۱) (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۳۳۳، فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۹۱، ۹۲) (اصل لفظ ان ہے نہ کہ من)

مسلم کے استاد اور عفان بن مسلم کے شاگرد زہیر بن حرب تھے۔ ان حضرات نے زہیر کو محمد بن یحییٰ بتا دیا۔

جھوٹ نمبر ۵:

مولوی ثناء اللہ صاحب ابن خزیمہ کی روایت کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ (ابن خزیمہ نے) اس کو صحیح بھی بتلایا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۲۵، جلد ۱) یہ بھی جھوٹ ہے۔ ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح نہیں کی۔

نوٹ: واضح رہے کہ یہ فتاویٰ ثنائیہ وہ فتویٰ کی کتاب ہے جس کے بارہ میں علامہ احسان الہی ظہیر فرماتے تھے کہ اردو فتاویٰ میں جامع اور صحیح ترین مجموعہ ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۱۵) نیز فرماتے ہیں کتاب و سنت کے اس قدر قریب اور مسلک سلف کے اس قدر مطابق فتاویٰ کا اور کوئی مجموعہ اردو میں موجود نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ، صفحہ ۱۵)

ع جس کی بہار یہ ہو اس کی خزاں نہ پوچھو

جھوٹ نمبر ۶

سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ہے۔ بلوغ المرام، صفحہ ۳۶ و تخریج زبلی ملاحظہ ہو۔ (فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۹۵، جلد ۳) یہ ابن حجر اور زبلی پر سفید جھوٹ ہے۔ انہوں نے صرف حدیث کو نقل کیا، اس کی تصحیح نہیں کی۔

جھوٹ نمبر ۷

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تاوقات سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مولوی شرف الدین دہلوی فرماتے ہیں: "دوام کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس نماز پڑھنے پر دوام کیا ہے اور یقیناً کیا ہے تو پھر ان امور مذکورہ بالا پر (یعنی سینہ پر ہاتھ رفع یدین، آمین بالجہر، ناقل) جو احادیث متفقہ سے ثابت ہے

دوام ان کا بھی ثابت ہے۔" (فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۹۱، جلد ۳) ان مسائل ثلاثہ میں دوام کی ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ یہ ایک ہی سانس میں تین جھوٹ ہیں اور پھر احادیث متفقہ سے عرف میں بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایات مراد ہوتی ہیں جبکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے اور آمین بالجہر کوئی صریح روایت نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں چہ جائیکہ متفق علیہ ہو۔

جھوٹ نمبر ۸

علمائے حنفیہ مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم بکثرت اور مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم بھی ان کے قائل تھے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث، صفحہ ۹۱، جلد ۳) یہ بھی دونوں بزرگوں پر جھوٹ ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب تحت السرة کے حاشیہ میں حدیث علی سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث وائل تحت السرة والی کو امین ابی شیبہ کے حوالہ سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث علی کے لئے شاہد ہے، پھر فرماتے ہیں کہ سینہ والی روایت ۱۷۱ کے نزدیک عورتوں کے حق میں ہے کیونکہ یہ ان کے لئے زیادہ ستر والی چیز ہے۔ (خلاصہ حاشیہ شرح وقایہ، صفحہ ۱۳۵، حاشیہ نمبر ۲) اسی طرح مولانا عبدالحی صاحب حدیث علی میں عبد الرحمن بن ابلق کا ضعف نقل کر کے فرماتے ہیں: "لکن لہ شواہد لیکن اس زیر نائف والی حدیث کے بہت سے شواہد ہیں، پھر حضرت علی کے اپنے عمل اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت کو شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ: "تحت السرة والامسک اقرب الی التعظیم اور اہل کتاب کے تحب سے زیادہ بعید اور ستر عورت اور حفظ ازار کے زیادہ قریب ہے۔" (خلاصہ استعاہ، صفحہ ۱۵۶) اسی طرح حضرت گنگوہی اس مسئلہ میں ائمہ کے دونوں قسم کے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں۔ پس اب تقلیداً جس پر چاہے عمل کرے اور اولیٰ جانب کی کوئی گنجائش رد و قدح کی نہیں۔ البتہ ان جملہ مسائل میں ہندہ کے نزدیک راستے امام ابو حنیفہ کی ہی راجح ہے۔

(سمیل الرشاد مع تالیفات رشید، صفحہ ۵۱۵) اسی طرح حضرت گنگوہی فرماتے ہیں تیسرے الوصول میں زواریت ہے۔۔۔ عن ابی جحیفۃ ان علیاً قال السنة وضع الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ (خرجہ رزین) اور شدت فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے تو بس اس روایت سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے خوب روشن ہیں۔ انکار اس کا بجز تعصب اور کیا ہو گا۔ (فتاویٰ رشیدیہ مع التالیفات، صفحہ ۲۱۶) اسی طرح حضرت فرماتے ہیں۔۔۔

”ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مستحب ہے اور اس مسئلہ میں خلاف امام شافعی صاحب کا ہے۔۔۔ ناف کے اوپر مستحب فرماتے ہیں۔“ (فتاویٰ رشیدیہ مع التالیفات، صفحہ ۲۶۳) اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت گنگوہی کا اپنا مسلک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے استحباب کا ہے، البتہ ترک مستحب گناہ نہیں اس لئے حضرت نے دوسرے ائمہ کی تقلید میں اگر کوئی دیکھتا ہے اس کو ترک کرے تو اس کو جائز لکھا ہے اور اگر ہوائے نفسانی کی وجہ سے ترک کرے تو ناجائز لکھا ہے۔ بہر حال حضرت گنگوہی کے بارہ میں یہ کہنا کہ وہ سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائل تھے یہ محض بہتان ہے۔

جھوٹ نمبر ۹

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین ضعیف ہے۔ (ہدایہ، صفحہ ۳۵، جلد ۱)

جھوٹ نمبر ۱۰

سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین صحیح ہے۔ (صفحہ ۳۵، جلد ۱) (شرح وقایہ، صفحہ ۹۳)

جھوٹ نمبر ۱۱

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں ہے۔ وہ قول حضرت علیؓ سے

ہے اور ضعیف ہے۔ (شرح وقایہ، صفحہ ۹۳، حقیقۃ الفقہ، صفحہ ۱۹۳، جلد دوم) یہ تینوں سفید جھوٹ ہیں۔ ہدایہ اور شرح وقایہ میں یہ تینوں باتیں موجود نہیں بلکہ ہدایہ میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی حدیث ہے۔ قدوری کے قول تحت السرۃ کو مدلل کیا ہے اور امام مالکؒ کے ارسال یدین والے مسلک کی اور امام شافعیؒ کی سینے والی روایت کی تردید کی اور پھر قیاس سے بھی اس حدیث کی تائید کی ہے کہ نماز میں مقصود تعظیم خداوندی ہے اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اقرب الی التعظیم ہے۔ (ملاحظہ ہو ہدایہ، صفحہ ۸۶، جلد ۱) اور یہ اصول صرف فقہا کا نہیں بلکہ محدثین کا بھی ہے کہ جب کوئی فقیر کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اس کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی جرح کردہ ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔۔۔ وقد احتج بھذا الحدیث احمد و ابن المنذر و ملی جزمہما بادلک دلیل علی صحۃ عندہما (الخصائص الجبر، صفحہ ۷۱، جلد ۱) (بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن، صفحہ ۳۸، مع الحاشیہ) یعنی اس حدیث سے امام احمدؒ اور ابن المنذرؒ نے استدلال کیا ہے اور ان کے اس استدلال کے یقین کر لینے میں ان کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ ابن جوزیؒ اپنی کتاب التتبع میں فرماتے ہیں۔۔۔ فاذا ورد الحدیث محدث واجتہد بہ حافظ لم یقع فی النفوس الا انه صحیح (نصب الراية، صفحہ ۱۳، جلد ۲) کہ جب کوئی محدث حدیث کو ذکر کرے اور کوئی حافظ اس سے استدلال کرے تو دونوں میں یہی بات آتی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نماز میں سورۃ کی چند آیات پر اکتفاء کے جائز ہونے پر حضرت حسن بصریؒ کا یہ اثر ذکر کرتے ہیں۔۔۔ قال غزونا حرامان ومعنا ثلاث مائة من الصحابة فكان الرجل منهم یصلی بنا فیکفر الآیات من السورۃ ثم یرکع اور فرماتے ہیں۔۔۔ اخرجہ ابن حزم محتجاً بہ یعنی ابن حزم نے اس اثر کو استدلال کے طور پر ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری،

صفحہ ۳۲۶، جلد ۲) مگر یوسف جے پوری اس کی طرف تصحیف کی نسبت کرتا ہے اور صاحب ہدایہ نے سینے پر ہاتھ باندھنے کی تردید کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح شرح وقایہ میں صرف ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا مسئلہ ہے، سینے پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ ہی ذکر نہیں کیا اور فریقین کے استدلال کو ذکر ہی نہیں کیا چہ جائیکہ تحت السرة والی حدیث کو ضعیف اور سینے والی کو قوی قرار دیا ہو۔ شرح وقایہ اور ہدایہ عربی کی کتابیں ہیں کوئی غیر مقلدان کی عربی عبارت پیش نہیں کر سکتا جس میں یہ تینوں مسئلے ہوں۔

غیر مقلدین کا عذر گناہ بدتر از گناہ

آج کل بعض غیر مقلد یہ کہتے ہیں کہ حقیقۃ الفلہ کے ہر صفحہ پر لکھا ہے کہ کتب مندرجہ فقہ سے مراد ان کے تراجم ہیں اور صفحہ ۱۳ پر لکھا کہ حوالہ میں عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ اور نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کے صفحات قلم بند کئے ہیں۔ (مفہوم صفحہ ۱۳، حقیقۃ الفلہ) تو جواباً عرض ہے کہ عین الہدایہ امیر علی کی کتاب ہے جو میاں نذیر حسین صاحب دہلوی غیر مقلد کے شاگرد ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب الحنفی لکھتے ہیں: تم مسافر الی دہلی واحد الحدیث عن الشیخ المحدث نذیر حسین الدہلوی وقرء علیہ الصحاح والسنن قراءۃ تدمو واتفان (نزہۃ الخواطر، صفحہ ۸۵، جلد ۸) یعنی پھر امیر علی نے دہلی کا سفر کیا اور علم حدیث نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھا اور صحاح اور سنن ان کو تدمیر اور مضبوطی سے سنا میں۔ نیز لکھتے ہیں: غیر متصلب فی المذہب الحنفی یتبع الدلیل ویترک التقليد اذا وجد فی مسئلۃ نصاً صریحاً مخالفاً للمذہب غیر منسوخ (نزہۃ الخواطر، صفحہ ۸۵، جلد ۸) یعنی مذہب حنفی میں پختہ نہیں تھے۔ جب کسی مسئلہ میں مذہب کے خلاف نص صریح غیر منسوخ پاتے تو تقلید چھوڑ دیتے۔ ابو یحییٰ خان نوشہروی

غیر مقلد فرماتے ہیں: "یہ بزرگ اہل حدیث عقیدے پر تھے۔" (حاشیہ تراجم علمائے حدیث، صفحہ ۵۳۶) پھر عجیب بات یہ ہے کہ عین الہدایہ میں بھی امیر علی غیر مقلد نے فتح القدیر اور منی سے تخصیص کر کے نووی کا یہ قول نقل کیا کہ: "اس روایت کے ضعیف ہونے پر ائمہ حدیث مشتق ہیں۔" (عین الہدایہ، صفحہ ۲۵۰) اور پھر اس روایت کے ضعیف کو ذور کرنے کے لئے ابن ابی شیبہ کی روایت ذکر کی ہے، اور پھر فائدہ کے عنوان پر فرماتے ہیں: "اس اثر (تحت السرة) سے مسنون ہونا منصوص ہے جس کی تائید یہ شہادت اہل علم صحابہ و تابعین موجود۔" علاوہ اس کے حدیث ابن ابی شیبہ صحیح الاسناد ہے اور اثر مذکور میں کوئی ایسا ضعیف نہیں جو دفع نہ ہو حتیٰ کہ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے۔ (عین الہدایہ، صفحہ ۲۵۰)

قارئین کرام! غور کریں کہ یہ غیر مقلد بھی تسلیم کرتا ہے کہ ناف کے نیچے والی روایت سے مسنون عمل کا ثبوت ملتا ہے (اور سیدہ والی روایت میں شدت کا لفظ نہیں) اور اس ناف سے نیچے والے مسئلہ میں اہل علم صحابہ اور تابعین کی تائید موجود ہے اور ابن ابی شیبہ والی ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث صحیح الاسناد ہے اور ہدایہ میں ذکر کردہ اثر میں کوئی ایسا ضعیف نہیں جو دفع نہ ہو سکے۔ امام احمد کا اس اثر کو نقل کرنا بھی صحت کی دلیل ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہدایہ یا عین الہدایہ کی طرف قول مذکور کو منسوب کرنا کتنی بڑی بددیانتی ہے۔ صاحب ہدایہ پر تو جھوٹ بولا ہی تھا اپنے غیر مقلد کا ہی خیال کر لیتے۔

تو اگر میرا نہیں بتا نہ بن، اپنا تو بن

اسی طرح شرح وقایہ کا ترجمہ نور الہدایہ بھی غیر مقلد و حیدر الزمان کی کتاب ہے جیسا کہ ابو یحییٰ خان نوشہروی غیر مقلد نے علمائے ائمہ حدیث کی علمی خدمات، صفحہ ۵۹ میں اس کا ذکر کیا ہے تو نور الہدایہ کے حوالہ کو شرح وقایہ کے نام سے پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے مرزا ابی یحییٰ تفسیر کو قرآن کے نام سے پیش کیا جائے۔

جہوت نمبر ۱۱

محمد یوسف جے پوری لکھتا ہے، حضرت مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر ہاتھ باندھنے کو حدیث کی بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔ مقدمہ ہدایہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۱، صفحہ ۳۵۱، (تذکرہ الفقہ، صفحہ ۱۹۳)

قارئین کرام! مرزا مظہر جان جاناں کی وفات ۱۲۵۶ھ میں ہوئی تو یہ تیرہویں صدی کے شخص کا عمل ہدایہ کے مقدمہ میں کیسے آگیا کیونکہ ہدایہ ۵۸۶ھ میں لکھا گیا۔ یہ مقدمہ سارے غیر مقلد مل کر حل کریں کہ تقریباً سات سو سال اپنے پیدا ہونے سے پہلے یہ بات حضرت مرزا صاحب نے صاحب ہدایہ کو کیسے بتا دی کہ میں سینے والی حدیث قوی ہونے کی وجہ سے سینہ پر ہاتھ باندھتا ہوں۔

فائدہ: آج کل اکثر غیر مقلدین بعض احناف کے شاذ اقوال جو غیر منطقی ہیں ان کو عوام میں پھیلا کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں کہ فلاں فلاں حنفیوں نے بھی فقہ کو چھوڑ دیا ہے تم بھی چھوڑ دو، حالانکہ یہ بات اسی طرح غلط ہے جیسے کوئی شاذ قرأتیں اکٹھی کر کے عوام کو کہے کہ فلاں فلاں صحابی نے اس موجودہ قرآن کو چھوڑ دیا تھا تم بھی چھوڑ دو۔ غیر مقلدین کی یہ حرکت نہ تحقیقاً صحیح ہے نہ ائزاً۔ تحقیقاً اس لئے کہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ دلیل صرف قرآن یا حدیث ہے۔ اب جن بزرگوں کو وہ پیش کرتے ہیں ان کو قرآن کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں یا حدیث کی حیثیت سے، اگر تحقیقی طور پر پیش کرتے ہیں تو وضاحت کریں کہ ہم ان کو خدا یا رسول سمجھتے ہیں اور اگر ہمیں الزام دینے کے لئے پیش کرتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ الزام مد مقابل کے مسلمات سے ہوتا ہے۔ حنفیوں کے ہاں فقہ حنفی کا منطقی بقول جہت ہوتا ہے، غیر منطقی بہ روایت اگر امام صاحب کی بھی ہو تو وہ ہمارے لئے الزام نہیں بن سکتی۔ بالفائدہ دیگر ہم فقہ حنفی کے منطقی بہ اقوال کے مقابلہ میں دوسرے مجتہدین کے اقوال کو چھوڑ دیتے ہیں تو

مقلدین کے غیر منطقی بہ اقوال ہمارے خلاف کیسے پیش ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام: یہ کہ غیر مقلدین کے جب اس مسئلہ پر ایسے جھوٹ مجموعہ

رسائل وغیرہ میں شائع ہوئے تو انہوں نے اپنے ان جھوٹوں سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے یہ حربہ اختیار کیا کہ طیب اکبری والوں نے اپنی طرف سے تحت السرتہ اولی روایت کا جعلی ورق لگا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خدا کو چھوڑ کر صحیح بات پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

فارسی میں قراءۃ کا مسئلہ:

۶: باطل فرقوں کا کام یہ ہے کہ قرآن پاک کی شاذ اور متروک قراءتوں سے متواتر قرآن پر اعتراض کرتے ہی منکرین حدیث ضعیف اور متروک روایات کو لے کر پورے ذخیرہ احادیث پر اعتراض کرتے ہیں اسی طرح فقہ کی غیر منطقی بہ روایات کو لے کر غیر مقلد ذخیرہ احادیث پر اعتراض کرتے ہیں فارسی میں قراءۃ والی روایات بھی غیر منطقی بہ اور متروک ہیں۔ نوح بن ابی مریم نے امام صاحب کا اس سے رجوع نقل کیا۔ (کما فی کتب الفناوی)

۷: مسند امام اعظم پوری دنیا میں پھیل چکی ہے اور اس میں امام اوزاعی سے امام ابو حنیفہ کا مناظرہ مذکور ہے جن کتابوں کی شہرت ہو جائے ان کے راویوں کی بحث خلاف اصول محدثین و فقہاء ہے۔

۸: محمد بن اسحاق کے بارہ میں محدثین کا اختلاف ہے کوئی تو اس کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتا ہے اور کوئی سخت جرح کرتا ہے۔ ذہبی نے اس کے بارہ میں آخری فیصلہ یہ لکھا ہے کہ مغازی اور تاریخ میں اس کی روایت معتبر ہے قرآن اور عقائد میں اس کا تفرق معتبر نہیں۔

۹: حضرت سید انور شاہ کشمیری کا فرمانا کہ عرضائع کر دی کا مطلب ان کے پورے بیان سے واضح ہے کہ شافعیت منہلیت اور مالکیہ جو مذہب حق ہیں ان کی تردید کی بجائے

قادیانیت اور لاندہیت (جو قادیانیت پکڑ الویت انکار حدیث اور دہریت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں) کی تردید کی ضرورت تھی یہ مطلب نہیں کہ فقہ حنفی میں مشغولیت زندگی کا ضیاع ہے کیونکہ اس قول کے باوجود حدیث کی طرح آخر تک فقہ پڑھاتے رہے۔

۱۰..... شہنشاہ کا معنی بڑا بادشاہ ہے اگر یہ مراد ہو کہ ساری کائنات کے تابع فرمان ہے تو اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی غیر اللہ پر اس کا یوں شرک ہوگا اور اگر پوری کائنات کا متبوع مراد نہ بلکہ علم حدیث یا علم فقہ کے بادشاہوں کا بادشاہ مراد ہو تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کو حدیث شاپشاہ کہنا جائز ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ میں وقتہا کے بادشاہ تھے جیسے اللہ اکبر میں اگر اکبر من کل شیء مراد ہے تو غیر اللہ پر اکبر کا اطلاق شرک ہے اور اگر قوم کے سردار پر اکبر القوم کے اعتبار سے بولا جائے تو یہ کوئی شرک نہیں۔ مگر فرق مراتب نہ کئی زندگی۔

۱۱..... محمد بن اسحاق کے بارہ میں آخری فیصلہ بندہ نے نمبر ۸ میں لکھ دیا ہے ان پر صرف تہ لیس کا الزام نہیں کہ صرف تہ لیس کی اقسام سے اس کا حکم بیان کیا جائے بلکہ اس پر تشبیح اور منکر تقدیر ہونے اور مرغ باز وغیرہ جیسے اور بھی الزام ہیں جو تقریب اور تہذیب وغیرہ میں منقول ہیں اور یہ بات بھی یاد رہے کہ تہ لیس کی تعریف اور اس کی اقسام خدا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ نہیں بلکہ امتیوں کے اصطلاحی امور ہیں جو لوگ یہ غور لگاتے ہی ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ کسی امتی کے قول کو ماننا شرک سمجھتے ہیں تو وہ تو ان اقسام کو تسلیم کر کے مشرک بن جائیں گے۔

فائدہ:..... یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ کسی روایت یا راوی کے صحیح یا ضعیف ہونے کے اصول مخصوص نہیں بلکہ اجتہادی ہیں اس لئے غیر مقلد جو صرف قرآن و حدیث کے دلیل ہونے کا مدعی ہے وہ کسی حدیث یا راوی کو صحیح یا ضعیف نہیں کہہ سکتا ہم چونکہ اجماع اور قیاس مجتہد کے محبت ہونے کے بھی قابل ہیں تو ہم جس روایت یا راوی کی محبت پر امت کا

اجماع ہوا اس کو دین اجماع سے صحیح کہیں گے اور جس روایت یا راوی میں ائمہ کا اختلاف ہو تو ہم اپنے امام صاحب کے اصول کے مطابق اس راوی یا روایت کو صحیح یا ضعیف کہیں گے۔ اس کے خلاف کسی امام کا قول بھی ہمارے لئے حجت نہیں ہوگا چہ جائیکہ کہ ابن حجر جیسے مقلد کی رائے ہمارے سامنے پیش کی جائے۔

۱۲..... بریلوی جو عبارات پر اعتراضات کرتے ہیں ان کے لئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ فرمائیں.....

(۱) المہند علی المہند معروف بہ عقائد علمائے دیوبند (۲) سیف یمانی فتوحات نعمانی اگر مل جائے تو اس میں مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کے سارے مناظرے آجائیں گے۔
(۳) مجموعہ رسائل سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری ۲ جلدیں (۴) مقامع الحدید (۵) براہین قاطعہ (۶) عبارات اکابر (۷) اشہاب الثاقب (۸) الجند لائل السنہ (۹) مطالعہ بریلویت۔

عیسائیت کی تردید کے لئے..... (۱) پائیل سے قرآن تک (۲) اعجاز عیسوی (۳) رساں مولانا عبداللطیف مسعود اسکہ شائع کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت (۴) کتب مولانا بشیر احمد حسینی شکر کوٹ (۵) تریاق اکبر بزبان سفدر (۶) مقدمہ انجیل برہاس شائع شدہ در تجلیات سفدر (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

۱۳..... آپ نے مجھے دور حاضر کے بعض غیر مقلدین کی کتب کے مطالعہ کی ترغیب دی ہے بندہ آپ کے مبلغ علم سے اچھی طرح واقف نہیں البتہ آپ کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان غیر مقلدین کے دسواں سے کچھ مرعوب ہیں اس لئے بندہ آپ کو اور تمام اہلسنت والجماعت عوام ترغیب نہیں بلکہ تاکید کرتا ہے کہ جس طرح کسی ماہر ڈاکٹر کے مشورہ کے بغیر کوئی دوا نہیں کھاتے کیونکہ اس میں جان کا خطرہ ہے اسی طرح آپ بغیر کسی ماہر عالم کے ہر لٹریچر نہ پڑھیں کیونکہ اس میں ایمان کا خطرہ ہے۔ آج پندرہویں صدی میں کوئی نیا

حکیم نازل نہیں ہوا کہ اس کی اب تحقیق کی ضرورت ہو پہلے بزرگوں میں علم کی جستجو اور امانت و دیانت آج کے لوگوں سے زیادہ تھی اور ان کی تحقیق پر پوری امت کو اتنا دبا ہے ان کی اتباع میں بڑے بڑے اولیاء، محدثین اور فقہاء پیدا ہوئے، بخلاف آج کے محققین کے جن کی نہ اصول کی کتاب ہے اور نہ ہی کوئی فروع کی کتاب اپنے مدارس میں قدوری اور ہدایہ پڑھاتے ہیں اور فقہائے احناف کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں اور پھر ان کو مشرک بھی کہتے ہیں اگر انہوں نے کوئی فقہ کی کتاب مثلاً الروضۃ الندیہ یا نزل الابرار، کنز الحقائق، عرف الجادی، ہدیۃ المہدی لکھی تو انہوں نے اپنی کتب کو اپنے مدارس میں داخل نصاب نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہؒ جن کی امامت پر اتفاق ہے سے لوگوں کو متنفر کرتے ہیں اور اپنی جماعت کے اس مولوی کی کتاب پڑھواتے ہیں جن کو ان کی اپنی جماعت فقیر تو کیا مسلمان ماننے کے لئے بھی تیار نہیں جو اس علاقے کی متواتر فقہ ہے اس کو چھڑوا کر اپنے توہمات کے پیچھے لگاتے ہیں۔ امانت و دیانت کا یہ حال ہے قرآن کی آیت اور حدیث پوری نہیں لکھیں گے بلکہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق بعض تحریر کریں گے یا شاید روایت کا انتخاب کریں گے اور عملی تو اثر والی آیات اور احادیث کو چھوڑ دیں گے اور اپنے اس غلط انتخاب کو اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کہیں گے یعنی ہر جاہل خدا یا رسول ہونے کا دعویٰ کرے گا تو ایسے توہمات کو پڑھنے کی بجائے اپنے اکابر کی علمی تحقیق پر اعتماد میں سلامتی ہے۔

اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔ آمین!

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

سیدنا امام ابوحنیفہؒ کا اسم گرامی نعمان اور والد کا نام ثابت ہے آپ کی کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم ہے، آپ کے سن ولادت میں مختلف اقوال ہیں زیادہ مشہور قول ۸۰ھ ہے خطیب بغدادی نے زواد بن علیہ سے ۶۱ھ سن پیدائش نقل کیا ہے۔ ابن حجر، ابن طولون اور ابن جوزی نے امام صاحب کی بعض ایسے صحابہ کرام سے بلا واسطہ روایات نقل کی ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۱ھ تسلیم کی جائے کیونکہ اس کے بغیر ان صحابہ کرام سے بلا واسطہ روایات ممکن نہیں بنتیں۔ ابن حبان نے آپ کا سن ولادت ۶۰ھ ذکر کیا ہے۔ ابو القاسم سمنانی خطیب بغدادی کے جمعہ نے آپ کی ولادت کے بارہ میں ۶۰ھ اور ۸۰ھ دو قول نقل کیے ہیں۔ حافظ عبدالقادر القرشی نے جوہر المصنف میں ۶۱ھ، ۶۳ھ اور ۸۰ھ کی تین روایات نقل ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی نے ۶۱ھ، ۶۰ھ اور ۸۰ھ کی تین روایات نقل کی ہیں۔ علامہ زاہد الکوثرؒ فرماتے ہیں کہ ولادت کے بارہ میں جو ۸۰ھ کی شہرت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی ولادت مدین تارخ رجال کے زمانہ سے پہلے ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ولادت میں احداث التواریخ اور وفات میں اقدم التواریخ کو لیا جائے تاکہ روایات کے اتصال وانقطاع میں احتیاط پر عمل ہو سکے۔ لیکن یہ قیاس وہاں چلے گا جہاں کسی روایت کے وجود ترجیح نہ پائے جائیں اور یہاں ۸۰ھ کو سن ولادت قرار دینے کے خلاف بہت سے قرآن ہیں جو ۸۰ھ والے قول کو خدوش کرتے ہیں۔

(۱) ابو عبد اللہ محمد بن الخلد الطار متوفی ۳۳۱ھ (جو دار قطنی کے اساتذہ میں سے بڑے حافظ

اور فائق ہیں) نے اپنی کتاب مارواہ الاکابر بن مالک میں امام ابوحنیفہ کے صاحبزادے کو ان اکابر میں شمار کیا ہے جنہوں نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے۔ تو ابن مخلد کا حواد کو اکابر بن مالک سے شمار کرنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ان کی ولادت امام مالک سے پہلے ہوتی ہو اگر امام ابوحنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں مانیں تو حضرت حواد امام مالک کے اکابر بن مالک میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (۲) عقیلی نے حواد بن ابی سلیمان کے ترجمہ میں یہ بات ذکر کی ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات پر اہل کوفہ میں سے پانچ آدمی جن میں عمر بن قیس اور ابوحنیفہ بھی تھے انہوں نے چالیس ہزار روہم اکٹھے کر کے حواد بن سلیمان کو دیکر مسند علم پر بٹھایا۔ حضرت ابراہیمؒ ۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ چند روزہ سال کی عمر میں کوئی شخص ایسا اہتمام نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت امام ابوحنیفہ کی عمر کافی بڑی تھی جس میں یہ مسند علم کا اہتمام کیا۔

بشارات:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی و آخرین منہم لسانہم حقلو ابہم تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کون لوگ ہیں تو حضور ﷺ نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ تین دفعہ سوال کیا اور ہمارے درمیان سلمان فارسی بھی تھے، حضور ﷺ نے حضرت سلمان پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر فرمایا کہ اگر ایمان ٹریا ستاروں تک پہنچ جائے تو ان میں سے چند آدمی یا فرمایا کہ ایک آدمی اس کو حاصل کر لے گا۔ شیخ جلال سیوطی وغیرہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ النعمان ہیں (تفسیر عثمانی ص ۲۲) چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ عمیش الصحیفہ مناقب الامام ابی حنیفہ میں ذکر تفسیر النبی ﷺ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ یہ بات حقیقی ہے کہ حضور ﷺ نے امام ابوحنیفہ کی اس حدیث میں بشارت دی ہے جس کو ابوجعیم نے علیہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے

کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ٹریا ستاروں تک پہنچ جائے تو فارس کے لوگوں میں سے کچھ لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔ اور شیرازی نے القاب میں قیس بن سعد بن عبادہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ٹریا ستاروں سے مطلق ہو تو ایسے فارس میں سے ایک قوم اس کو حاصل کر لے گی۔ پھر سیوطی حضرت ابن مسعود سے بھی یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ صحیح اصل ہے، جس پر امام صاحب کی بشارت اور فضیلت پر اعتماد کیا جاتا ہے (عمیش الصحیفہ ملخصاً ص ۲۱۰، ۲۰) علامہ علاء الدین محمد بن علی الحسکلی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو مجھ پر فخر ہے اور مجھے میری امت کے ایک شخص پر فخر ہے جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہے وہ میری امت کا چراغ ہے۔ اور حضور ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ سارے نبی مجھ پر فخر کرتے ہیں اور میں ابوحنیفہ پر فخر کرتا ہوں۔ جو اس سے محبت کرے گا اس نے مجھ سے محبت کی اور جو اس سے بغض رکھے گا اس نے مجھ سے بغض رکھا شرح مقدمہ ابی اللیث کے دیباچہ میں اسی طرح ہے (قاضی ابوالبقاع نے) انصیاء المغوی میں فرمایا کہ ابن جوزی کا اس حدیث کو موضوع کہنا تعصب ہے، کیونکہ یہ مختلف سندوں سے نقل کی گئی ہے (الدر المنثور مع الثانی ص ۵۳، ۵۴ ج ۱)

ابن حجر کئی نے ان روایات پر کچھ کلام نقل کیا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ان روایات میں سے جو امام ابوحنیفہ کی عظمت شان پر دلالت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں وہ حدیث بھی ہے، کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ۱۵۰ سال میں دنیا کی زینت اٹھ جائے گی اسی وجہ سے شمس الاممہ کروری نے فرمایا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر محمول ہے کیونکہ ان کی وفات اسی سال ہوئی ہے (الخیرات الحسان ص ۳۳) موفق بن احمد کئی متوفی ۵۶۸ھ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا عنقریب ایک شخص نعمان بن ثابت پیدا ہوگا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری امت کو زندہ

کریگا۔ (مناقب موفق ص ۱۲) ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ایک شخص ظاہر ہوگا جو ابوحنیفہ سے معروف ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر میری سنت کو زندہ کرے گا (مناقب موفق ص ۱۳ ج ۱) ابن ابیہیجہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی ہر صدی میں کچھ لوگ سبقت لے جانے والے ہیں ابوحنیفہ اپنے زمانے میں سبقت لے جانے والا ہے (مناقب موفق ص ۱۶ ج ۱)

ابن احمد بن محمد بن نعیم فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کو اکھیر کر آپ کی ہڈیوں کو اپنے سینے کے ساتھ لگا رہے ہیں تو اس خواب نے آپ کو خوفزدہ کر دیا آپ نے بصرہ جا کر محمد بن سیرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو ابن سیرین نے کہا یہ خواب تیری نہیں یہ خواب تو ابوحنیفہ کی ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں ابوحنیفہ ہوں تو انہوں نے کہا کہ اپنی پشت سے کپڑا اٹھا آپ نے کپڑا اٹھایا تو ابن سیرین نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک تل دیکھا پھر ابن سیرین نے ان سے فرمایا کہ تو وہ ابوحنیفہ ہے کہ جس کے بارہ میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو ابوحنیفہ کہا جائیگا۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان تل ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر سنت کو زندہ کریگا۔ (مناقب موفق ص ۱۶ ج ۱) عبدالکریم بن مسعر فرماتے ہیں کہ میں نے اہل علم کی ایک جماعت کو فرماتے سنا ہے کہ تو رات میں کعب احبار نعمان بن ثابت اور مقاتل بن سلیمان کی صفات مذکور ہیں۔ یحییٰ قسری فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن سائب کلبی کو امام صاحب کی بہت تعریف کرتے سنا ہے اور وہ ذکر کرتے تھے کہ میں نے ان کی صفات کو بعض کتب میں پایا ہے اور یہ کہ وہ حکمت سے اس طرح پر ہوں گے جیسے انارہ انوں سے پر ہوتا ہے (موفق ص ۱۷ ج ۱) کعب احبار سے ہے کہ میں ہر ہر زمانے کے علماء اور فقہاء کے نام صفات اور نسب لکھے پاتا ہوں اور میں ایک شخص کا نام نعمان بن ثابت پاتا ہوں جس کی کثیت

ابوحنیفہ ہوگی میں اس کی علم، فقہ، علم، عبادت، اور زہد میں بڑی عظیم شان پاتا ہوں وہ اپنے زمانے کے اپنے جیسے علماء کا سردار ہوگا وہ ان میں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا اس کی زندگی اور موت دونوں قابل رشک ہوں گی (موفق ص ۱۷ ج ۱) حضرت عبد اللہ بن مفضل نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سنا فرماتے تھے کہ میں تمہیں کوٹا جو تمہارے اس شہر کو فدی کی سر زمین سے ہے کے ایک آدمی کی خبر دوں جس کی کثیت ابوحنیفہ ہوگی اس کا دل علم و علم سے بھرا ہوگا اور اس کی وجہ سے آخر زمانے میں ایک قوم ہلاک ہوگی جن میں باہمی عیب لگانا غالب ہوگا ان کو بنانا یہ کہا جائے گا۔ وہ ایسے ہی ہلاک ہوں گے جیسے روافض ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں (موفق ص ۱۸ ج ۱)

شماک ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد تمام خراساں پر ایک چودھویں رات کے چاند جیسا شخص پیدا ہوگا جس کی کثیت ابوحنیفہ ہوگی (موفق ص ۱۸ ج ۱) حضرت حماد فرماتے ہیں کہ میں حضرت حماد کے پاس تھا کہ ان کے پاس ابوحنیفہ آئے تو حضرت حماد نے ان سے کہا کہ اے ابوحنیفہ تو وہی نعمان ہے جس کا تذکرہ ہم سے ابراہیم نے کیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس زمانے کو سیراب کرے جس میں ایک نعمان نامی شخص ہوگا جس کی کثیت ابوحنیفہ ہوگی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو زندہ کرے گا اور وہ احکام اس کے بعد جب تک اسلام باقی رہے گا جاری رہیں گے۔ جو شخص ان احکام کو لے کر عمل کریگا وہ ہلاک نہیں ہوگا۔ اگر تیری اس سے ملاقات ہو جائے تو اس کو میرا سلام کہنا (موفق ص ۱۹، ۱۸ ج ۱) حضرت شماک ابن عباس سے نقل فرماتے ہیں کہ اچھی رائے یہی ہے کہ اس رائے والا اس کے مطابق فتویٰ دے سکے اور تحقیق ہمارے بعد ایک ایسی رائے ہوگی جو باطل سے پھر کر حق کی طرف آئی ہوگی وہ اسلام کے باقی رہنے تک احکام کو جاری کرے گی اور تحقیق وہ ہماری رائے اور ہمارے احکام کی طرح ہوگی۔ اس رائے کے قائم

کر نوالے کو نعمان بن ثابت کہا جائے گا اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی وہ کوفہ والوں میں سے ہوگا
اسلام اور فقہ میں کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنے والا ہوگا۔ احکام کو صحیح طریقوں پر جاری
کرے گا۔ دین حنیف اور اچھی رائے والا ہوگا۔ (موفقی ص ۱۹ ج ۱) حضرت عبداللہ بن
مبارک سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دادا اقیس بن مرزبان بیت المقدس میں کعب احبار
کے پاس سے گزرے تو کعب احبار نے کہا کہ جو شخص کعب احبار کو دیکھ کر
لے تو کعب احبار کے شاگردوں میں سے ایک شخص اس کی طرف انہما اور اس کو آواز دی تو
کعب احبار نے اس سے پوچھا کیا تو عراقی ہے؟ تو اس نے کہا ہاں تو انہوں نے پوچھا کس شہر
سے ہے؟ تو اس نے کہا کوفہ سے۔ کعب احبار نے پوچھا قاری النسل ہے انہوں نے کہا ہاں۔
کعب احبار نے پوچھا خلیفہ نصر کی اولاد سے ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ کعب احبار نے کہا
تیری اولاد میں ایسی ایسی صفحات اور ایسی ایسی خوبیوں والا کوئی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو
کعب احبار نے کہا کہ معترب تمہاری اولاد میں ایسا شخص پیدا ہوگا جو زمین کو علم سے بھر دے
گا۔ جیسا کہ تیرے باپ (بخت نصر) نے زمین کو ظلم و کفر سے بھر دیا تھا (مقدمہ کتاب التعليم
ص ۱۱) ابوہلی جانی نے مبتدا کتاب میں ابن المقفع سے ایک طویل حکایت میں ذکر کیا ہے
کہ بخت نصر نے خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک بہت بڑا پتھر ایک ایسے درخت پر گرا جس کا
تنا سونے کا اور شاخیں چاندی تھیں، تانے، بانے اور قلعی کی ہیں۔ اس پتھر نے اس درخت کو ریزہ
ریزہ کر دیا صرف اس کا ایک پتہ سبز رہ گیا وہ پتا کچھ زمانہ کے بعد روئے زمین پر پھیل گیا اور
شرفا اور عوام اس کے سایہ میں ہیں اور اس کے ساتھ ایسے چمٹے ہوئے ہیں جیسے کینرے
درخت کے پتوں سے چمٹے ہوتے ہیں۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر یہ
دی کہ پتھر وہ نبی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ہیں جو ملک فارس پر غلبہ کریں گے۔ اور ان کے
مختلف طبقات کو مغلوب کریں گے اور اس بخت نصر کی اولاد میں سے ایک شخص اس نبی کے

دین کو قبول کرے گا اور وہ اس نبی کی امت کا نقیب ہوگا روئے زمین کے لوگ اس کی اتباع
کریں گے اور قیامت قائم ہونے تک اشراف اس کی اتباع میں رہیں گے۔ بخت نصر نے یہ
تعبیر سن کر کہا کہ پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں (مقدمہ کتاب التعليم ص ۱۱۸، ۱۱۷)
نوٹ: امام اعظم ابوحنیفہ بخت نصر کی اولاد میں سے ہیں۔ ساتویں صدی ہجری کے بزرگ
مسعود بن شیبہ سندھی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اطلب العلم وادب الصین (علم طلب
کرہ اگر چہ چین میں ہو) اور چین میں صرف امام ابوحنیفہ کا علم آیا ہے۔ کیونکہ اس میں فقہ
حنفی کے علاوہ اور کوئی فقہ نہیں اور چین میں اسلام غالب ہو گیا ہے اور اس میں مساجد اور
مدارس بن چکے ہیں اور وہاں کے لوگوں نے سامانیوں اور سیاریوں کے زمانہ میں بہت سے
علوم شرعیہ میں تصانیف لکھی ہیں (مقدمہ کتاب التعليم ص ۱۰۶، ۱۰۵) امام ابوحنیفہ کے پوتے
اسامیل بن حماد نے ایک لمبی بات میں یہ فرمایا کہ (امام صاحب کے والد) بیت کو حضرت علی
بن ابی طالب کی خدمت میں بچپن میں لایا گیا تو حضرت علیؑ نے انہیں اور ان کی اولاد میں
برکت کی دعا فرمائی۔ اسامیل فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے بارہ میں حضرت علیؑ کی دعا
کی قبولیت کی امید رکھتے ہیں۔ ابو عبد اللہ احمد بن کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کی
دعا کو قبول فرمایا کہ زمین کے خلفاء اور جہانوں کے بادشاہ اور اکثر مسلمانوں کو دین میں ان
کے تابع کر دیا اور فقہ میں ان کے محتاج بنا دیا (مقدمہ کتاب التعليم ص ۱۱)



بشکریہ ماہنامہ "میلہ" فیصل آباد

فضائل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

امام ابوحنیفہؒ کی تابعیت:

شیخ الاسلام ابن حجر کے فتاویٰ میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو اپنی ۸۰ء کی پیدائش کے بعد کوفہ میں پایا ہے۔ پس ۹۰ء تابعین میں سے ہیں اور یہ فضیلت امام صاحب کے بمعصرتاً تمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں۔ جیسے شام میں امام اوزاعی اور بصرہ میں دو تہاد اور کوفہ میں ثوری اور مدینہ شریف میں امام مالک اور مصر میں لیث بن سعد وغیرہ (الخیرات الحسان مصنفہ ابن حجر کی ص ۴۸)

واضح رہے کہ ابن حجر کی شافعی نے الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ العمان نامی کتاب میں چھٹی فصل کا عنوان یہ دیا ہے کہ ان صحابہ کے ذکر میں جن کو امام ابوحنیفہؒ نے پایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ جیسا علامہ ذہبی نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے سچپن میں حضرت انسؓ کو دیکھا ہے صحیح ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت انسؓ کو کئی مرتبہ دیکھا وہ ہندی کا خضاب لگاتے تھے (الخیرات الحسان ص ۴) ابن حجر کی فرماتے ہیں کہ جب امام صاحب نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا ہے تو اس وقت وہ ان تابعین کی جماعت میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ کا قول۔

”والذین اتبعوہم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوعنہ واعدلہم جنات تجری تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدان ذالک الفوز العظیم“ شامل ہے۔

یعنی امام صاحبؒ سابقین اولین مہاجرین و انصار کی بھائی میں اتباع کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے

ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۴۸)

علامہ صمیری متوفی ۳۳۶ھ من لقی ابوحنیفہ من الصحابة رضی اللہ عنہم و مارواہ عنہم کے عنوان میں قاضی ابو یوسف تک اپنی سند متصل سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے سولہ سال کی عمر میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا تو اچانک ایک شیخ کے پاس پہنچے جن کے پاس کافی ہجوم تھا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ کون شخص ہے انہوں نے کہا کہ یہ حضرت محمدؐ کے صحابی ہیں جن کو عبد اللہ بن الحارث بن جزمہ کہا جاتا ہے۔ تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا ان کے پاس کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے نبیؐ سے سنی ہیں میں نے کہا مجھے آگے بکھینے میں بھی آپ سے احادیث سنوں تو میرے والد مکرم میرے آگے چلے لوگوں کو مجھ سے ہٹا کر کشادگی کرتے تھے یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ تو میں نے ان کو سنا فرما رہے تھے کہ میں نے حضور اکو یہ فرماتے سنا کہ ”من تفقہ فی دین اللہ کفاه اللہ ہمہ و رزقہ من حیث لا یحسب“ (یعنی جو اللہ کے دین میں تقابرت حاصل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے غم میں اس کو کفایت کریں گے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی عطا فرمائیں گے جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا)

دوسری روایت بھی اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے نبیؐ کو سنا فرماتے تھے کہ خیر پر دلالت کرنے والا بھی اس خیر کے کرنیوالے کی طرح (اجر میں شریک) ہے اور اللہ تعالیٰ غمزدہ کی مدد کو پسند فرماتے ہیں (اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۴)

پھر علامہ صمیری فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر ہلال نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے صحابہ میں سے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ اور ابو لطفیل عامر بن واثلہ کو بھی پایا ہے اور وہ دونوں صحابی

ہیں اور پھر اپنی سند سے ابوحنیفہ سے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ایک سال بچپاس میں وصال فرمایا اور آپ نے حضرت انس بن مالک کو بچپانوں سے دیکھا اور ان سے حدیث بھی سنی۔ (مناقب ابی حنیفہ و صاحبہ ص ۳)

اور پھر سند متصل سے امام صاحب سے نقل فرماتے ہیں کہ ہمارے (کوئٹہ کے) سب علماء یہی کہتے ہیں کہ سو کے دونوں جدے سلام کے بعد ہوں گے اور ان میں التحیات پڑھ کر سلام پھیرا جائے گا۔ حماد بن ابی سلیمان نے فرمایا کہ حضرت انس اسی طرح فتویٰ دیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔

نیز علامہ صمیری نے اپنی سند متصل سے امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ گویا میں ابوقحافہ (والد گرامی حضرت صدیق اکبر) کی ڈاڑھی کو دیکھتا ہوں کہ وہ عرب اور رخت کے پنگارے کی طرح تھی (اخبار ابی حنیفہ و صاحبہ ص ۵) علامہ موفق بن احمد انکی متوفی ۶۸ھ اپنی کتاب مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ میں اپنی سند متصل سے ذکر فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے انس بن مالک کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا (مناقب موفق ص ۲۵ ج ۱)

نیز علامہ موفق اپنی سند متصل سے امام ابوحنیفہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے سنا کہ حضور فرماتے تھے کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ مجھے جابر بن عبد اللہ کے واسطے سے روایت پہنچی کہ ایک انصاری صحابی حضور کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول امیرے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تو حضور نے فرمایا کہ تو کثرت صدقہ اور کثرت استغفار سے دور ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرماتے ہیں۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ اس شخص نے صدقہ اور استغفار کثرت سے شروع کیا حضرت جابر فرماتے ہیں کہ اس کے نولہ کے

ہوئے۔ علامہ موفق فرماتے ہیں کہ یہ روایت عن سے ہے اس کے متصل نہیں اور حضرت جابر سے امام ابوحنیفہ کی ملاقات بھی نہیں۔ اس بات پر اشکال اس وقت ہوگا جب کہ قول مشہور کی بنا پر امام صاحب کی پیدائش ۸۰ھ مانی جائے مگر علامہ زہد الکوشری کے بقول اگر پیدائش ۷۷ھ مانی جائے تو اس حدیث کے متصل ہونے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اور ظاہر بھی یہی ہے۔ کیونکہ حضرت جابر سے ملاقات تو بہت سے حضرات نے نقل کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ عبد اللہ بن عبد الصمد الطحیری المقری الشافعی ایک بڑا ان روایات کے بارہ میں لکھا ہے جن کو امام ابوحنیفہ نے صحابہ کرام سے (بلا واسطہ نقل کیا ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کے صحابہ کرام میں سے سات سے ملاقات کی ہے اور وہ (۱) انس بن مالک (۲) عبد اللہ بن جابر الزبیدی (۳) جابر بن عبد اللہ (۴) معقل بن یسار (۵) داؤد بن الاسود (۶) عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم ہیں (تہذیب السنی ص ۲۲۲)

اس میں عبد اللہ بن انس کا ذکر وہ کیا ہے کافی الحاشیہ اس میں حضرت جابر کو دیکھنے کی خود امام صاحب نے تصریح فرمائی ہے۔ اسی طرح ابوالکارم عبد اللہ بن حسین نیشاپوری اپنی سند سے ابوالعلاء سے نقل فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے حضور کے صحابہ کرام میں سے سات سے ملاقات کی اور ان میں سے ہر ایک سے حدیث سنی۔ پھر ان صحابہ کرام کی احادیث ذکر کرتے ہوئے پانچویں نمبر پر فرمایا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے ملاقات کی تو میں نے ان کو سنا فرما رہے تھے کہ ہم نے رسول اکرم سے آپ کا حکم سن کر اطاعت کرنے پر اور ہر مسلمان مرد اور عورت کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی (الرسائل الثلاثہ الحدیثہ ص ۱۷۰) اس میں بھی عن سے ارسال والے الفاظ نہیں بلکہ ملاقات کی تصریح ہے اور محمد بن احمد السراج الحنفی کی رباعی بھی ہے۔ ابو حنیفہ زین التابعین روی عن جابر وابن حذافہ والرضی السنہ ومعقل وحرثی ووائلہ و بنت عمرد علم

الطیبین قبس (عقود الجمان ص ۵۳)

ان تمام اقوال کا تقاضا یہی ہے کہ بجائے مذکورہ روایت کو ضعیف قرار دینے کے امام صاحب کے پیدائش والے عرصے والے قول کو راجح سمجھا جائے تو کوئی اشکال نہ رہے گا اور اگر قول مشہور کو لیا جائے تو حضرت جابرؓ کی روایت مرسل ہوگی مگر امام صاحبؒ کی تابعیت میں پھر بھی فرق نہیں آئے گا۔ علامہ متوفی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا۔

آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس آدمی نے مسجد کی تعمیر کی اگرچہ سنگ خوار کے گزارے کے برابر ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں محل بنا دیں گے۔ (مناقب متوفی ص ۳۰ ج ۱) یہ صحابی عبد اللہ بن ابی اوفیٰ ۷۸ھ میں کوفہ میں سب سے آخری فوت ہونے والے صحابی ہیں۔ نیز علامہ متوفی اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور عبد اللہ بن ابی اوفیٰ ۹۳ھ میں تشریف لائے۔ میں پچوہ سال کی عمر میں ان سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا فرماتے تھے کہ ربک الشیء بعسی و بعسم (تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اللہ ہا اور بہرا بنا دیتا ہے) یعنی اپنے محبوب کے بارہ میں نہ کسی عیب کو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے (مناقب متوفی ص ۳۰) متوفی کی سند سے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے واثلہ بن الاسقع کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا فرماتے تھے:

”لا تظہرون شمانۃ لاسحاک فی عافیہ اللہ ویتلیک“

یعنی اپنے مسلمان بھائی کی مصیبت پر اظہارِ خوشی نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو عافیت دے گا اور تجھے اس میں مبتلا کرنے کا (مناقب متوفی ص ۳۰ ج ۱)

نیز اپنی سند سے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا مجھ سے واثلہ بن الاسقع نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”دع ما یوبک الی ما لا یوبک“ (یعنی جو چیز تجھے شک میں ڈالے اس کو چھوڑ کر اس چیز کی طرف جا جو تجھے شک میں نہ ڈالے) (مناقب متوفی ص ۳۰ ج ۱)

ص ۳۱) نیز فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عائشہ بنت جحش سے سنا فرماتی تھیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ

”اکثر حسد اللہ فی الارض المحرادلأکلہ ولاحرمة“ (یعنی زمین میں اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر بکڑی ہے نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں) (مناقب متوفی ص ۳۱)

علامہ کروریؒ متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں کہ ”امام شہر داؤد بن شہر ویہ اور برہان الاسلام غزنویؒ نے اپنی اسانید صحیحہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انسؓ کو سنا فرماتے تھے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا فرماتے تھے کہ جو آدمی دل کے اخلاص سے لالہ اللہ پڑھے وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا اس پر توکل کرنے کا ہے تو تمہیں ایسی روزی دی جائے جیسے پرندے کو روزی دی جاتی ہے صبح سویرے وہ خالی پیٹ نکلتا ہے اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتا ہے۔

(مناقب کروری مع المتوفی ص ۶ ج ۱)

ابو الحسن عبد اللہ بن ابی الکلام اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے عبد اللہ بن انیسؓ سے ملاقات کی میں نے ان کو سنا فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت کے دروازہ پر تین سطرین سونے کے پانی سے نہیں بلکہ خالص سونے سے لکھی دیکھیں پہلی سطر

”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“

دوسری سطر ”الامام ضامن و المؤمن ضامن اور مؤمن امن ہے) فارشد اللہ الآتمة و غفر للمؤمنین (اللہ تعالیٰ لاسول کی رہنمائی فرمائیں اور مؤمنوں کی بخشش فرمائیں) اور تیسری سطر ”وحدنا ما عملنا بحتنا ما قدنا ما حسرنا ما خلفنا قدنا علی رب غفور (یعنی ہر چھوٹے بڑے عمل کے اجر کو ہم نے پالیا اور جو مال آگے ذخیرہ آخرت کیا تھا اس میں

ہم نے نفع حاصل کیا اور جو مال ہم نے بیچے دینا میں چھوڑا اس میں خسار اٹھایا ہم پر وہ پوشی کرنے والے پروردگار کے پاس آئے ہیں (الرسائل النکاحیہ ص ۱۷۰) نیز امام صاحب فرماتے ہیں کہ میری ملاقات معتزل بن یسار مرقی سے ہوئی۔ میں نے ان کو سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا فرماتے تھے

علامة المومن ثلاث اذقال صدق و اذاد عدو فی و اذا اتعن لم یخن

(یعنی مومن کی تین علامتیں ہیں جب بات کرے گا تو سچ بولے گا اور جب وعدہ کرے گا تو پورا کرے گا اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت نہیں کرے گا) (الرسائل النکاحیہ الحدیثیہ ص ۱۷۰) نیز امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے واہلہ بن الاسقع سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا یظن احدکم ان یتقرب الی اللہ باقرب من ہذہ التکعات یعنی الصلوٰات الخمس

(تیم میں سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب ان پانچ نمازوں سے زیادہ قریب کرنے والے چیز سے حاصل کرے گا) (الرسائل النکاحیہ الحدیثیہ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین ص ۱۷۰) ابن حجر کئی فرماتے ہیں کہ علامہ یعنی وغیرہ جو صحابہ کرام سے امام صاحب کے سامع

کے قائل ہیں وہ روایات کو متصل مانتے ہیں اور جو ملاقات کے قائل نہیں وہ ان روایات کو منقطع کہتے ہیں اور محدثین کا اصول یہ ہے کہ اتصال کا راوی انقطاع کے راوی پر مقدم ہو گا۔ کیونکہ اس کے پاس علم کی زیادتی ہے (الخیرات الحسان ص ۵۵)

مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے ۲۳ صحابہ کرام کا زبانتہ پایا ہے اور ان کے نام بھی تحریر فرمائے ہیں۔



بشکر یہ ماہنامہ ”علیہ“ فیصل آباد

امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت

اور ان کے

حیرت انگیز واقعات

حکایت نمبر ۱: علامہ گردوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف سخت بیمار ہو گئے۔ امام ابوحنیفہؒ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو امام صاحب نے فرمایا

کہ میں اپنے بعد تجھ سے مسلمانوں کے نفع کی بڑی امید رکھتا تھا، اگر تو فوت ہو گیا تو بہت سائل فوت ہو جائے گا۔ جب قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تندرست ہوئے تو اپنی املاء مسائل کی مجلس علیہ منعقد کر لی اور اپنے اساتذہ امام عظیم ابوحنیفہؒ کو اطلاع نہیں کی تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک شخص کو بھیجا، اس نے امام ابو یوسفؒ سے پانچ مسئلے پوچھے۔

مسئلہ نمبر ۱: کسی شخص نے دھوبی کو دھونے کے لئے کپڑا دیا۔ دھوبی

نے انکار کر دیا کہ تو نے مجھے کوئی کپڑا نہیں دیا۔ اس انکار کے کچھ وقت بعد دھوبی نے وہ دھلا ہوا کپڑا مالک کو واپس کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں دھوبی دھلائی کی اجرت کا مستحق ہو گا یا نہیں؟ قاضی ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ اجرت کا مستحق نہیں ہو گا۔ اس شخص نے کہا کہ یہ مسئلہ غلط ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے دوبارہ کچھ سوچ کر فرمایا کہ دھوبی اجرت کا مستحق ہو گا۔

اس شخص نے کہا کہ یہ بھی غلط ہے، پھر اس آدمی نے بتایا کہ اگر دھوبی نے کپڑے کا انکار کرنے سے پہلے اسے دھویا تھا تو اجرت کا مستحق ہو گا اور اگر انکار کرنے کے بعد دھویا تو

(غاصب بن گراچی ذات کے لئے دھویا) لہذا اجرت کا مستحق نہیں ہو گا۔

مسئلہ نمبر ۲:..... اس نے پوچھا کہ نماز کے اندر دخول فرض کے ساتھ ہوتا ہے یا سنت کے ساتھ؟ تو قاضی صاحب نے فرمایا فرض کے ساتھ۔ اس شخص نے کہا کہ غلط ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ سنت کے ساتھ، تو بھی اس شخص نے کہا، غلط ہے۔ قاضی صاحب حیران ہوئے تو اس شخص نے بتایا کہ فرض اور سنت دونوں کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہے کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض اور رفع یدین سنت ہے۔

مسئلہ نمبر ۳:..... اس شخص نے پوچھا کہ ایک پرندہ آگ پر چڑھی ہوئی اس ہنڈیا میں گر گیا جس میں گوشت اور شوربا تھا، آیا گوشت اور شوربا کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ نہیں، کھائے جائے سکتے ہیں، تو اس شخص نے کہا غلط ہے۔ پھر قاضی صاحب نے فرمایا نہیں کھائے جائیں گے تو اس شخص نے کہا غلط ہے۔ پھر اس شخص نے بتایا کہ اگر پرندہ گوشت پکنے کے بعد گرا ہے تو گوشت کو تین دفعہ دھو کر استعمال کیا جا سکتا ہے اور شوربا گرا دیا جائے گا اور اگر گوشت پکنے سے پہلے گرا تھا تو پوری ہنڈیا گرا دی جائے گی۔

مسئلہ نمبر ۴:..... اس شخص نے پوچھا ایک مسلمان کی ذمیہ (اسلامی حکومت کے تحت رہنے والی عیسائی یا یہودیہ) یہودی حاملہ ہونے کی صورت میں فوت ہوگئی اور حمل مسلمان کا ہے، اس کو کس قبرستان میں دفن کیا جائے گا؟ امام ابو یوسف نے فرمایا مسلمانوں کے قبرستان میں (بچے کے مسلمان ہونے کی وجہ سے) اس شخص نے کہا کہ آپ نے غلطی کی تو قاضی ابو یوسف نے فرمایا کہ ذمیوں کے قبرستان میں (عورت کے ذمی ہونے کی وجہ سے) اس شخص نے کہا آپ نے غلط جواب دیا تو امام ابو یوسف حیران ہوئے تو اس شخص نے کہا کہ اس کو یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا لیکن اس کا چہرہ قبلہ سے پھیر دیا جائے گا تاکہ بچے کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے اس لئے کہ پیٹ میں بچے کا چہرہ اپنی ماں کی پشت کی طرف ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۵:..... کسی آدمی کی "ام ولد" نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر

لیا، پھر آقا مر گیا تو اس ام ولد کو آقا کی عدت گزارنی پڑے گی یا نہیں؟ تو امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس پر عدت گزارنا واجب ہے۔ اس شخص نے کہا غلط ہے۔ پھر قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس پر عدت واجب نہیں ہے۔ اس شخص نے کہا غلط ہے، پھر اس شخص نے بتایا کہ خاوند نے اس سے بہستری کی ہے تو آقا کی عدت واجب نہیں اور اگر خاوند نے بہستری نہیں کی تو عدت واجب ہے..... تو امام ابو یوسف کو اپنی کوتاہی کا یقین ہو گیا اور امام ابو حنیفہ کی مجلس کی طرف لوٹے تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تیری مثال ایسے ہی ہے جیسے گلوں کا ہونے سے پہلے کشمش بننے کی خواہش کرے اور ایک روایت میں ہے کہ جب امام ابو یوسف امام صاحب کے پاس آئے تو امام صاحب نے فرمایا تجھے دھو بی والا مسئلہ ہی یہاں لایا ہے۔ تعجب ہے اس آدمی پر جو اللہ کے دین کے بارہ میں لب کشائی کرے اور (مسائل کی) مجلس منعقد کرے حالانکہ وہ اجارہ کے ایک مسئلہ کو اچھی طرح نہیں جانتا۔ پھر امام صاحب نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے آپ کو حصول علم سے مستغنی سمجھ لے اس کو اپنے اوپر روٹنا چاہئے۔ (الاشاہ)

حکایت نمبر ۲:..... امام صاحب سے اس شخص کے بارہ میں سوال کیا گیا جو کہے کہ میں جنت کی امید نہیں رکھتا اور جہنم سے ڈرتا نہیں اور خدا کا خوف نہیں رکھتا اور مردار (بغیر ذبح کئے ہوئے جانور) کو کھاتا ہوں اور بغیر قراءت کے نماز پڑھتا ہوں اور رکوع و سجدہ نہیں کرتا اور بن دیکھے گواہی دیتا ہوں اور حق سے بغض رکھتا ہوں اور قتل سے محبت کرتا ہوں تو امام صاحب کے شاگردوں نے کہا کہ اس شخص کا (دینی) معاملہ بڑا مشکل ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ اس کو جنت کی امید نہیں بلکہ اللہ سے امید قائم ہے اور جہنم سے نہیں ڈرتا بلکہ خدا سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے عذاب میں ظلم کا خوف نہیں رکھتا اور چھٹی اور ٹنڈی (بغیر ذبح کئے) کھاتا ہے اور نماز جنازہ (بغیر قراءت اور رکوع اور سجود کے) پڑھتا ہے اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی (بن دیکھے) دیتا ہے اور موت (جو برحق ہے) سے بغض رکھتا ہے اور

مال اور اولاد سے محبت کرتا ہے جو فتنہ ہیں تو سماں نے اٹھ کر آپ کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ آپ بہت وسیع علم والے ہیں۔ (الاشباہ)

حکایت نمبر ۳: حضرت قتادہ کوفہ میں تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس قائم کی اور لوگوں سے اعلان کیا کہ فقہ کا جو مسئلہ پوچھنا چاہو پوچھو۔ امام ابوحنیفہ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ ایک آدمی بیوی چھوڑ کر کہیں گم ہو گیا، بیوی کو کسی نے اس کے مرنے کی خبر دی، بیوی نے موت کی عدت گزار کر دوسرے خاندان سے شادی کر لی اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ پھر پہلا خاندان آ گیا، اس نے کہا اے زانیہ! میں تیرا خاندان موجود ہوں اور تو نے دوسری جگہ شادی کر لی ہے۔ دوسرے خاندان نے کہا، اے زانیہ! تیرا خاندان موجود ہے تو نے مجھ سے کیوں شادی کی؟ تو کیا اس صورت میں دوسرے خاندان پر جس سے اولاد پیدا ہو چکی ہے حد واجب ہوگی یا نہیں؟ تو حضرت قتادہ بہت متشکر ہوئے، پھر فرمایا کہ کیا یہ مسئلہ کہیں پیش آیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں، لیکن ہم مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے اس کے (دفاع) کی تیاری کرتے ہیں (عمر بن العاص) ایک روایت میں ہے کہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب تک یہ لڑکا کوفہ میں ہے کوفہ میں مجلس علم منعقد نہیں کروں گا اور فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ کوئی شخص مجھ سے یہ مسئلہ پوچھے گا۔ (عمر بن العاص)

حکایت نمبر ۴: ایک رومی سردار نے اپنے قاصد کو بہت مال دے کر خلیفہ المسلمین کے پاس بھیجا اور یہ پیغام بھی دیا کہ اپنے علماء سے میرے تین سوالوں کا جواب پوچھو۔ اگر انہوں نے تجھے جواب دے دیا تو یہ مال ان کو دے دینا اور اگر انہوں نے تجھے جواب نہ دیا تو مسلمانوں کو کہنا کہ میری حکومت کے ماتحت ہو کر مجھے خراج (ٹیکس) ادا کیا کرو، تو اس نے علماء سے سوالات کئے، مگر کسی نے اطمینان بخش جواب نہ دیا۔ امام ابوحنیفہ اس وقت بچے تھے۔ اپنے والد کے ساتھ وہ بھی مجلس میں حاضر تھے۔ انہوں نے اپنے والد المحترم سے رومی سردار کو جواب دینے

کی اجازت مانگی، انہوں نے اجازت نہ دی تو انہوں نے خلیفہ المسلمین سے اجازت مانگی تو ان کو اجازت مل گئی۔ رومی اب تک منبر پر بیٹھ کر سوال کر رہا تھا تو امام صاحب نے اسے کہا کہ کیا تو (مجھ سے) سوال کرے گا؟ اس نے کہا ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ تو نیچے آ اور میں منبر پر بیٹھوں گا۔ رومی منبر سے نیچے اترا، امام صاحب منبر پر چڑھ گئے اور فرمایا کہ سوال کر، اس نے کہا کہ (۱) اللہ تعالیٰ سے پہلے کیا چیز تھی؟ امام صاحب نے فرمایا تجھے کتنی آتی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ایک (واحد) سے پہلے کیا ہے؟ اس نے کہا کہ واحد پہلا عدد ہے، اس سے پہلے کچھ نہیں تو امام صاحب نے فرمایا کہ جب ایک جو واحد مجازی ہے اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تو خدا تعالیٰ جو واحد حقیقی ہیں ان سے پہلے کیا ہو سکتا ہے۔ رومی نے کہا (۲) اللہ تعالیٰ کس جہت میں ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ جب چراغ جلایا جائے تو اس کا نور کس طرف ہوتا ہے؟ اس رومی نے کہا کہ چراغ کا نور تو ہر جہت کو روشن کرتا ہے، اس کی روشنی کی جہت متعین نہیں ہو سکتی تو امام صاحب نے فرمایا کہ جب چراغ کے مجازی عدم سے وجود میں آنے والا اور بالآخر معدوم ہو جانے والے نور کی جہت متعین نہیں ہو سکتی تو آسمانوں اور زمین کے خالق ہمیشہ باقی رہنے والی تمام مخلوق پر فیضان عام کرنے والی ذات جو حقیقی نور ہے اس کی جہت کیسے متعین کی جا سکتی ہے۔ رومی نے کہا (۳) اللہ تعالیٰ کس کام میں مشغول ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ تیرے جیسا طح منبر پر ہو تو اس کو نیچے اتار رہے ہیں اور میرے جیسا موجود جو زمین پر تھا اس کو منبر پر بٹھا رہے ہیں۔ وہ ہر دن ایک خاص شان میں ہوتے ہیں تو وہ مال چھوڑ کر روم واپس چلا گیا۔ (الاشباہ)

حکایت نمبر ۵: امام صاحب کو حج کے سفر میں پانی کی ضرورت پڑی تو ایک دیہاتی سے ایک مشکیزہ پانی کا بھاؤ معلوم کیا، اس نے کہا کہ میں پانچ درہم سے کم میں نہیں دوں گا۔ امام صاحب نے وہ سارا مشکیزہ خرید لیا، پھر امام صاحب نے ستواں کے سامنے رکھ دیئے۔ اس نے حسب خواہش وہ ستواں کھائے تو اس کو پیاس لگی تو اس نے امام

صاحب سے پانی مانگا، امام صاحب نے فرمایا پانی مفت نہیں ملے گا۔ بالاخر اس نے پانچ درہم کا ایک پیالہ لے کر لیا۔

حکایت نمبر ۶: ایک مرتبہ اتفاق سے بنی ہاشم کے ایک سردار کے بیٹے کے جنازے میں درج ذیل حضرات اکٹھے ہو گئے۔ سفیان ثوری، ابن شہرہ، قاضی ابن ابی بلیک، ابوالاحوص مندلی، امام ابوحنیفہ اور دیگر علماء بھی تھے۔ اچانک جنازہ رک گیا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ لڑکے کی ماں بھی جنازے کے ساتھ بے یقین ہو کر تھیر کے عالم میں نکل آئی ہے اور پردے کا بھی کچھ خیال نہیں کیا تو اس کے خاوند نے اسے واپس جانے کا کہا تو اس نے جانے سے انکار کیا۔ خاوند نے قسم کھا کر کہا کہ اگر تو واپس نہ گئی تو تجھ کو طلاق۔ بیوی نے بھی قسم کھا کر کہا کہ اگر اس کی نماز جنازہ سے پہلے میں واپس جاؤں تو میرے سب غلام آزاد ہو۔ جنازہ یکدم رک گیا کہ اب مسئلہ کا کیا حل ہو۔ اگر جنازہ گاہ تک جنازہ گیا اور والدہ واپس نہ گئی تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور اگر وہیں سے واپس ہو جائے تو تمام غلام آزاد ہو جائیں گے۔ سب علماء حیران ہیں کہ اب کیا کیا جائے؟ امام صاحب نے عورت اور خاوند کے الفاظ کی تحقیق کر کے فرمایا کہ چار پائی بیٹھیں رکھ دو اور میت کے باپ سے کہا کہ جنازہ یہیں پر حادہ اور بعد میں فرمایا کہ عورت واپس چلی جائے کہ اس کی قسم پوری ہو گئی اور اس کے خاوند سے کہا کہ میت کو قبرستان میں دفن دو، تیری قسم بھی پوری ہو گئی کہ تیری بیوی بیٹھیں سے واپس چلی گئی ہے۔ ابن شہرہ بے اختیار پکار اٹھے کہ تیرے جیسا ذہن اور سر بیچ الغنیم بچہ جتنے سے ماٹیں عاجز آ جاتی ہیں۔ خدا بھلا کرے تیرے لئے علمی مشکلات کے حل کرنے میں کوئی کھفت نہیں۔

حکایت نمبر ۷: ایک مرتبہ ایک عورت امام صاحب کے حلقہ میں آئی، امام صاحب اپنے شاگردوں میں تشریف فرما تھے۔ عورت نے ایک سیب جس کا نصف سرخ تھا نصف زرد امام ابوحنیفہ کے سامنے چپکے سے رکھ دیا۔ امام صاحب نے سیب کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیے۔

اور عورت کے حوالے کر دیا۔ عورت اسے لے کر چلی گئی۔ یہ ایک معمول تھا جس پر حاضرین متعجب تھے۔ حاضرین کی دریافت و اصرار پر امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اس عورت کو جنس کا خون کبھی سرخ اور کبھی زرد آتا تھا تو اس نے سیب کے ذریعے سے اپنی حقیقت حال بیان کر دی اور اپنی طہارت کا مسئلہ پوچھا کہ زردی کی حالت میں ظاہر شہار کی جاؤں گی یا نہیں تو میں نے سیب کاٹ کر مسئلہ بتا دیا کہ جب تک سیب کی اندرونی سفیدی کی طرح سفید پانی نہ آئے اس وقت تک پاک نہیں ہو گی۔ (حدائق حنفیہ)

حکایت نمبر ۸: ایک آدمی کے گھر میں چور آئے اور سارا سامان لوٹ لیا۔ وہ چور محکمہ اسی کے تھے، جاتے ہوئے اس آدمی سے قسم لی کہ اگر میں کسی کو بتاؤں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ صبح کو چور سامان بیچنے گئے، وہ آدمی ان کو سامان بیچنے دیکھ رہا تھا مگر قسم کی وجہ سے کسی کو بتا نہیں سکتا تھا، پریشان ہو کر امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ کیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس محلے کے مشکوک لوگوں کو کسی مکان یا مسجد میں جمع کرو اور پھر اس کے سامنے ایک ایک کو نکالو۔ ہر آدمی کے بارہ میں اس سے پوچھتے جاؤ کہ کیا یہ تیرا چور ہے؟ جو چور نہ ہو تو صراحتاً کہہ دے کہ یہ چور نہیں اور اگر چور کو نکالا جائے تو یہ خاموش رہے اور اس کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہوا تو وہ چور پکڑے گئے اور سامان بھی برآمد ہو گیا اور طلاق بھی نہ ہوئی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں تین طلاقوں کو تین ہی سمجھا جاتا تھا جیسا کہ جمہور اہل سنت و الجماعت حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی اور موجودہ سعودی حکومت کا فتویٰ ہے۔ اگر ایک آدمی بھی ایسا ہوتا جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے والا ہوتا تو اس کو سمجھا دیتا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک رجعی کے حکم میں ہیں، لہذا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک طلاق کے بعد حق رجوع خاوند کو باقی رہتا ہے، عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ قرآن پاک کی آیات اور احادیث سے یہ مسئلہ خوب روشن ہو چکا ہے۔ امام بخاری نے باب من اجاز الطلاق الثلاث میں ایک آیت کریمہ اور تین احادیث سے اس حرمت کو مدلل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مسلک حق سے تادم آخروا بست رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

ایک خط کا جواب

مکرمی جناب رضوان المصطفیٰ صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ نے جو چند سوالات غیر مقلدین کے ارسال فرمائے ہیں ان کے شروع میں لکھا ہے کہ ان سوالوں کے جوابات قرآن و حدیث سے دیں اور آخر میں بھی لکھا ہے کہ ان سوالوں کا جواب صرف قرآن مجید اور صحیح حدیث سے دیں اور پھر حنفی مذہب کو یہ چیلنج دیا ہے کہ قیامت تک ان سوالوں کے جواب قرآن و حدیث سے نہیں دے سکتے۔

تمہید جواب: مکرمی اسوال صحیح وہ ہوتا ہے جو حدیث کے دعویٰ کے موافق ہو۔ احناف نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ دلائل صرف قرآن و سنت میں منحصر ہیں۔ احناف کی تو تمام کتب میں دلائل اربعہ (۱) کتاب، (۲) سنت، (۳) اجماع، (۴) قیاس کا ذکر ہے۔ یہ دعویٰ غیر مقلدین کا ہے کہ مسئلہ صرف قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ ہم ان کے دعویٰ کے ذمہ دار نہیں۔ جیسے منکر حدیث کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم صرف قرآن کو مانتے ہیں اور وہ غیر مقلدین کو چیلنج دے دیں کہ نماز کا پورا طریقہ اسی طرح روزہ، حج، زکوٰۃ کے تفصیلی احکام قرآن سے ثابت کرو تو صحیح ورتہا ہر مذہب باطل ہے تو غیر مقلد بھی کہیں گے کہ یہ سوال ہمارے دعویٰ کے خلاف ہے، ہم اس کے ذمہ دار نہیں بلکہ تمہارا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ شرط نہ قرآن سے ثابت ہے نہ سنت سے کہ مسئلہ صرف قرآن و سنت سے ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ سوال کر کے مسائل ان تمام آیات و احادیث مانکر ہو گیا ہے جن میں حجیت اجماع و اجتہاد کا ذکر ہے۔ ہمارا بھی غیر مقلدیت کو چیلنج ہے کہ ایک آیت یا ایک صحیح غیر معارض حدیث پیش کریں جس میں یہ ہو کہ ہر جاہل آدمی عالم سے دلیل کا مطالبہ کرے اور پھر دلیل بھی صرف

قرآن و حدیث سے اتباع اور قیاس مجتہد دلیل نہیں۔ تو چونکہ یہ سوال غلط ہے اس لئے جواب ہمارے ذمہ لازم نہیں مگر پھر بھی ترجمیم العنان کے طور پر جواب دیتے ہیں۔

واللہ المستعان علی ما تصفون

سوال نمبر ۱: دعائے قنوت سے پہلے رفع یدین.....؟

جواب: (۱) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس تکبیر میں جو رکوع سے پہلے ہوتی رفع یدین کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی نماز پوری کرتے۔ (ابوداؤد، صفحہ ۱۰۴، جلد ۱) تکبیر و دعائے قنوت اور تکبیرات عیدین رکوع سے پہلے ہیں اس لئے اس حدیث پاک سے یہ دونوں رفع یدین تکبیر تحریر کی رفع یدین کی طرح ثابت ہو گئیں۔

۲: ابو عثمان کہتے ہیں کہ ہم اور حضرت عمرؓ کھٹے تھے۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر ہمارے ساتھ رکوع کے وقت دعائے قنوت پڑھتے یہاں تک ہاتھ اٹھا کر کہ آپ کی دونوں ہتھیلیاں ظاہر ہو جائیں اور آپ کے بازو باہر نکل آتے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری صفحہ ۷۸)

۳: حضرت اسود فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و تروں کی آخری رکعت میں قل هو اللہ پڑھتے، پھر رفع یدین کرتے، پھر رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے۔ (یہ احادیث صحیح ہیں جزء رفع یدین، صفحہ ۷۸)

۴: حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں سات جگہوں میں رفع یدین کی جائے گی۔ و تروں کی دعائے قنوت کی تکبیر میں اور عیدین میں، حجر اسود کے استلام کے وقت اور صفا اور مروہ پر اور مزدلفہ اور عرفات میں اور دونوں حجروں کے پاس ٹھہرنے میں۔ (المحواوی، صفحہ ۳۱، جلد ۱) اس کی سند صحیح ہے۔ (مسئلات حنفیہ، صفحہ ۱۳۲)

۵: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات جگہوں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ تکبیر تحریر میں اور دعائے قنوت کی تکبیر میں اور تکبیرات عیدین میں اور چار کاج میں ذکر فرمایا۔ (ہدایہ کتاب الصلوٰۃ) علامہ زبیلیؒ اور ابن ہمام فرماتے ہیں کہ غریب بھنڈا اللفظ علامہ

یعنی حضرت ابن عباسؓ کی لائیف الایدی فی سبع مواطن والی روایت جس میں دعائے قنوت اور عیدین کی تکبیروں والی رفع یدین کا لفظ نہیں ان سات جگہوں میں صحر کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں وقد تواترت الاخبار بالرفع فی غیرها کثیراً منها الاستسقاء ودعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وورفعہ علیہ السلام یدبہ فی الدعاء فی الصلوات وامر بہ ورفیع الیدین فی القنوت فی صلوة الصبح والوتر (نصب الرایہ، صفحہ ۳۹۱، جلد ۱)

اس عبارت میں وتروں کی دعائے قنوت میں رفع یدین کو متواتر کہا گیا ہے۔ علامہ خوارزمی رکوع والی اختلافی رفع یدین کی بحث میں فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روایات متعارض ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرف رجوع واجب ہے اور وہ حدیث مشہور ہے لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن افتتاح الصلوة وقنوت والوتر وتکبیرات العیدین وعند استلام الحجر وعند الصفا والمروة وعند الموقفین وعند الحمزین ای الاولیٰ والوسطیٰ (کتابہ مع اللیح، صفحہ ۲۷۱، جلد ۱) یہاں علامہ خوارزمی نے اس حدیث مشہور کہا ہے تو جب یہ رفع یدین متواتر اور مشہور ہے اور ملامت بھی متواتر ہے تو تلقی بالقبول کی وجہ سے اس کی صحت میں شک نہیں ہوگا۔ بحکم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح (تدریب الراوی، صفحہ ۲۹، جلد ۱) نیز صاحب ہدایہ متوفی ۵۹۳ھ اور علامہ سرخسی متوفی ۴۸۳ھ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور فقیر کا کسی حدیث سے استدلال اس حدیث کی صحیح ہوتی ہے اور علامہ سرخسی نے تو اس کو حدیث معروف کہا ہے۔ فرماتے ہیں (ویرفع یدبہ حین یفتتح القنوت) للحديث المعروف لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوة وقنوت والوتر ولی العیدین وعند استلام الحجر وعلى الصفا والمروة وبعرفات وجمع وعند

الحمزین (مسبوہ، صفحہ ۱۶۵، جلد ۱)

یاد رہے کہ ان روایات میں صحر حقیقی نہیں اضافی ہے۔

(۶) حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ (خیر القرون والے) "تحتب تکبته تحی کہ تو وتروں کی تیسری رکعت میں قل هو اللہ پڑھے پھر تکبیر کہے، پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، پھر تو دعائے قنوت پڑھے۔ (قیام اللیل، صفحہ ۲۳۰)

سوال نمبر ۲:۔۔۔۔۔ مرد اور عورت کا ہاتھ باندھنے میں فرق؟۔۔۔۔۔

جواب:۔۔۔۔۔ عورت کے بارہ میں:۔۔۔۔۔ تو اجماع ہے کہ انہوں نے سینہ پر ہاتھ باندھنے ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں واما فی حق النساء فانفقوا علی ان السنة لهن وضع الیدین علی الصدر لانه استرلھن (السعیہ، صفحہ ۱۵۶، جلد ۳) اور قرآن پاک میں غیر تکبیل المؤمنین (اجماع) کے تارک پر چلنے والے کو جہنمی کہا گیا ہے۔ (سورہ نساء آیت ۱۱۶) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اجماع سے ایک بات بھی کٹ کر جدا ہوا اس نے اسلام کا پھندہ اپنے گلے سے نکال دیا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ ۳۱) نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہاتھ جماعت پر ہے جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں بھی علیحدہ کر کے تھائی میں ڈال دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۰) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان انسان کے لئے بھیڑیا ہے جیسے بکری کے لئے (بھیڑیا دشمن ہے) اور وہ ریوز کی بکریوں سے نفرت کر کے جدا ہونے والی یا چارے کے لالچ میں غفلت کی وجہ سے ریوز سے جدا ہونے والی بکری پر حمل کرتا ہے، تم گھاسوں (میں جدا ہونے سے بچو) اور جماعت کو لازم پکڑو۔ (مشکوٰۃ، صفحہ ۳۱)

مردوں کے بارہ میں:۔۔۔۔۔ حضرت وائل کی حدیث ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا ہے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۰، جلد ۱) حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نمازی نماز میں دلیاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھے۔

(ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۸، جلد ۱) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ ہاتھوں کو ہاتھوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۱، جلد ۱) ابو جابرؓ بھی فرماتے تھے کہ نمازی اپنی دائیں ہتھیلی کے اندر کے حصہ کو اپنی بائیں ہتھیلی کے ظاہر پر رکھے اور ان کو ناف کے نیچے رکھے۔ (ابن ابی شیبہ، صفحہ ۳۹۱، جلد ۱) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں تمام انبیاء کے اخلاق سے ہیں۔ افطار جلدی کرنا، حرمی مؤخر کرنا اور ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔ (مسند امام زید، صفحہ ۱۸۳) یہی مضمون حضرت انسؓ سے بھی منقول ہے۔ (الجوہر النقی) حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی تحت السرة کی روایت ابوداؤد میں منقول ہے۔ (الجوہر النقی) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (فیض القدر، صفحہ ۲۷۱، جلد ۵)

سوال نمبر ۳: مسئلہ تلفظ نیت نماز و روزہ؟

جواب: تلفظ نیت امر خلاصہ کے نزدیک مستحسن ہے۔ صرف امام مالکؒ اس کے قائل نہیں ہیں۔ علامہ محمد بن عبدالرحمن شافعی جو آٹھویں صدی ہجری کے عالم ہیں، فرماتے ہیں: ومحل النية القلب والكمال ان ينطق بلسانه بمانواه بقلبه (رحمۃ الامم، صفحہ ۱۳) ترجمہ: ومحل نیت قلب ہے اور کمال یہ ہے کہ جس چیز کی دل میں نیت ہے اس کا تلفظ کر لے۔ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ فرماتے ہیں: وان لفظ بمانواه كان تأكيداً (معنی ابن قدامہ، صفحہ ۵۰۹، جلد ۱) یعنی جس چیز کی نیت کی ہے اگر اس کا تلفظ کر لے تو معاملہ پختہ ہو جائے گا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی وضو، نماز، روزہ وغیرہ کی نیت کے تلفظ کو مستحب قرار دیا ہے۔ (غنیۃ الطالبین) البتہ مستحب کو لازم قرار دینا درست نہیں ہے۔ مطلق نیت کے تلفظ کو صرف آج کل کے نام نہاد عامل بالحدیث نے بدعت کہنا شروع کیا ہے اس سے قبل کسی نے اس کو بدعت نہیں کہا ہے۔

دلائل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یستقیم قلبہ حتی یستقیم لسانہ (مسند احمد، صفحہ ۱۹۸، جلد ۳) یعنی آدمی کا دل سیدھا نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی زبان سیدھی ہو۔ نیت جب دل کا فعل ہے تو اس کی استقامت زبان کی استقامت (یعنی تلفظ) سے ہے۔

۲: حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے حج کی آواز بلند کرتے ہوئے۔ (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۳)

۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے پوچھا جب تو نے حج فرض کیا تو کیا کہا تھا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے کہا تھا کہ اے اللہ! میں نے اس چیز کا احرام باندھا جس کا تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ ۲۳۳) یہاں قلت اور قلت کے الفاظ بھی تلفظ پر دلالت کرتے ہیں۔

۴: حضرت انسؓ فرماتے ہیں: حکمت رذیف ابی طلحہ وانہم لیصبر خون بہما جمیعاً الحج والعمرة (مشکوٰۃ، صفحہ ۲۲۳) اس میں بھی حج اور عمرے کا تلفظ آواز بلند ثابت ہوتا ہے۔ قل ان صلاتی ونسکی الایۃ (الانعام) میں بھی نماز اور قربانی کے اخلاص نیت کے اظہار کا حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے شروع میں انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا اور مذکورہ بالا آیت کا پڑھنا بھی اظہار اخلاص نیت کی دلیل ہے۔

لطیفہ: پورے والا کے ایک دوست بندہ کے پاس آئے کہ ہمارے چک کے ایک حافظ صاحب غیر مقلد ہو گئے ہیں اور وہ یہ چیلنج کرتے ہیں کہ خفی نماز قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہے۔ اس پر مناظرہ کر لیں۔ میں نے کہا غیر مقلدوں کی نماز تو کیا ان کی نیت بھی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے، پھر میں نے ان کو چند سوالات لکھ کر دیئے کہ ان کے جوابات صحیح صریح غیر معارض مرفوع حدیث سے غیر مقلد دیں۔

۱۔ نیت کا معنی جو قرآن اور حدیث میں ہے وہ باحوال لکھیں، فقہ یا لغت سے چوری نہ کریں۔

۲۔ نیت فرض ہے یا واجب یا سنی ہے یا مستحب یا مباح، حدیث صریح پیش کریں۔

۳۔ جو حکم ہو اس کی یہ تفصیل بیان کریں کہ اس کے منکر کا کیا حکم ہے؟ کافر ہے یا فاسق ہے۔ اس پر شرعی حد کیا جاری ہوگی، قتل کیا جائے گا یا کوڑے لگائے جائیں گے؟ کوڑوں کی کیا تعداد متعین ہے اور اگر نیت کا منکر تو نہیں عمد نیت نہیں کی یا سہوا نیت نہیں کر سکا تو اس کی کیا سزا ہے؟

۴۔ ادا اور قضا کی نیت ایک ہی ہے یا جدا جدا، صریح حدیث پیش کریں۔

۵۔ فرض نماز، واجب وتر، سنتوں اور نفلوں کی نیت ایک ہی ہے یا فرق ہے اور پھر فرضوں میں سے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی تعین نیت میں ضروری ہے یا نہیں؟ صریح حدیث پیش فرمائیں۔

۶۔ نماز کی شرائط کا دل کی نیت میں استحضار ضروری نہیں تو بھی صریح حدیث پیش کریں۔

۷۔ اسی طرح نماز کے ارکان، واجبات، سنن، مستحبات کا ارادہ بھی نیت میں ضروری ہے یا نہیں صحیح حدیث پیش کریں۔

چند دن کے بعد اس دوست سے ملاقات ہوئی تو بتایا کہ ہم نے آپ کے سوالات دیئے تھے اور مسلسل دو تین دن ان سے جوابات کا مطالبہ کیا تو انہوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ تم جیتے ہم ہارے، اگر آپ ہم سے لکھوانا بھی چاہیں تو ہم لکھ کر دینے کو تیار ہیں۔ آپ ہمارا چھپا چھوڑ دیں۔ میں نے پوچھا پھر آپ نے ان سے یہ تحریر لے لی تو انہوں نے کہا کہ ہمیں ان پر ترس آ گیا تھا اس لئے ہم نے ان سے تحریر نہیں لکھوائی۔ میں نے کہا تحریر لکھو لیتے تو آپ کو بعد میں کام دیتی، تحریر نہ لکھو اگر آپ نے اپنی محنت ضائع کر دی۔ واضح رہے کہ احتاف کے نزدیک دل میں نیت کرنے سے بھی نماز ہلا کر اہت درست ہے۔

سوال نمبر ۵:۔۔۔۔۔ بریلونی، دیوبندیوں کا مذہب حنفی کس آیت یا حدیث میں ہے.....؟

جواب:۔۔۔۔۔ قرآن پاک میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے جس کی سات متواتر قراءتیں

ہیں۔ ان سات قاریوں کی قراءتوں کے نام نہ قرآن میں ہیں نہ حدیث میں، پوری امت کا اجماع ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قرآن ہی لوگوں کو دیا ہے، اپنی طرف سے قرآن نہیں بنایا۔ اسی طرح اطیہوا الرسول کا حکم قرآن میں ہے مگر قرآن پاک کی کسی آیت یا حدیث سے صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کا ذکر نہیں۔ اسی طرح اہل استنباط کی اطاعت کا حکم سورہ نساء آیت ۸۳ اور فقہاء کی طرف رجوع سورہ توبہ آیت ۱۲۲ سے ثابت ہے

اور ان فقہاء کی تعین امت نے کی ہے کہ اس وقت جن فقہاء کا مذہب اصولاً اور فرود عامداً ہو کر تمام عالم میں پھیلا ہے وہ چار فقہاء ہیں۔ (۱) امام ابوحنیفہ، (۲) امام مالک، (۳) امام شافعی، (۴) امام احمد بن حنبل۔۔۔۔۔ اگر یہ دوسرے ذال کر کہ ان کے نام قرآن و حدیث میں نہیں ان کی فقہ کو چھڑوایا گیا تو صرف فقہ ہی نہیں چھوٹے گی دین ہی چھوٹ جائے گا۔ جس طرح سات قاریوں کے چھڑانے سے قرآن چھوٹ جائے گا اور محدثین کی کتب کے چھڑوانے سے حدیث ہی چھوٹ جائے گی تو غیر مقلدین کا مقصد صرف اماموں کو چھڑوانا نہیں دین کو چھڑوانا ہے۔ اس علاقہ میں تو اتر سے فقہ حنفی ہی آئی ہے اور کوئی فقہ یہاں متواتر نہیں، اگر یہاں فقہ حنفی چھوڑی تو اسلام ہی چھوٹ جائے گا۔

غیر مقلدین جواب دیں کہ:۔۔۔۔۔ جب آپ کا دعویٰ ہے کہ ہمارا ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو یہ بتائیں کہ یہ حکم قرآن و حدیث کا ہے کہ جس کا نام قرآن و حدیث میں ہو اس کو ماننا ہے اور جس کا نام نہ ہو تو اس کو نہیں ماننا؟ صریح آیت یا حدیث پیش کریں؟ نیز درج ذیل مسائل پر بھی روشنی ڈالیں۔ (۱) جن رسولوں، فرشتوں اور صحیفوں کے نام قرآن پاک اور احادیث میں نہیں آپ ان کو مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر مانتے ہیں تو کس دلیل سے اور اگر کوئی کہے کہ میں تو ان رسولوں، فرشتوں اور صحیفوں کو نہیں مانوں گا جن کے نام نص میں نہیں ملیں گے

تو اس شخص کا شرعی حکم کیا ہے؟ (۲) جن دو انبیوں کا ذکر قرآن و حدیث میں نہیں ان کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ (۳) کتب تفسیر، کتب اصول تفسیر، کتب اصول حدیث غیر مقلدین کی تمام کتب فتاویٰ ساریہ، فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ وغیرہ جن کا کتب حدیث میں ذکر نہیں ان کو ماننا کس دلیل سے ثابت ہے؟ (۴) آپ مختلف جماعتیں ہیں، غرباء، اہلحدیث، جمعیت اہلحدیث، جماعت اہلحدیث، شبان اہلحدیث، تحریک محمدی وغیرہ ان کا ذکر کس حدیث میں ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ (۵) کیا آپ آسمان سے نازل شدہ غذا کھیں اور دوائیں استعمال کرتے ہیں یا زمینداروں کا کاشت کردہ غلہ بھی استعمال کرتے ہیں، اگر کوئی یہ کہے کہ میں تو اس زمیندار کی زمین کا غلہ استعمال کروں گا جس کا نام قرآن میں ہو، میں اس ڈاکٹر سے دوائی لوں گا، میں اس مشائی کو کھاؤں گا جس کا ذکر قرآن و حدیث میں ہو، میں وہ پھل کھاؤں گا جس کا قرآن و حدیث میں ذکر ہو، میں وہ بہری استعمال کروں گا جس کا ذکر قرآن و حدیث میں ہو، یہ تحقیق ہوگی یا وسوسہ اور اس سے صرف حقیقت نہیں چھوٹے گی بلکہ زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔

وسوسہ نمبر ۶:..... حنفی مذہب والے داعی امام ابوحنیفہؒ کو مانتے ہیں اس کا ثبوت قرآن کی کس آیت یا حدیث میں لکھا ہے حالانکہ داعی (یعنی قیامت تک کے لئے) امام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں!

جواب:..... سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ اعتراض صرف حنفی مذہب والوں پر کیوں ہے کہ وہ ہمیشہ حنفی رہتے ہیں، حنبلیوں پر کیوں نہیں حالانکہ حنبلی بھی داعی حنبلی رہتے ہیں۔ کیا اس کا سبب یہ تو نہیں کہ حنبلیوں پر اعتراض کرنے سے ریال بند ہونے کا خطرہ ہے۔ یا اور ہے کہ مذہب کا معنی راستہ ہوتا ہے جیسے ملکی راستے ہیں جو منزل تک پہنچاتے ہی، اگر کوئی ساری زندگی ایک راستہ سے کسی شہر میں داخل ہوتا ہو تو کوئی وجہ اعتراض نہیں، یہ بالکل ایسے ہے جیسے کوئی ساری زندگی قاری عاصم کوئی کی قراءت پڑھے اور کسی قاری کی قراءت پڑھے تو یقیناً وہ

پورا قرآن پڑھنے والا ہے، ساری زندگی کوئی ایک ڈاکٹر کی دوائی کھائے، ساری زندگی ایک انجینئر سے نقشے بنوائے، ایک ہی عدالت میں مقدمات لے کر جائے یہ قابل اعتراض نہیں، پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس ملک میں ایک فقہ حنفی ہی متواتر ہے اور کوئی فقہ یہاں آئی ہی نہیں اس لئے جب تک یہاں فقہ حنفی ہے اس پر عمل کرنا پڑے گا، پھر آخر میں جو لکھا ہے کہ امام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس میں بظاہر امام صاحب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تقابل دیا جا رہا ہے، یہ بالکل غلط ہے۔ امام ابوحنیفہؒ مجتہد ہیں، نبی نہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں، امام بمعنی مجتہد نہیں۔ یہ وسوسہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ قیامت تک تو خدا کو ماننا ہے تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں مانتے ہو؟

وسوسہ نمبر ۷:..... حنفی مذہب میں کئی فرقے ہیں۔ مثلاً سنی، وہابی، دیوبندی، بریلوی، نقشبندی، قادری، چشتی وغیرہ حالانکہ ان سب کا امام ایک، مذہب ایک، پھر یہ فرقے کیوں؟ ان سب میں حق پر کون ہے؟

الجواب:..... اختلافات کئی قسم کے ہیں۔

۱..... بہت سے اختلاف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اختلاف، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلافات، مجتہدین کے اختلافات، قراء کے اختلاف، محدثین کے اختلاف۔ یہ اختلافات ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں جیسے غذاؤں، دواؤں کے اختلافات۔

۲..... اور کچھ اختلافات عذاب خداوندی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی اور اس کو نیکیوں کو موٹنے والا قرار دیا۔ ان کی مثال مسنن صحت غذاؤں اور جعلی دواؤں کی ہے۔ پہلے اختلاف کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فرقے یعنی جماعتیں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں جس طرح جسمانی مزاجوں کے اختلاف کی بناء پر ایک مزاج کے لئے ایک غذا اور دوا موافق ہے تو دوسرے کے مزاج سے دوسری غذا اور دوا میل کھائے گی۔ بعض

اوقات ایک آدمی تلافی کے طور پر مختلف غذائیں اور پھل استعمال کرتا ہے، یہی سرت ایک روحانی حزان کے موافق ایک مسئلہ یا ایک ذکر ہوگا تو دوسرے کے روحانی مزاج کے موافق دوسرا مسئلہ اور دوسرا ذکر ہوگا۔ بعض اوقات وقت کی تبدیلی یا شخص کی تبدیلی سے بھی حکم تبدیل ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا افضل ہے یا استغفار؟ تو حضرت نے فرمایا کہ درود پاک کی مثال عطر کی ہے اور استغفار کی مثال صابون کی ہے جو گناہوں کی مٹی کیل کو دور کرتی ہے۔ اگر آدمی گنہگار ہے تو اس کو پہلے گناہوں کی گندگی دور کرنے کے لئے استغفار کے صابون کو استعمال کرنا چاہئے اور بعد میں درود پاک کا عطر لگانا چاہئے اور اگر اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ رکھا ہے تو اس کو درود پاک کے عطر سے روح کو معطر کرنا چاہئے۔

سائل نے جو مطلق گروہ بندی اور فرقوں کو غلط کہا ہے کہ صحیح نہیں، ہاں اہل بدعت اور غیر مقلدین جو حقیقت سے کٹے ہیں یہ فرقے غلط ہیں باقی کسی بدعتی فرقہ کا حقیقت کا دعویٰ کرنے سے حنفی ہونا لازم نہیں آتا جیسے مرزا بیوں کے دعویٰ اسلام سے ان کا واقعہ میں مسلمان ہونا لازم نہیں آتا۔

سنتی:..... اہل سنت والجماعت کے مسلک پر چلنے والوں کو کہتے ہیں۔ اگر سنت پر عمل نہ کرے تو زبانی بدعتی سنت ہے واقع میں وہ سنتی نہیں ہوگا۔ اہل قرآن بعضی منکر حدیث اور اہل حدیث بعضی منکر فقہ کا اہل قرآن یا اہل حدیث کہنا ناغلط ہے اور اہل سنت والجماعت حنفیوں کا فرقہ نہیں بلکہ حنفی اہل سنت والجماعت کی ایک شاخ ہیں کیونکہ مالکی، شافعی اور حنبلی بھی اہل سنت ہیں۔

وہابی:..... نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ:..... وہابی بھی مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۱ دشمن گورنمنٹ (برطانیہ) (ترجمان وہابیہ، صفحہ ۳)

۲ بعض رسوم فقہ انگیز کو موقوف کرنے والے (مثلاً تعزیہ سازی، پیر پرستی، گور پرستی وغیرہ) ترجمان وہابیہ، صفحہ ۵)

۳ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے قسطن (ترجمان وہابیہ، صفحہ ۱۰)

۴ میان دو آب میں وہابی وہ ہے جو قبر میں پوجنے اور تعزیہ رکھنے اور ویوں سے مدد چاہنے اور مولود کی مجلسوں سے منع کرے اور یا رسول اللہ اور یا علی کہنے سے باز رکھے۔ (صفحہ ۱۲)

۵ حیدرآباد دکن میں وہابی وہ ہے جو سندھ نے پنے اور پاجامہ ٹخنوں سے اونچا رکھے اور ڈاڑھی نہ منڈوائے اور نماز روزہ ادا کرتا رہے۔ (صفحہ ۱۲)

۶ اور بمبئی میں وہابی وہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جن کا مذہب حنبلی ہے اور ایک عالم و پندار تھے، ان کو مالک سارے جہاں کا نہ جانے اور محفل مولود کو بدعت اور نفی تراش مسلمانوں کی بتاوے۔ (ترجمان وہابیہ، صفحہ ۱۲)

۷ پوریوں کے نزدیک مشرق کے ہندوستانی شہروں میں وہابی وہ ہے جو ان پر چار مذہبوں میں سے کسی مذہب خاص کا مقلد و مقید نہ ہو بلکہ سچے اور اچھے طریقہ پر جو غیر صلوات اللہ علیہ کے چلتا ہو اور ان نئی باتوں سے جو غیر صلوات اللہ علیہ کے بعد لوگوں نے اپنی عقل سے تراش لیں دور رہتا ہو اور بعض لوگوں کے نزدیک وہابی وہ ہے جس میں یہ سب باتیں موجود ہوں اور اکثر ہند میں وہابیہ بدعتوں کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ (ترجمان وہابیہ، صفحہ ۱۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ وہابی محمد بن عبدالوہاب کے قسطن کو اور غیر مقلدوں کو بھی کہا جاتا ہے جو حنفی نہیں اور بدعات کی تردید اور کافر حکومت کے مخالفین کو بھی جہاد کو بدنام کرنے کے لئے کہا جاتا ہے اور بدعت کی تردید جو حکم نبوی صلوات اللہ علیہ ہے جیسا کہ جہاد حکم شرعی ہے یہ کوئی امام ابوحنیفہ کا اجتہادی مسئلہ نہیں اگر حنفیوں نے ان دونوں مسئلوں پر عمل کیا

ہے تو حکم نبوی کی بناء پر کیا ہے نہ کہ اجتہاد ابوحنیفہؒ کی وجہ سے، بہر حال اس معنی میں حنفی محمدی فرقہ ہے۔

بریلوی: سائل نے بریلویوں کو حنفی کہا ہے۔ یہ صرف دعویٰ بلا دلیل ہے۔ بریلویوں کی بدعات اگر فقہ حنفی کے مفتی پر اقوال سے سائل ثابت کر دے تو واقعی وہ حنفی ہوں گے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو وہ اپنی ہی بدعات میں غیر مقلد ہوں گے۔ فرقہ صرف اتنا ہوگا کہ وہ ادب میں حد سے بڑھنے والے غیر مقلد ہوں گے اور نام نہاد اہل حدیث سے آپ غیر مقلد ہیں۔

دیوبندی: یہ اہل سنت والجماعت کا گروہ ہے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع ائمتہ اور امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے مفتی پر اقوال کو ماننے والے ہیں۔ یہ نسبت اہل بدعت (خواہ بدعت مکرہہ کے قائل ہوں جیسے مرزائی، منکر حدیث، منکر معجزات وغیرہ) یا بدعت غیر مکرہہ کے قائل ہوں جیسے منکرین فقہ وغیرہ) سے امتیاز کے لئے ہے۔

چشتی، قادری، نقشبندی: یہ تزکیہ نفس یعنی تصوف کے سلاسل ہیں۔ فقہی نسبتیں نہیں، زمان کا کوئی آپس میں تضاد ہے۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں سلاسل اربعہ میں لوگوں کی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کا فقہ حنفی سے تضاد ہے۔ یہ نسبتیں مختلف امتیازات کے لئے ہوتی ہیں۔ جیسے ایک پاکستانی قوم کے بعض افراد پنجابی، بعض سرحدی، بعض بلوچی، بعض سندھی ہیں اس کے باوجود وہ پاکستان سے کئے نہیں سب کوئی کہے کہ ملک ایک، بادشاہ ایک پھر یہ اختلاف اور فرقہ بندی کیسے؟ تو ہر آدمی کہے گا کہ یہ فرقہ بندی نہیں۔ سائل کو ان فرقوں کی فکر ہے مگر اسے اس کی فکر نہیں کہ مدعیان اہل حدیث کے کتنے فرقے ہیں جو ایک دوسرے کو کافر تک کہتے ہیں۔

پروفیسر محمد مبارک صاحب جماعت غربائے اہل حدیث کے بارہ میں لکھتے ہیں: "جماعت غربائے اہل حدیث یا فنی جماعت ہے جس کا جماعت اہل حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ پوری جماعت مع امام کے واجب انقلا ہے۔ انسوس! سید احمد شہید

کی تحریک کامیاب ہو جاتی تو ضرور جماعت غرباء اہل حدیث کو مع امام کے قتل کیا جاتا جس طرح سیدنا امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسیلہؒ کذاب اور اس کے ساتھیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا۔ جس طرح مسیلہؒ کذاب کی حمایت کرنے والے مجرم تھے اسی طرح وہ علماء جو جماعت غرباء اہل حدیث کے جلسوں کو روٹی بکھتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں۔"

(علمائے احناف اور تحریک مجاہدین، صفحہ ۵۳، ۵۴)

مولوی عبدالحق غزنوی مولوی ثناء اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ثناء اللہ امرتسری محدثین کے مذہب پر نہیں، نجد ثین فی الدین میں سے ہے۔ مثل دیگر فرقہ خالصہ جمیہ اور معتزلہ اور قدریہ وغیرہ کے جو تحریف کرنے والے ہیں۔

نیز لکھتے ہیں آج کل ایک تفسیر عربی مولوی ثناء اللہ کشمیری الاصل امرتسری الوطن میری نظر سے گزری۔ تفسیر کیا ایک الفاظ کا مجموعہ تاویلات کا ذخیرہ دیکھا۔ تعجب ہے یونیورسٹی کے فاضل کی فضیلت اور لیاقت پر کہ الفاظ غلط، معانی غلط، استدلال غلط بلکہ تحریقات میں بیہودوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی۔ (الاربعین، صفحہ ۳)

مولوی عبدالاحد خانپوری نے مستقل کتاب لکھی اظہار کفر ثناء اللہ بجمیع ما اعت باللہ بلکہ ترک تقلید نے اکثر گمراہ جماعتوں کو جنم دیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مدرس اول و مفتی مدرسہ عربیہ رائے پور گوجرانوالہ بزرگوار حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ و حضرت مولانا حبیب اللہ ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ سائبرہ وال فرماتے ہیں: "واہ رہے چودھویں صدی کے اہل حدیث تو تم سے خدا کچھ انچری، مرزائی، پکڑالوی سب فرقے غیر مقلدی ہی کی شاخیں ہیں۔ ان کے بانی سب غیر مقلد ہی تھے ترقی کر گئے۔" (مباحثہ زیرہ، صفحہ ۱۵) مزید تسلی کے لئے الفیصلۃ الحجازیہ، فیصلہ تک، فقہ ثنائیہ و مظالم روپڑی کا مطالعہ فرمائیں۔

سوسہ نمبر ۸: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ تکبیروں کا ثبوت ملتا ہے۔ (یہ ثبوت ابوداؤد شریف میں ہے) چھ تکبیروں کا ثبوت کہاں ہے؟

الجواب: آج تک تو یہ سنتے تھے کہ تعصب سے متعصب کی بصیرت متاثر ہوتی

ہے مگر غیر مقلد کی بصارت بھی متاثر ہوگی ابوداؤد سے بارہ تکبیروں والی روایت نظر آگئی مگر ساتھ ہی چھ تکبیروں والی روایت تھی وہ نظر نہیں آئی۔ لیجئے شاید ہماری راہنمائی محل الجواہر ثابت ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ابو ہانئہ فرماتے ہیں کہ سعید بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حذیفہ بن یمانؓ سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں تکبیریں کیسے کہتے تھے؟ تو حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ جنازہ پر تکبیروں کی طرح چار تکبیریں کہتے تھے تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ابو موسیٰ نے سچ کہا، پھر حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ میں بصرہ میں جب اہل بصرہ کا امیر تھا تو ایسے ہی تکبیریں کہتا تھا۔ ابو ہانئہ فرماتے ہیں کہ میں سعید بن العاصؓ کے پاس موجود تھا۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۶۳، جلد ۱) حاشیہ میں ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریر کے ساتھ تکبیرات زوائد مل کر چار اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے ساتھ چار بنتی ہیں۔ تفصیل کے لئے شوال ۱۳۲۵ھ کا "الخیر" اور "حدیث اور الجہد" کا مطالعہ فرمائیں۔

سوسہ نمبر ۹: تم حنئی کیوں کہلاتے ہو؟ نعمانی کیوں نہیں کہلاتے جبکہ امام صاحب کا نام نعمان ہے۔

الجواب: کیا اگر ہم نعمانی کہلاتے تو آپ نے راضی ہو جانا تھا؟ امام صاحب کے نام کی طرف نسبت کر دیں یا کنیت کی طرف اس میں کوئی فرق نہیں۔ کنیت چونکہ زیادہ مشہور ہے اس لئے اس کی طرف نسبت ہو جاتی ہے۔ کیا آپ کو کوئی آیت یا حدیث مل گئی ہے کہ کنیت کی طرف نسبت ناجائز ہے۔ ذرا آپ بھی اپنے علماء سے پوچھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد بھی ہے۔ آپ احمدی کیوں نہیں کہلاتے؟

سوسہ نمبر ۱۰: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے تو مذاہب اربعہ میں سے کس کی پیروی کریں گے؟

الجواب: غیر مقلد و حید الزمان نے تو حضرت امام مہدی کے لئے ہدیۃ المہدی

۱۔ آنحضرت ﷺ کی پیروی بہت مستحب علیہ السلام ہے اس لئے یہ تشریح تھی گی بہت برکت ہے۔ (ادھر)

لکھ دی تھی اور وصیت کر دی تھی کہ: "اگر ہم فوت ہو جائیں تو ہر ایک مسلمان بھائی کو ہماری وصیت یہ ہے کہ ہمارا اسلام حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچا دے اور ہماری کتاب ہدیۃ المہدی آپ کے ملاحظہ میں گزار دے۔" (الغایات الحدیث، مادہ، صفحہ ۷۵، جلد ۱) لو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ غیر مقلدوں نے اس الجھن کا حل پیش کر دیا ہے۔ غیر مقلدین اگر حید الزمان سے نالاں ہیں تو وہ بھی اجلاس بلا کر اس کی تحقیق کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن مجید میں سے کس قاری کی قراءت میں اجراع کریں گے جو اب قرآن اور حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ہے؟ قرآن و سنت کا مفہوم وہ "غیر باہ الحدیث" سے سیکھیں گے یا "جماعت اہل حدیث" سے یا "جماعت اہل حدیث" سے، "شیان اہل حدیث" سے یا "اہل حدیث پوتھ فورس" سے "تحریک محمدی" سے یا "جماعت المسلمین" سے؟

توضیح: علامہ شامی نے علامہ سیوطی کے رسالہ "الاعلام" سے نقل کیا ہے کہ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے مطابق فیصلہ کریں گے باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور کسی نبی کے بارہ میں کیسے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی مجتہد کو جو اس امت کا فرد ہے اس کی تقلید کریں، وہ تو صرف اجتہاد سے فیصلے کریں گے یا اس وحی کے ذریعہ سے جو ہماری شریعت کے بارہ میں پہلے سے ان کو معلوم ہو چکی ہے یا آسمان میں ان کو اس کی تعلیم دی گئی ہے یا وہ قرآن میں غور و فکر کر کے قرآن کو ایسے سمجھیں گے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے احکام کو سمجھتے تھے۔ علامہ سبکی نے صرف آخری احتمال کو ذکر کیا ہے اور ملا علی قاری نے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ سے یہ سوال کیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام قرآن و سنت کے حافظ بن کر نازل ہوں گے یا اپنے زمانے کے علماء سے قرآن و سنت حاصل کریں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بارہ میں کوئی صریح بات متقول نہیں۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیزیں سیکھ کر اس کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں فیصلے فرمائیں گے کیونکہ حقیقت میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں (ادھ) اور جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت

امام مہدی امام ابوحنیفہ کی تقلید کریں گے۔ اس کی ملا علی قاری نے اپنے رسالہ المشرب الوردی فی مذہب المہدی میں تردید کی ہے۔ (شامی، صفحہ ۵۷، جلد ۱) قبستانی کا قول درمختار میں یہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مذہب ابی حنیفہ کے موافق فیصلے فرمائیں گے۔ علامہ شامی نے اس بات کی تردید کر دی کہ وہ امام ابوحنیفہ کے مقلد ہوں گے۔ البتہ ان کے اجتہاد کا امام صاحب کے اجتہاد سے توافق بعینہ نہیں جو علامہ شعرانی شافعی کے کشف سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب تدوین کے اعتبار سے سب سے پہلا ہے اور ختم ہونے کے اعتبار سے سب سے آخر میں ختم ہونے والا ہے۔ (شامی، صفحہ ۵۷، جلد ۱) اس توافق کو تقلید نہیں کہا جاتا بلکہ اس سے امام صاحب کے مذہب کی حقانیت واضح ہوتی ہے کہ ایک نبی کا اجتہاد ان کے اجتہاد کے موافق نکلا۔

سوسہ نمبر ۱۱:..... امام ابوحنیفہ کس کی فقہ پر عمل کرتے تھے؟

الجواب:..... قرآن و سنت اور اجماع صحابہ پر عمل کرتے تھے اور اجتہادی مسائل میں خود اپنے اجتہاد پر عمل کرتے تھے جیسے معتقد یوں کو تو امام کی اقتداء کی نیت ضروری ہے مگر امام کسی کی اقتداء کی نیت نہیں کرتا۔ مریض کو ڈاکٹر کی اتباع ضروری ہے۔ ڈاکٹر خود اپنی مرض کا علاج تجویز کر سکتا ہے۔ اب مریض کہے کہ ڈاکٹر کسی کے پاس دوائی لینے نہیں جاتا تو میں ڈاکٹر کے پاس کیوں جاؤں تو اس کا جو نقصان مریض کو ہوگا وہ واضح ہے۔

سوسہ نمبر ۱۲:..... جس آیت یا حدیث کی دلیل پر تم نے مذہب بنا لئے ہیں ان پر عمل کر کے صحابہ نے، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی مذہب کیوں نہ بنائے۔ کیا صحابہ سے ان آیتوں یا حدیثوں پر عمل کرنا ہرگز تھا؟

الجواب:..... صحابہ کرام نے اجتہاد اور تقلید والی آیتوں پر عمل کیا کیونکہ ابن قیم نے کل فتویٰ دینے والے صحابہ کی تعداد تقریباً (۱۵۱) ذکر کی ہے جن میں سے سات کثیر الفتویٰ تھے۔ باقی صحابہ کرام کو مذہب مدون کرنے کا موقع نہیں ملا جس طرح ان کو قرآن میں مدون

کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ائمہ اربعہ نے ان کے مسائل کو اپنی اپنی فقہ میں لے لیا۔ اب فقہ پر عمل کرنے والا قرآن و سنت اور صحابہ کرام کے فتاویٰ اور فقہاء کے اجتہاد پر عمل کرنے والا ہے۔ یہ وسوسہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن سب سے اور اصحاب صحاح ستہ نے جن آیات اور احادیث پر عمل کر کے سات قرأتوں اور صحاح ستہ کو مدون کیا، کیا صحابہ کرام نے ان پر عمل کر کے قرآن صدیقی، قرآن فاروقی، قرآن عثمانی، قرآن علوی اور صحیح صدیقی، صحیح فاروقی، سنن عثمانی، سنن علوی کیوں مدون نہ کیں۔ کیا صحابہ سے ان آیات اور احادیث پر عمل کرنا ہرگز تھا؟ تو واضح ہے کہ یہ وسوسہ قرآن و سنت چھڑوانے کا ذریعہ بنے گا۔ اسی طرح غیر مقلد کا مذکورہ وسوسہ معانی قرآن سے متفق کرنے کا ذریعہ ہے۔

سوسہ نمبر ۱۳:..... اسلام کا انکار کفر ہے تو پھر تمہارے مذہب کا منکر کفر ہے یا نہیں اگر کفر نہیں تو پھر مذہب حنفی اسلام کیسے ہوا؟

الجواب:..... اسلام اور کفر کا مدار ایسے مسائل ہیں جن کا ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہوں۔ ان کا اقرار اسلام اور ان میں سے کسی ایک مسئلے کا بھی انکار کفر ہے۔ قرآن پاک اور احادیث متواترہ قطعی الثبوت ہیں۔ آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ میں سے بعض کی دلالت ظنی ہے۔ اخبار آحاد میں سے ہر ایک حدیث ظنی الثبوت ہے اور دلالت میں بعض مضامین قطعی اور بعض میں ظنی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و سنت کے بھی جو مضامین ظنی ہیں ان کا انکار کفر نہیں، قطعاً ان کا انکار کفر ہے۔ اب اگر کوئی منکر حدیث یہ کہے کہ اسلام کا انکار کفر ہے اور صحیح واحد کا انکار کفر نہیں لہذا صحیح واحد اسلام نہ ہوئی یا کوئی منکر قرآن کسی آیت ظنی الدلالة کے مقہوم کو لے کر کہے کہ اسلام کا انکار کفر ہے اور اس ظنی المقہوم کا انکار کفر نہیں تو انکار قرآن کا دروازہ کھل جائے گا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ تمام منکر قرآن اور منکر حدیث ایسے ہی وسوسوں سے منکر قرآن اور منکر حدیث بنے ہیں۔ باقی فقہ حنفی کی کتب میں قرآن و سنت کے قطعی مسائل بھی ہیں اور اجتہادی مسائل بھی۔ ان قطعاً ان کا انکار کفر ہے، البتہ اجتہادی مسائل میں اگر نفس اجتہاد کا منکر ہے تو وہ قرآن و سنت کے قطعی مسئلے کا منکر ہے

تو وہ قاسم و قاجر اور مستحق تعزیر ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جاہل انسان بلاد ہند اور بلاد ماوراء النہر میں ہو اس حال میں کہ یہاں کوئی شافعی، مانگی اور ضلی عالم نہیں اور نہ ان مذاہب کی کتب میں سے کوئی معتبر کتاب ہے تو اس پر امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے اور آپ کے مذہب سے اس کا خروج حرام ہے کیونکہ وہ اس وقت اس کا طوق اپنی گردن سے اتار دے گا اور بیکار اور مہمل ہو جائے گا۔ (الانصاف، صفحہ ۴۲)

سوسہ نمبر ۱۴:..... مذہب حنفی اسلام ہے تو صحابہؓ نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟
الجواب:..... یہ سوال ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ صحابہ کرامؓ کے فتوے اگر اسلام ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کیوں عمل نہیں کیا۔ احادیث نبویہ سے ثابت ہونے والے مسئلے اگر اسلام ہیں تو قرآن نے ان کو کیوں ذکر نہیں کیا؟ قرآن سیدہ کی قراءتیں اگر اسلام ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرامؓ نے یہ قراءتیں کیوں نہیں پڑھیں؟ صحابہؓ سے کاپڑھنا اگر اسلام ہے تو صحابہؓ نے صحاح ستہ کیوں نہیں پڑھی؟ کیا صحابہؓ مسلمان نہیں تھے؟ ایسے سوال وہی کر سکتا ہے جو حدیث کو قرآن کے خلاف اور صحابہؓ کو حدیث کے خلاف اور قراءتوں کو قرآن کے خلاف تصور کرے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث قرآن کی شرح ہے اور صحابہ کرامؓ نے مزید احادیث کی وضاحت فرمائی اور ائمہ مجتہدین نے قرآن و سنت اور اقوال صحابہؓ کو لے لیا اور مزید اجتہادی مسائل کو ان سے مستنبط کر لیا۔ صحابہ کرامؓ کے اجماعی مسائل کو تو بلا چون و چرا لے لیا اور اختلافی مسائل میں اپنے اجتہاد سے کسی فقید صحابی کے قول کو ترجیح دی اور نئے پیش آمدہ سوالات میں بھی اجتہاد کر لیا۔ طلب کی ترقی سے آئے دن نئی سے نئی ادویات سامنے آ رہی ہیں۔ کوئی کہے کہ ان ادویات سے صحابہ کرامؓ نے شفا حاصل نہیں کی تو ہم بھی نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ جان لیوا ثابت ہوگا، یہ کوئی علمی تحقیق نہیں ہوگی۔

سوسہ نمبر ۱۵:..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ۳۷ فرقوں میں سے ایک حق پر ہوگا لیکن تم چار یا پانچ کو حق پر مانتے ہو تم سچے ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟

الجواب:..... مسائل نے یہ حدیث آدمی پڑھی ہے۔ اگر پوری پڑھ لیتا تو پریشان نہ

ہوتا۔ علامہ شہرستانی نے اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ناجی گروہ کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل السنۃ والجماعت۔ پوچھا گیا کہ اہل سنت والجماعت کون ہیں؟ تو فرمایا کہ جس پر آج کے دن میں ہوں اور میرے صحابہ (الملل والنحل بحاشیہ الفصل فی الملل والاهواء ذوالنحل، صفحہ ۵، جلد ۱) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حق اور باطل کا ذکر فرمایا ہے اور حق یقیناً ایک ہے مگر حق تک پہنچنے کے لئے اجتہادی راستے مختلف ہو سکتے ہیں۔ مجتہدین کا اختلاف حق اور باطل کا نہیں ثواب اور خطا کا ہے اور خطا بھی اجتہادی جس پر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آجر کا وعدہ فرمایا۔ (بخاری) اور راستوں کا متعدد ہونا قرآن نے بھی بیان فرمایا۔

والدین جاہدوا لینا لنہدینہم سبنا (الحکوت) ابھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبب السلام (مائدہ: ۱۶) وما لنا الا نتوکل علی اللہ وقد ہدانا سبنا (ایراہیم: ۱۳) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سب (مذہب) کا ذکر کیا ہے۔ اب کوئی منکر حدیث پوچھے کہ نبی پاک حق ایک مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت سے مذاہب یعنی راستوں کا ذکر فرماتے ہیں تو نفوذ باللہ بتائیں خدا سچا ہے یا رسول؟ تو ہم اس کو بھی اور منکر فقہ کو بھی ایک ہی جواب دیں گے کہ خدا بھی سچا ہے اور خدا کا رسول بھی سچا ہے اور مذاہب اربعہ حق ہیں، غیر مقلد اور منکر حدیث جھوٹے ہیں اور فریبی۔

اللہ تعالیٰ اگر مسائل جاہل ہے تو اس کو علم کا نور عطا فرمائیں اور اگر متعصب اور ضدی ہے تو اس کی اصلاح فرمائیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز اور تمام اہل سنت والجماعت کو آخر دم تک مسلک حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

الخیر الساری فی تشریحات البخاری

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم
صدر مدرس جامعہ خیر المدارس، ملتان

کے درسی افادات کا مجموعہ

استاذ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم (صدر مدرس جامعہ خیر المدارس، ملتان) کا شمار استاذ العلماء عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کے مایہ ناز اور قابل فخر تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۹۴۳ء میں ایک طالب علم کی حیثیت سے خیر المدارس، ملتان میں آئے اور آج تک اسی مادر علمی سے وابستہ ہیں۔ آپ کو یہ سعادت و خصوصیت حاصل ہے کہ فارسی سے دورہ حدیث تک "امہات الکتب" آپ نے بانی جامعہ قدس سرہ کی نگرانی و سرپرستی میں پڑھائیں۔ جامع المعقول و المقول حضرت علامہ مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد خیر المدارس کی صدارت تدریس کے لئے مجلس شوریٰ نے آپ کا انتخاب کیا جو بلاشبہ آپ کے علمی و عملی کمالات اور جامعہ کے لئے آپ کی خدمات، غیر متزلزل وابستگی اور دفاؤں کا اعتراف و اظہار تھا۔

اگرچہ حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ کی حیات شریفہ کے آخری دور میں ان ہی کے حکم سے بخاری شریف کا اکثر حصہ آپ کے زیرِ درس رہا، لیکن شیخ الحدیث کی مسند پر آپ کا باضابطہ تقرر..... میں ہوا۔ اُس وقت سے تا حال آپ تشنگان علوم حدیث کو اپنے علوم و معارف سے سیراب فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تفہیم و تدریس اور بیان کا جو سلیقہ اور

صلاحیتیں آپ کو عطا فرمائیں ہیں وہ بہت کم مدرسین میں نظر آتی ہیں۔ مشکل سے مشکل فن اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو اس حسن ترتیب سے بیان فرماتے ہیں کہ سنتے ہی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ تحقیق و تدقیق، نکتہ رسی، ترتیب و تفہیم اور دلنشین انداز بیان میں آپ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کی تدریسی خصوصیات اور علوم و معارف سے علمی حلقے بخوبی متعارف ہیں جن کی ایک طویل عرصہ سے خواہش تھی کہ آپ کی درسی تقاریر بالخصوص جو آپ نے درس بخاری شریف کے دوران ارشاد فرمائیں زیور طبع سے آراستہ ہوں تاکہ خیر المدارس ملتان سے ذور افتادگان بھی حضرت شیخ الحدیث صاحب کے علوم و معارف اور کمالات سے مستفیض ہو سکیں۔ ان دروس کی افادیت و اہمیت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے بقول یہ تقاریر درحقیقت حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد قدس سرہ کے مضامین ہیں۔ ان میں کچھ اضافے حالات حاضرہ کے پیش نظر کئے گئے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ نے جامعہ کے استاذ اور حضرت والا کے شاگرد رشید مولانا خورشید احمد صاحب تونسوی کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ انہوں نے آپ کے دروس بخاری پر تخریج و مراجعت اور نظر ثانی کا کام شروع کیا اور محنت شاقہ کے بعد ان تقاریر کو تخریر کے سانچے میں ڈھالا، جس کی اشاعت اہل علم حضرات اور طلبہ و اساتذہ حدیث شریف کے لئے ایک علمی خزینہ اور نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ درسی افادات ان شاء اللہ اہل علم کو بہت سی شروحات و تعلیقات سے بے نیاز کر دیں گے جو حضرت شیخ الحدیث کی ساٹھ سالہ تدریسی زندگی کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

کتاب کے آغاز میں بطور مقدمہ علم حدیث کی تعریف، غرض و غایت، تدوین و حفاظت حدیث، آداب علم حدیث، مقاصد صحاح ستہ، منکرین حدیث کے ہفتوات اور ان کے جواب، ثلاثیات بخاری، امام بخاری کے تفصیلی حالات، امام بخاری کے حنفی اساتذہ کا تعارف اور وجوہ ترجیح فقہ حنفی سمیت دیگر متعلقہ مباحث کا تحقیقی و تفصیلی تذکرہ ہے۔

پہلی جلد ”باب بدء الوحی“ سے ”کتاب العلم“ تک ہے۔ کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ احادیث کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ مکمل متن بھی درج کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو مراجعت میں سہولت رہے۔ اس کے علاوہ مشکل لغات کا حل، مطالب حدیث کی دلنشین وضاحت، مذاہب فقہیہ کی تحقیق و تنقیح اور تفصیل، ترجمہ الباب پر تسلی بخش کلام، امام بخاری کے رجحان کی تعیین، احادیث متکررہ کی نشاندہی، متعلقہ احادیث کی امہات کتب سے تخریج، رواۃ حدیث بالخصوص صحابہؓ کے حالات اور عصر حاضر کے متنازعہ مسائل (بین اہل السنۃ و اہل البدعۃ) میں علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کی شافی و وافی وضاحت کی گئی ہے۔

پانچ سو صفحات پر مشتمل اس علمی مجموعہ کو معروف اشاعتی ادارہ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ، ملتان۔ اپنے روایتی ذوق طباعت کے مطابق خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ ان درسی افادات کے نام ”الخیر الساری“ سے نیک فال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سلسلہ خیر طلبہ و اساتذہ حدیث میں تا ابد جاری و ساری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث استاذ مکرم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم کے ان علمی افادات کو اہل علم و فضل اور طلبہ و اساتذہ حدیث کے لئے نافع اور ذریعہ حصول خیر بنائیں۔ آمین۔

تجلیاتِ صفا

جلد ۷

سائرا سلام ترجمانِ احسانت وکیلِ اسان

مفتی محمد شادان صاحبِ دہلوی

مترجم: شہیل و قصبیح

مولانا نعیم احمد

صدر ایچا جامعہ صبر الدار سے انعاماتِ شہر

مکتبہ المدنیہ

سٹیشن روڈ، ٹیکسٹائل، لاہور